نورالحبیب ۲۰۰۷

جلد 12

اولیائے کرام رح

Scanned with CamScanner

فنافی المصطفیٰ، سند الاصفیا، قطب الاقطاب، وحید الدہر، فرید العصر

شیخ، امام ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان الجزولی السملالی قدس سرہ العزیز

صاحبِ دلائل الخیرات

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری



فقیہِ اعظم پبلی کیشنز

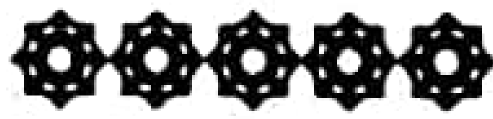
دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور (اوکاڑا)

نام کتاب	شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی
تصنیف	(صاحب زادہ) محمد محب اللہ نوری
صفحات	۳۲
حروف سازی	نوری کمپوزنگ سنٹر، بصیر پور شریف
اشاعت	شعبان المعظم ۱۴۲۸ھ / ستمبر ۲۰۰۷ء
ناشر	فقیہ اعظم پبلی کیشنز بصیر پور شریف (اوکاڑا)
مطبع	شرکت پرنٹنگ پریس، لاہور
قیمت	روپے

ملنے کے پتے

1. انجمن حزب الرحمٰن، بصیر پور شریف، ضلع اوکاڑا
2. ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
3. فرید بک سٹال، 38 اردو بازار، لاہور
4. شبیر برادرز، 40 اردو بازار، لاہور
5. مکتبہ اشرفیہ، منڈی مرید کے، ضلع شیخوپورہ
6. مکتبہ غوثیہ، محمود شہید روڈ، شاہدرہ، لاہور
7. مجلس دلائل الخیرات شریف، جامع مسجد آرام باغ، کراچی

فہرست



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک ایمان دار کی سب سے بڑی متاع ایمان ہے--- ایمان کی اساس حب رسول ہے--- محبت مصطفیٰ اصلِ ایمان، جانِ ایمان، روحِ ایمان اور حاصلِ ایمان ہے، بغیر اس کے ایمان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا--- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ---[۱]

"اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے باپ اور اولاد سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں"---

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لَا یُوْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَھْلِہٖ وَ مَالِہٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ---[۲]

''کوئی بندہ اس وقت تک ایمان دار نہ ہوگا جب تک کہ میں اسے اس کے گھر والوں، اس کے مال اور سارے جہاں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''---

سعید ہیں وہ لوگ جنھیں حب رسول کی حلاوت نصیب ہوئی، مبارک ہیں وہ دل جو حب رسول میں دھڑکتے اور یاد رسول میں تڑپتے ہیں---انھیں محبین محبوب خدا اور شیدایان جمال مصطفیٰ میں سے ایک اہم نام فنافی المصطفیٰ، سندالاصفیا، عارف کامل، قطب الاقطاب، وحیدالدہر، فریدالعصر، شیخ، امام ابوعبداللہ محمد بن سلیمان الجزولی السملالی کا ہے---آپ نسباً حسنی، مذھباً مالکی[۳] اور مشرباً شاذلی[۴] تھے---

اسم گرامی

آپ کا نام نامی اسم گرامی محمد، والد کا نام عبدالرحمٰن، جب کہ دادا کا اسم گرامی ابوبکر بن سلیمان ہے---[۵]

تاریخ میں بہت سے ایسے بزرگ ملتے ہیں جن کی نسبت والد کی بجائے جداعلیٰ کی طرف ہوتی ہے، امام جزولی کو بھی بالعموم ان کے والد کے دادا جان حضرت سلیمان کی طرف منسوب کر کے محمد بن سلیمان کہا جاتا ہے---[٦]

نسب

آپ حسنی سید ہیں، اکیس واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے---امام محمد المہدی الفاسی (م:۱۱۰۹ھ) نے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح بیان کیا ہے:

اَلشَّیْخُ مُحَمَّدُ (صاحب دلائل الخیرات) بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ سُلَیْمَانَ بْنِ سَعِیْدِ بْنِ یَعْلَی بْنِ یَخْلفَ بْن مُوْسٰی بْنِ عَلِیِّ بْنِ یُوْسُفَ

بْنِ عِيْسٰى بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُنْدُوْزِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَحْمَدَ
بْنِ حَسَّانَ بْنِ اِسْمٰعِيْلَ بْنِ جَعْفَرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْكَامِلِ بْنِ حَسَنِ الْمُثَنّٰى
بْنِ الْحَسَنِ السِّبْطِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ اَبِىْ طَالِبٍ---[۷]

سلسلہ نسب نقل کرنے کے بعد امام فاسی تحریر فرماتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سے کوئی نام رہ گیا ہے، کیوں کہ حضرت حسن مثنیٰ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبداللہ کامل کی اولاد میں جعفر نامی صاحب زادے معروف نہیں ہیں، ممکن ہے کہ حضرت جعفر اور عبداللہ کامل کے درمیان کوئی نام رہ گیا ہو---[۸]

بعض نے صاحب دلائل الخیرات کو حسینی سید قرار دیا ہے---ان کے خیال میں حضرت جعفر کے والد عبداللہ بن حسین بن علی زین العابدین بن حسین بن علی (رضی اللہ عنہ) ہیں---[۹]

نسبت

امام محمد بن سلیمان کا تعلق قبیلہ جزولہ کی شاخ سملالہ سے ہے---آپ کا شمار اس قبیلہ کے متمول لوگوں میں ہوتا ہے---اس وجہ سے آپ کو جزولی اور سملالی کہا جاتا ہے---آپ کی سکونت ملک بربر (افریقا) کے علاقہ سوس اقصیٰ میں تھی---[۱۰]

تعلیم

امام جزولی نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے شہر فاس میں رہائش اختیار کی اور وہاں کے مدرسہ صفارین میں داخل ہو گئے، جہاں ان کا رہائشی حجرہ اب بھی معروف ہے---یہاں آپ نے ابن حاجب کی تصانیف اور مدونہ کبریٰ وغیرہ کتابوں کو زبانی یاد کیا اور یوں علم میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تصوف وولایت میں بھی کمال حاصل کیا---[۱۱]

حصول تعلیم کے زمانہ میں آپ اپنی رہائش گاہ میں تنہا رہتے تھے، کسی کو اپنے ساتھ نہ ٹھہراتے---بعض لوگ اس خلوت گزینی پر معترض ہوئے اور ان کے والد کو شکایت کی کہ انھوں نے شاید مکان میں مال اکٹھا کر رکھا ہے کہ کسی کو اس میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتے---والد گرامی نے

مکان میں جانے کی خواہش ظاہر کی تو امام جزولی نے دروازہ کھول دیا، اندر داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کمرے کے درودیوار پر ہر طرف تحریر تھا:

اَلْمَوْتَ! اَلْمَوْتَ! اَلْمَوْت---

والد گرامی پر جب اپنے صاحب زادے کا یہ حال اور مقام منکشف ہوا تو بے ساختہ پکار اٹھے:

اُنْظُرْ اَیْنَ ھٰذَا وَ اَیْنَ نَحْنُ---[۱۲]

"دیکھو! ہم کس گمان میں تھے اور یہ کس مقام پر فائز ہے"---

سلسلہ طریقت

شیخ جزولی نے فاس سے ساحلی علاقہ کا رخ کیا، وہاں آپ کی ملاقات یکتائے روزگار عارف کامل شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ امغار سے ہوئی، آپ نے ان کے دست حق پرست پر بیعت کی اور فیض حاصل کیا---[۱۳]

آپ کا تعلق سلسلہ شاذلیہ سے تھا، کثرت درود وسلام اور محبت رسول اس سلسلہ کی امتیازی پہچان ہے---شیخ جزولی خود بھی سید تھے اور آپ کے مشائخ کرام کا سلسلہ نسب بھی سادات سے ملتا ہے--- اس طرح حسب ونسب کی برکت اور محبت دینی ومحبت طینی دونوں کے اتصال سے نورٌ علیٰ نور کی کیفیت پیدا ہوگئی---[۱۴]

سیدی صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز نے اپنے مشائخ سے سلسلہ شاذلیہ کی سند میں امام جزولی کے شیخ کا نام سید عبدالرحمٰن تحریر کیا ہے اور رأس السلسلہ امام ابوالحسن شاذلی قدس سرہ العزیز کی وساطت سے حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تک آپ کا سلسلہ طریقت اس طرح نقل کیا ہے:

سَیِّدِیْ مُحَمَّدُ بْنُ سُلَیْمَانَ الْجَزُوْلِیُّ، صَاحِبُ دَلَائِلِ الْخَیْرَاتِ قدس سرہ

سَیِّدِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الشَّرِیْفُ قدس سرہ

سَیِّدِیْ عُثْمَانَ قدس سرہ

سَیِّدِیْ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ الرَّجْدَادِیُّ قدس سرہ

سَیِّدِیْ عَیْنُوْس الْبَدَوِیُّ قدس سرہ

سَیِّدِیْ اِمَام الْمِغزالِیُّ قدس سرہ

سَیِّدِیْ عَبْدُ اللّٰہِ الْمَغْرَبِیُّ قدس سرہ

تَاجُ الْعَارِفِیْنَ سَیِّدِیْ عَلِیٌّ اَبُوْالْحَسَنِ الشَّاذِلِیُّ الْحَسَنِیُّ رضی اللہ عنہ

سَیِّدِیْ شیخ عبد السلام قدس سرہ

سَیِّدِیْ عبد الرحمٰن المدنی قدس سرہ

سَیِّدِیْ ابوبکر الشبلی قدس سرہ

سَیِّدِیْ جنید بغدادی قدس سرہ

سَیِّدِیْ سری سقطی قدس سرہ

سَیِّدِیْ حبیب عجمی قدس سرہ

سَیِّد التابعین حسن بصری قدس سرہ

سَیِّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

سَیِّدنا علی المرتضیٰ کرّم اللّٰہ وجھہ الکریم

سیدنا و مولانا محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم---[۱۵]

خلوت گزینی

شیخ جزولی سلسلہ شاذلیہ میں بیعت کے بعد چودہ سال تک خلوت گزیں رہ کر عبادت و ریاضت اور منازل سلوک طے کرنے میں مشغول رہے---[۱۶]

وَ کَانَ کَثِیْرَ الْاَوْرَادِ مُرَاقِبًا لِلّٰہِ تَعَالٰی فِیْ جَمِیْعِ اَفْعَالِہٖ وَاقِفًا عِنْدَ حُدُوْدِہٖ عامِلًا بِکِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ سُنَّۃِ رَسُوْلِہٖ صلی اللہ علیہ وسلم اِلٰی اَنِ اشْتَھَرَ بِالصَّلَاحِ---[۱۷]

''آپ ہمہ وقت اوراد و وظائف میں مشغول رہتے، ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رکھتے، کتاب و سنت پر سختی سے کاربند اور حدود الٰہی کی پاسبانی کرنے والے تھے، بالآخر آپ کی نیکی اور بزرگی کی دھوم مچ گئی''---

دن رات میں ڈیڑھ قرآن کریم (ایک قرآن مکمل اور نصف قرآن) کی تلاوت کرتے، بسم اللہ شریف کا وظیفہ پڑھتے اور شب و روز میں دو مرتبہ دلائل الخیرات ختم کرنا ان کا معمول تھا---[۱۸]

تربیت مریدین

چودہ سالہ طویل خلوت کے بعد دین کی نشر و اشاعت اور خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے آپ نے جلوت اختیار کی---آسفی شہر کو آپ نے اپنی دینی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور مریدین کی تربیت و ہدایت کا کام سرانجام دینا شروع کیا---بے شمار لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر تائب ہوئے اور آپ کا چرچا چار دانگ عالم میں پہنچ گیا---آپ سے بے شمار عظیم کرامات اور حیرت انگیز خوارق رونما ہوئے---آپ کے مناقب اور کمالات میں غور کرنے سے عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے---[۱۹]

آسفی شہر کے والی نے آپ کو وہاں سے نکال دیا، تو آپ مطرازہ بستی کے مضافات آفرغال (ممتع الاسماع میں آفوغال ہے) میں اقامت گزیں ہو گئے---آپ نے یہاں بھی مریدین کی تربیت کا مشن جاری رکھا---آپ کی برکت سے لوگوں کے دل انوارِ الٰہی سے منور اور اسرار و معارفِ تصوف سے آشنا ہونے لگے---آپ کے وجودِ باجود کی برکت سے تمام بلادِ مغرب میں ذوقِ فراواں پیدا ہو گیا---آپ کی شہرت و مقبولیت ملک کے کونے کونے میں جا پہنچی---ہر جگہ آپ کے معتقدین کا ایک حلقہ پیدا ہو گیا---یوں اس خطے کو حیاتِ نو میسر آئی اور طریقِ تصوف از سرِ نو زندہ ہو گیا---[۲۰]

آپ کے کثیر التعداد خلفاء میں سے ابوعبداللہ محمد الصغیر السہلی اور شیخ محمد عبدالکریم منذاری نے بہت شہرت پائی---آپ کی اور آپ کے مخلص خلفاء و مستفیضین کی مساعی جمیلہ سے معرفتِ الٰہی کا نور عام ہوا اور لوگوں کے دل انوار و تجلیات سے جگمگانے لگے اور آپ کے سلسلہ کو بہت

وسعت ملی---[۲۱] عام مریدین کا تو کیا شمار، خواص کی تعداد بھی ہزاروں میں تھی:

حَتّٰى اجْتَمَعَ مِنَ الْمُرِيْدِيْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا وَ سِتُّمِائَةٍ وَ خَمْسَةٌ وَ سِتُّوْنَ، كُلُّهُمْ مِمَّنْ نَالَ مِنْهُ خَيْرًا جَزِيْلًا عَلٰى قَدْرِ مَرَاتِبِهِمْ وَ قُرْبِهِمْ---[۲۲]

''یہاں تک کہ آپ کے فیض یافتہ مریدین میں سے بارہ ہزار چھ سو پینسٹھ تو ایسے کامل تھے کہ مقامِ ولایت پر متمکن ہوئے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق قربِ الٰہی کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوئے''---

آپ کی ذات مرجعِ خلائق تھی--- مریدین کے علاوہ ہزاروں افراد آپ کی زیارت و ملاقات کے لیے حاضر ہوتے---[۲۳]

فضائل و مناقب

حضرت امام جزولی قدس سرہ العزیز جامع الکمالات بزرگ تھے--- شیخ ادریس بن ماحی قیطونی (م۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) آپ کا ذکرِ خیر اس طرح کرتے ہیں:

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ الْحَسَنِىُّ الْجَزُوْلِىُّ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ الشَّيْخُ الْفَقِيْهُ الْعَلَّامَةُ الْعَارِفُ الْوَلِىُّ الصَّالِحُ شَيْخُ الْاِسْلَامِ عَلَمُ الْاَعْلَامِ الْعَالِمُ الْعَامِلُ الشَّيْخُ الْكَامِلُ الْعَارِفُ بِاللّٰهِ الْوَاصِلُ، نُخْبَةُ الدَّهْرِ وَ وَحِيْدُ الْعُصْرِ كَانَ مِنَ الْعُلَمَاءِ الْعَامِلِيْنَ وَ الْاَئِمَّةِ الْمُهْتَدِيْنَ ذَا هِمَّةٍ عَالِيَةٍ وَ اَخْلَاقٍ زَاكِيَةٍ مَّرْضِيَّةٍ وَ طَرِيْقَةٍ سَنِيَّةٍ كَثِيْرَ النَّفْعِ لِلْعِبَادِ---[۲۴]

''ابوعبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن سلیمان جزولی شیخ، علامہ، عارف، ولی، صالح، شیخ الاسلام، مقتدا و پیشوا، عالم، عامل، شیخ کامل، اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے، اللہ سے ملانے والے، یکتائے روزگار اور وحید العصر تھے--- آپ کا شمار علماء عاملین

اور سراپا رشد و ہدایت ائمہ میں ہوتا ہے--- آپ بلند ہمت، پاکیزہ اخلاق، عمدہ طریقہ والے اور خلق خدا کو بہت نفع پہنچانے والے تھے"---

امام محمد المہدی الفاسی رقم طراز ہیں:

"حضرت شیخ جزولی ﷫ کا شمار علماءِ عاملین اور ائمہ مجتہدین میں ہوتا ہے--- آپ کو نسب و حسب کے ساتھ ساتھ علم و عمل کا شرف بھی حاصل تھا--- آپ ربانی احوال، بلند مقامات، عالی ہمت، پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے--- آپ کا طریقہ عمدہ تھا--- علم لدنی اور اسرارِ ربانی کے حامل اور بڑے بڑے خرقِ عادت امور میں صاحبِ تصرفات و کرامات تھے--- آپ جامع مانع قطب، نافع غوث، برستی ہوئی بارش کی طرح فیض رساں، وارثِ رحمانی، امام ربانی تھے--- اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے اہلِ زمانہ کے لیے سراپا رحمت، برکت اور نور بنایا تھا--- آپ لوگوں کے لیے مرکزِ نگاہ، مظہر تصرفاتِ خدا، منبع مدد، فریاد رس، کثیر النفع تھے--- آپ ایسے کیمیا اثر تھے کہ صحبت میں آنے والے کی زندگی میں انقلاب رونما ہو جاتا اور تھوڑے ہی عرصہ میں سرکش نفوس کے تانبے خالص سونے میں بدل جاتے، ان کے اندھیرے، اجالے میں اور غم سرور میں تبدیل ہو جاتے، شہوانی خیالات اور (نفسانی) کثافتیں دور ہو جاتیں، ہمتیں بلند اور ارادے مضبوط ہو جاتے--- آپ سے کثیر التعداد لوگ مستفیض ہوئے، جن میں بڑے مشہور مشائخ بھی شامل ہیں--- آپ نے ویران بستیوں اور مردہ دلوں کو حیات نو بخش دی، مغرب کے علاقہ میں تصوف کے آثار و انوار کو پھر سے زندہ کر دیا، جس سے تمام بلاد مغرب میں طریق فقر و درویشی کو رواج ملا اور ذکر الٰہی اور نبی کریم ﷺ پر درود کا شعور عام ہوا---[۲۵]

محبتِ مصطفیٰ

صاحب دلائل الخیرات شیخ جزولی ﷫ کا تخصص اور امتیازی وصف حب رسول ﷺ تھا--- وہ تحدیث نعمت کے طور پر اپنی کیفیت محبت کو یوں بیان کرتے ہیں:

وَ نَفَيْتَ عَنْ قَلْبِي فِي هٰذَا النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ الشَّكَّ وَ الْاِرْتِيَابَ وَ

غَلَّبْتَ حُبَّهُ عِنْدِي عَلٰى حُبِّ جَمِيْعِ الْاَقْرِبَاءِ وَ الْاَحِبَّاءِ---[۲۶]

"اے اللہ! تو نے میرے دل کو اس نبی کریم ﷺ کے بارے میں ہر قسم کے شک وشبہ سے دور رکھا ہے اور آپ کی محبت کو میرے نزدیک تمام رشتہ داروں اور پیاروں کی محبت پر غالب کر دیا ہے"---

شیخ جزولی کی محبت مصطفوی کے مظاہر دلائل الخیرات میں جا بجا دیکھے جا سکتے ہیں---

عقیدہ

امام جزولی رحمہ اللہ خوش عقیدہ بزرگ ہیں، جن کا تعلق اہل السنۃ والجماعۃ سے ہے--- ذاتِ الوہیت کے حوالے سے بڑا ٹھوس عقیدہ رکھتے تھے، انھوں نے جا بجا اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کی قدرت کاملہ کا بڑے حسین پیرائے میں ذکر کیا ہے--- دلائل الخیرات بنیادی طور پر درود وسلام کا مجموعہ ہے مگر اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس طرح بیان کیا ہے کہ درود پڑھنے والے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان اور اس کا جلال وکمال راسخ ہو جاتا ہے---

عظمت الوہیت کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ کے علم، اختیارات، کمالات، تصرفات، معجزات، آپ کی عند اللہ وجاہت ومحبوبیت، آپ کا حاضر وناظر ہونا، آپ سے توسل واستعانت اور آپ ﷺ کی عظمت وشوکت کو بڑے حسین پیرائے میں بیان کیا ہے---

امام جزولی رحمہ اللہ، بارگاہ الٰہیہ میں انھی عقائد اہل سنت پر مداومت کی دعا مانگتے ہیں--- ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

اَللّٰهُمَّ يَا رَبِّ بِجَاهِ نَبِيِّكَ الْمُصْطَفٰى وَ رَسُوْلِكَ الْمُرْتَضٰى طَهِّرْ قُلُوْبَنَا مِنْ كُلِّ وَصْفٍ يُبَاعِدُنَا عَنْ مُشَاهَدَتِكَ وَ مَحَبَّتِكَ وَ اَمِتْنَا عَلَى السُّنَّةِ وَ الْجَمَاعَةِ وَ الشَّوْقِ اِلٰى لِقَائِكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ---[۲۷]

"اے اللہ، اے میرے رب! تو اپنے برگزیدہ نبی اور پسندیدہ رسول کی جاہ ومرتبت

کے صدقے ہمارے دلوں کو ہر ایسے وصف سے پاک کر دے جو ہمیں تیرے مشاہدہ اور تیری محبت سے دور کرتا ہو اور سنت و جماعت کے طریقہ اور اپنی ملاقات کے شوق پر ہمارا خاتمہ فرما---اے ہیبت وجلال اور انعام و اکرام والے---

شعر و سخن

شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ شعر و سخن کا عمدہ ذوق رکھتے تھے---آپ کے اشعار خوفِ خدا، ترغیبِ اعمالِ صالحہ، حبِ رسول اور آپ ﷺ سے استمداد اور حصولِ شفاعت کے مضامین پر مشتمل ہیں---ذیل میں نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے:

۱) اِذَا شَهِدَتْ یَوْمَ الْعِقَابِ جَوَارِحِیْ ۔۔۔ فَکَیْفَ خَلَاصِیْ مِنْ ظُهُوْرِ قَبَائِحِیْ

۲) اِذَا قَالَتِ الْعَیْنَانِ تَذْکُرُ سَاعَةً ۔۔۔ نَظَرْتَ بِهَا لِلْمُنْکَرَاتِ الْقَبَائِحِ

۳) وَ قَالَ لِسَانِیْ کَمْ لَفَظْتَ بِبَاطِلٍ ۔۔۔ وَ کُنْتَ اِلَی الْعِصْیَانِ اَوَّلَ رَائِحِ

۴) وَ قَالَتْ یَدَایَ کَمْ تَنَاوَلْتَ مَاْثِمًا ۔۔۔ فَوَا اَسَفِیْ اِنْ کُنْتَ غَیْرَ مُسَامِحِ

۵) وَ قَالَتْ لِیَ الرِّجْلَانِ مَحرم ما مَشتَ ۔۔۔ اِلَیْهِ وَ لَمْ تَسْمَعْ مَقَالَةَ نَاصِحِ

۶) فَاِنِّیْ اِلٰی نَارٍ تَلَظّٰی وُقُوْدُهَا ۔۔۔ اُسَاقُ ذَلِیْلًا خَاسِرًا غَیْرَ رَابِحِ

۷) فَاِنْ مَنَّ ذُو الْاِحْسَانِ بِالْعَفْوِ وَ الرِّضٰی ۔۔۔ نَجَوْتُ وَ اِلَّا کُنْتُ رَهْنَ قَبَائِحِ [۲۸]

۱)...... "جزاو سزا کے دن جب میرے اعضاء میرے گناہوں کی گواہی دیں گے، تو کیسے خلاصی ہو پائے گی"---

۲)...... "جب دونوں آنکھیں کہیں گی، وہ گھڑی یاد کر، جب تو ناپسندیدہ اور حرام چیزوں کو تکتا تھا"---

۳)...... "جب میری زبان کہے گی، یاد کر تو نے کتنے غلط الفاظ اس سے ادا کیے اور تو گناہوں کی طرف خوشی خوشی آگے بڑھ کر جاتا تھا"---

۴)...... "میرے ہاتھ کہیں گے، تو نے گناہوں میں مبتلا کر دینے والی کتنی

چیزوں کو پکڑا؟ ہائے افسوس! کاش تو گناہوں اور تسامحات سے اجتناب کرتا‘‘---

۵)...... ’’ٹانگیں کہیں گی، تو مجھے کتنی ہی بار حرام کی طرف لے گیا اور تو نے کسی کی نصیحت پر کان نہ دھرا‘‘---

۶)...... ’’اب مجھے بھڑکتی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا اور اس کی طرف ذلیل و رسوا کر کے لے جایا جائے گا اور کچھ نفع حاصل نہ ہوگا‘‘---

۷)...... ’’اگر احسان کرنے والا ربِ کریم احسان فرما کر عفو و درگزر اور اپنی رحمت سے نوازے تو میں نجات پا جاؤں گا، ورنہ بری طرح جکڑ دیا جاؤں گا‘‘---

بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں استغاثہ کے چند اشعار:

۱) یَا رَحْمَةَ اللّٰهِ اِنِّیْ خَائِفٌ وَّجِلٌ یَا نِعْمَةَ اللّٰهِ اِنِّیْ مُفْلِسٌ عَانٍ
۲) وَ لَیْسَ لِیْ عَمَلٌ اَلْقَی الْعَلِیْمَ بِهٖ سِوٰی مَحَبَّتِکَ الْعُظْمٰی وَ اِیْمَانِیْ
۳) فَکُنْ اَمَانِیَ مِنْ شَرِّ الْحَیٰوةِ وَ مِنْ شَرِّ الْمَمَاةِ وَ مِنْ اِحْرَاقِ جُثْمَانِیْ
۴) وَ کُنْ غِنَایَ الَّذِیْ مَا بَعْدَهٗ فَلَسٌ وَ کُنْ فَکَاکِیَ مِنْ اَغْلَالِ عِصْیَانِیْ
۵) تَحِیَّةُ الصَّمَدِ الْمَوْلٰی وَ رَحْمَتُهٗ مَا غَنَّتِ الْوُرْقُ فِیْ اَوْرَاقِ اَغْصَانٖ
۶) عَلَیْکَ یَا عُرْوَتِیَ الْوُثْقٰی وَ یَا سَنَدِی الْاَوْفٰی وَ مَنْ مَّدْحُهٗ رَوْحِیْ وَ رَیْحَانِیْ [۲۹]

۱)...... ’’اے اللہ کی رحمت! بے شک میں خائف ہوں، ڈرنے والا ہوں، اے اللہ کی نعمت! میں محتاج اور کنگال ہوں‘‘---

۲)...... ’’اور میرے پاس کوئی ایسا عمل نہیں، جس کے ساتھ خدائے علیم کی بارگاہ میں حاضری دوں، سوائے آپ کی محبتِ عظمٰی کے اور آپ پر میرے یقین وایمان کے‘‘---

۳)...... ’’آپ میرے ضامن بن جایئے، زندگی کے شر سے اور موت کے شر سے اور اس سے کہ میرے گناہوں کی وجہ سے مجھے جلایا جائے‘‘---

۴)...... ’’اور آپ ہی میرا سرمایہ (حیات) بن جائیں، جس کے بعد بے مائیگی نہیں

اور مجھے گناہوں کے طوقوں سے نجات دلائیں"---

۵-۶)......"اے میرے مضبوط وسیلے اور میرے کامل بھروسے! جو سب سے بڑھ کر وفا کرنے والے ہیں، اے وہ کہ جس کی تعریف میری راحت اور فرحت و تازگی ہے، آپ پر اس بے نیاز مالک و مولیٰ کا ہدیہ سلام اور اس کی رحمت ہو، جب تک پرندے سرسبز و شاداب ٹہنیوں پر چہچہاتے رہیں"---

ایک اور قطعہ ملاحظہ ہو:

نَبِیَّ الْهُدٰی ضَاقَتْ بِیَ الْحَالُ فِی الْوَرٰی
وَ اَنْتَ لِمَا اَمَّلْتُ فِیْكَ جَدِیْرُ
فَسَلْ خَالِقِیْ تَفْرِیْجَ كَرْبِیْ فَاِنَّهٗ
عَلٰی فَرَجِیْ دُوْنَ الْاَنَامِ قَدِیْرُ [۳۰]

۱)......"اے ہدایت عطا کرنے والے نبی! زمانے میں برا حال ہو گیا، جب کہ آپ میری امیدوں پر پورا اترنے والے ہیں"---

۲)......"سو اپنے خالق سے میرے غم کو دور کرنے کا سوال کریں، اس لیے کہ مخلوق کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہی میری نجات پر قادر ہے"---

وصال

شیخ جزولی کی مقبولیت، شہرت، علم و فضل اور طریقت میں اعلیٰ مقام کی وجہ سے حاسدین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا، انھوں نے آپ کو زہر دے دیا، جس سے آپ کو درجۂ شہادت نصیب ہوا--- ۱۶ ربیع الاوّل ۸۷۰ھ کو نمازِ فجر کی پہلی رکعت کے دوسرے سجدہ یا دوسری رکعت کے پہلے سجدہ میں آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور واصل باللہ ہو گئے--- اسی روز بعد نمازِ ظہر آپ کو "سوس" میں آپ کی بنا کردہ مسجد کے صحن میں دفن کیا گیا---[۳۱]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ وصال کے بعد عمرو المعیطی (متوفی ۸۹۰ھ) نے آپ کو تابوت میں

رکھا اور جب بھی کسی مہم پر روانہ ہوتا، تابوت کو اپنے ساتھ لے جاتا، جس سے اسے فتح ونصرت حاصل ہوتی --- بیس سال کے بعد عمرو المعیطی نے وفات پائی، تب لوگوں نے شیخ جزولی کے تابوت کو دفن کر دیا --- [۳۲]

آپ کے وصال کے ستتر (۷۷) سال بعد سلطان احمد الاعرج نے آپ کے جسم اطہر کو سوس سے لے جا کر مراکش کے قبرستان ریاض العروس میں دفن کر دیا [۳۳] اور آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کیا گیا --- [۳۴]

علامہ یفرنی درر الحجال میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ مراکش نے ۱۱۳۸ھ میں (از سرنو) روضہ تعمیر کرایا تو سنگ بنیاد کے موقع پر محفل کا انعقاد کیا گیا --- [۳۵]

آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی --- [۳۶]

ستتر سال بعد جسم تر و تازہ تھا

ستتر سال کے بعد جب آپ کو قبر سے نکالا گیا تو آپ کا جسم بالکل تر و تازہ تھا، جیسے آج ہی دفن کیا گیا ہو --- اتنی طویل مدت گزر جانے کے باوجود آپ کا جسم متغیر نہ ہوا تھا --- آپ کی داڑھی اور سر کے بال ایسے تھے، جیسے آج ہی حجام نے آپ کی حجامت بنائی ہو ---

ایک شخص نے آپ کے چہرے کو انگلی سے دبایا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس جگہ سے خون ہٹ گیا اور جب انگلی اٹھائی تو خون پھر اپنی جگہ لوٹ آیا، جیسے زندوں کے ساتھ ہوا کرتا ہے --- [۳۷]

مزارِ پُر انوار سے کستوری کی خوش بو

مراکش میں آپ کا مزار مرجعِ خلائق ہے --- مزار پر بڑے رعب و جلال کا سماں ہے --- لوگ زیارت کے لیے جوق در جوق حاضری دیتے ہیں اور دلائل الخیرات کا بکثرت ورد ہوتا ہے ---

آپ کی ساری عمر حضور نبی کریم ﷺ پر درود پڑھتے، درود شریف کی ترغیب دیتے اور درود شریف کی نشر و اشاعت میں گزری --- درود شریف کی برکت سے آپ کی قبر اطہر سے کستوری کی مہک آتی ہے --- [۳۸]

تصانیف

خلقِ خدا کی ہدایت ورہنمائی کے ساتھ ساتھ آپ نے مریدین کی تربیت کے لیے تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا---شیخ سید ادریس بن ماحی قیطونی نے تین کتابوں کا ذکر کیا ہے:

۱......تصوف میں ایک کتاب (نام ذکر نہیں)

۲......حزب سبحان الدائم

۳......دلائل الخیرات--- [۳۹]

شیخ احمد بابا سودانی نے بھی تصوف میں آپ کی تالیف کا ذکر کیا ہے، مگر نام تحریر نہیں کیا---[۴۰]

علامہ فاسی نے آپ کے تالیف کردہ "حزب سبحان الدائم" کے بارے میں لکھا ہے:

"یہ "حزبِ جزولی" کے نام سے معروف ہے"---[۴۱]

اس حزب کی اہمیت کا اندازہ شیخ جزولی ﷫ سے منسوب اس قول سے لگایا جا سکتا ہے:

وَ مَا وَاظَبَ عَلَيْهِ اِلَّا وَلِيٌّ وَ مُبَارَكٌ---[۴۲]

"اسے پابندی سے وہی پڑھ سکے گا، جو ولی اور صاحب خیر و برکت ہوگا"---

شیخ ابو العباس اس حزب کے بارے میں اپنا تجربہ یوں رقم کرتے ہیں:

فَمَا رَأَيْنَا اَحَدًا وَاظَبَ عَلٰى قِرَاءَتِهٖ اِلَّا وَجَدَ لَهٗ بَرَكَةً وَ نُوْرًا فِيْ قَلْبِهٖ---[۴۳]

"ہمارا مشاہدہ ہے کہ جس کسی نے بھی حزبِ جزولی کا باقاعدگی سے ورد کیا، وہ قلبی نور اور برکت سے بہرہ یاب ہوا"---

آپ کا مرتبہ وظیفہ "حزب الفلاح" نہایت مختصر وظیفہ ہے، جس کا مکمل متن "الاعلام" کے صفحہ ۹۶ پر درج ہے---اس کے بارے میں شیخ صالح الشرقی لکھتے ہیں:

مَا اَفْلَحَ مَنْ اَفْلَحَ اِلَّا بِقِرَاءَةِ حِزْبِ الْفَلَاحِ---[۴۴]

"حزب الفلاح کے بغیر (راہِ تصوف میں) کسی کو بھی فلاح و کامرانی نصیب

نہیں ہوئی"---

حزب الفلاح کی نہایت جامع شرح، شیخ احمد بن ابی القاسم زمرانی تادلی صومعی نے تحریر کی ہے---[۴۵]

دلائل الخیرات

امام جزولی کی اس شہرۂ آفاق تالیف کو بڑی مقبولیت نصیب ہوئی---خود حضرت مؤلف کی تصریح کے مطابق اس کا مکمل نام اس طرح ہے:

دَلَائِلُ الْخَیْرَاتِ وَ شَوَارِقُ الْاَنْوَارِ فِیْ ذِکْرِ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ الْمُخْتَارِ---[۴۶]

"برگزیدہ نبی ﷺ پر درود کے تذکرہ میں بھلائیوں کے دلائل اور چمکتے انوار"---

دلائل الخیرات کی تصنیف سے پہلے آپ نے حج کیا[۴۷]، پھر فاس میں طویل عرصہ تک قیام پذیر رہے---اسی اثنا میں آپ نے جامع قرویین کے کتب خانہ سے استفادہ کر کے دلائل الخیرات مرتب کی تھی[۴۸] کتاب آٹھ احزاب پر مشتمل ہے---آغاز میں مختصر مقدمہ کے بعد "فصل فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ" کے عنوان سے نہایت ایمان افروز روایات پر مشتمل درود پاک کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، جس سے قاری کے دل میں درودِ پاک کا شوقِ فراواں اور حضور ﷺ کی محبت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے---اس فصل میں درج روایات اور درود پاک کے صیغوں کو آپ نے مستند کتب سے مرتب فرمایا ہے، تاہم اختصار کے پیشِ نظر اسناد کو حذف کر دیا ہے---

فضائل درود کے بعد آپ نے نبی کریم ﷺ کے دو سو ایک اسماء گرامی درج کیے ہیں، ان اسماء کے انتخاب میں آپ ﷺ کے کمالات و اختیارات اور گوناگوں فضائل و مناقب کے ساتھ ساتھ مصنف کے اپنے عقیدہ کا اظہار بھی ہوتا ہے---اسماء النبی ﷺ کے بعد "صفۃ الروضۃ المبارکۃ" کے عنوان سے حضور ﷺ کے روضہ پاک کی تفصیل بیان کی گئی ہے، جس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ درود پڑھنے والے کے دل میں گنبدِ خضرا اور اس کے مکین رحمۃ للعالمین ﷺ کا

تصور راسخ ہو، تاکہ حضوری کی اس خاص کیفیت میں ہدیہ درود و سلام پیش کیا جائے---

دلائل الخیرات مرتب کرنے کی غرض و غایت

امام جزولی ﷫ اس کتاب کی وجہِ تالیف یوں بیان کرتے ہیں:

فَالْغَرَضُ فِیْ ھٰذَا الْکِتَابِ ذِکْرُ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَ فَضَائِلُھَا نَذْکُرُھَا مَحْذُوْفَۃَ الْاَسَانِیْدِ لِیَسْھَلَ حِفْظُھَا عَلَی الْقَارِیْٔ وَ ھِیَ مِنْ اَھَمِّ الْمُھِمَّاتِ لِمَنْ یُرِیْدُ الْقُرْبَ مِنْ رَبِّ الْاَرْبَابِ---[۴۹]

"اس کتاب کی تالیف کا مقصد نبی کریم ﷺ پر درود اور اس کے فضائل کا بیان ہے، ہم اسے سندیں حذف کر کے ذکر کریں گے تاکہ قاری کو یاد کرنے میں سہولت رہے اور یہ اہم ترین مقاصد میں سے ہے، اس خوش نصیب کے لیے جو مالکِ حقیقی کے قرب کا خواستگار ہو"---

امام جزولی ﷫ مزید لکھتے ہیں:

اِبْتِغَاءً لِّمَرْضَاتِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ مَحَبَّۃً فِیْ رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ---[۵۰]

"(اس کتاب کے مرتب کرنے کا مقصد یہ ہے) اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اس کے رسولِ کریم ہمارے آقا محمد ([مصطفیٰ] اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے اور خوب خوب سلام بھیجے) کی محبت نصیب ہو"---

سببِ تالیف

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، سیدی احمد صاوی کی "شرح علی صلوات الدرر" کے حوالے سے دلائل الخیرات کا سببِ تالیف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ نماز کا وقت ہو گیا، شیخ جزولی ﷫ وضو کرنے کے لیے کنوئیں پر تشریف لے گئے، وہاں پانی نکالنے کی کوئی چیز میسر نہ آئی، آپ پریشان تھے کہ کیا کریں؟ اتنے میں قریبی مکان کی بالائی منزل سے ایک بچی نے

یہ کیفیت دیکھی تو کہنے لگی:

"آپ کی ولایت کی شہرت ہر طرف پھیلی ہوئی ہے، اس کے باوجود آپ پریشان ہیں"---

اس لڑکی نے آکر کنوئیں میں لعاب ڈال دیا، دیکھتے ہی دیکھتے پانی ابل کر کنوئیں سے باہر آگیا اور زمین پر بہنے لگا، شیخ نے وضو کیا اور قسم دے کر پوچھا کہ تمھیں یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟---اس نے بتایا:

بِکَثْرَۃِ الصَّلٰوۃِ عَلٰی مَنْ کَانَ اِذَا مَشٰی فِی الْبَرِّ الْاَقْفَرِ تَعَلَّقَتِ الْوُحُوْشُ بِاَذْیَالِہٖ ﷺ---

"یہ مقام مجھے اس ذاتِ گرامی ﷺ پر بکثرت درود بھیجنے کی وجہ سے نصیب ہوا ہے کہ جب آپ جنگل میں سے گزرتے تو وحشی جانور دامنِ اقدس سے لپٹ جاتے"---

یہ سن کر شیخ نے حلف اٹھا کر پختہ عہد کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں درود شریف پر کتاب تالیف کروں گا---چناں چہ آپ نے دلائل الخیرات تحریر کی---[۵۱]

مولوی نور محمد نقشبندی چشتی نے دلائل الخیرات [۵۲] کے حاشیہ میں اس درود کی نشان دہی کی ہے اور اسے "صلوٰۃ البئر" کا نام دیا ہے، وہ متبرک درود شریف یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً دَائِمَۃً مَّقْبُوْلَۃً تُؤَدِّیْ بِھَا عَنَّا حَقَّہُ الْعَظِیْمَ---[۵۳]

"اے اللہ! درود بھیج ہمارے آقا محمد ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر ایسا درود جو ہمیشہ رہنے والا مقبول ہو کہ ادا فرمائے تو اس کے سبب ہماری طرف سے آپ کے عظیم حق کو"---

شیخ محمد المعطی، دلائل الخیرات کی تالیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیخ جزولی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک لڑکی کو فضا میں پرواز کرتے دیکھا، تو اس سے اس

مقام پر فائز ہونے کا ذریعہ پوچھا، اس نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کی خدمت میں کثرت سے درود پڑھنے کی وجہ سے نصیب ہوا"---[۵۴]

دلائل الخیرات کی مقبولیت

اس کتاب کی خداداد مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ پوری دنیا میں اسے بطورِ وظیفہ پڑھا جاتا ہے، خاص طور پر اہلِ محبت حرمین شریفین میں اس کی قراءت بکثرت کرتے ہیں---شیخ قیطونی اس کی مقبولیت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

دَلَائِلُ الْخَیْرَاتِ الَّذِیْ ھُوَ آیَةٌ مِّنْ آیَاتِ اللّٰهِ فِی الصَّلٰوةِ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ، وُضِعَ لَهُ الْقُبُوْلُ فِی الْاَرْضِ فَوَاظَبَ عَلٰی قِرَاءَتِهٖ اَھْلُ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ، وَ عَلَیْهِ شُرُوْحٌ وَ تَعَالِیْق کَثِیْرَةٌ---[۵۵]

"دلائل الخیرات حضور نبی کریم ﷺ پر درود کے متعلق ایسی کتاب ہے جو اللہ کی نشانیوں میں ایک بڑی نشانی ہے، جسے تمام روئے زمین پر بڑی مقبولیت حاصل ہے--- اس کی قراءت مشرق ومغرب والوں کا باقاعدہ معمول ہے--- اس کتاب پر بہت سے حواشی اور شروح تحریر کی گئیں"---

خلیفہ حاجی کاتب چلپی نے بھی شرق وغرب، خصوصاً بلادِ روم میں دلائل الخیرات کی مقبولیت کا تذکرہ کیا ہے---[۵۶]

علامہ محمد المہدی الفاسی کہتے ہیں:

"دلائل الخیرات کو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لیے بڑی نفع بخش کتاب بنایا ہے، اس کی شہرت و مقبولیت شمس وقمر کی طرح پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، مشرق ومغرب، کیا شہر، کیا وادیاں، ہر جگہ برابر مقبول ہے، اس کتاب کے ذریعے لوگوں کو نور اور برکت نصیب ہوتی ہے"---[۵۷]

اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ بعض خوش بخت لوگوں کو براہِ راست

حضور ﷺ نے اس کتاب کی اجازت مرحمت فرمائی---[۵۸]

شیخ صدیق فلالی کو، جو ایک اُمّی بزرگ تھے، دلائل الخیرات حفظ تھی، انھیں خواب میں آقا حضور ﷺ نے دلائل الخیرات پڑھائی تھی---[۵۹]

حلِ مشکلات کے لیے مجرب

شیخ ابو حامد العربی الفاسی بعض فقہاء اور حفاظ کا قول نقل کرتے ہیں:

مِمَّا جُرِّبَ لِقَضَاءِ الْحَوَائِجِ وَ تَفْرِيجِ الْكُرَبِ قِرَاءَةُ دَلَائِلِ الْخَيْرَاتِ أَرْبَعِيْنَ مَرَّةً وَ يَجْتَهِدُ الْقَارِئُ أَنْ يُكْمِلَ هٰذَا الْعَدَدَ قَبْلَ تَمَامِ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا، فَإِنَّ الْحَاجَةَ تُقْضٰى كَائِنَةً مَا كَانَتْ بِبَرَكَةِ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ---[۶۰]

"دلائل الخیرات کا چالیس مرتبہ پڑھنا قضائے حاجات، حلِ مشکلات اور دفعِ غم کے لیے مجرب ہے--- پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ چالیس دنوں کے اندر اندر یہ وظیفہ مکمل کر لے، تو درود پاک کی برکت سے اس کی حاجت، خواہ کیسی ہی بڑی کیوں نہ ہو، پوری کر دی جائے گی"---

شروح دلائل الخیرات

اسے دلائل الخیرات کی قبولیتِ عامہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ بڑے جلیل القدر ائمہ نے اس کی متعدد شروح تحریر کی ہیں، جن میں علامہ محدث مہدی فاسی کی شرح "مطالع المسرات" کو خاص اہمیت حاصل ہے--- موصوف نے دلائل الخیرات کی تین شرحیں تحریر کیں--- کبیر، متوسط اور صغیر--- مطالع المسرات غالباً متوسط ہے---[۶۱]

اس کے علاوہ بھی الاعلام میں بعض دیگر شروح و حواشی کا ذکر ملتا ہے---[۶۲]

دلائل الخیرات کے بعض نسخوں میں اس کی بارہ (۱۲) شروح کے نام دیے گئے ہیں---[۶۳]

اسماعیل پاشا نے بھی بعض شروح کا تذکرہ کیا ہے---[۶۴]

شیخ ابوراس محمد بن احمد المعسکری نے احادیث دلائل الخیرات کی تخریج کی ہے---[۶۵]

ملفوظات

رہ نوردانِ تصوف اور مریدین و طالبین کی رہنمائی کے لیے شیخ جزولی کے بہت سے ملفوظاتِ طیبات اور اقوالِ مبارکہ ملتے ہیں، جن میں حبِ رسول، اتباعِ سنت، شریعت کی پاس داری، اولیاء سے محبت، مداومتِ ذکر، کثرتِ درود، پابندیٔ نماز، علم و عمل کی اہمیت وغیرہم امور کی تاکید کی گئی ہے--- مشتے از خروارے بعض اقوال درج کیے جاتے ہیں:

- ''توبہ تائب ہو کر راہِ تصوف اختیار کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے شیخ کا مرید ہو، جو ظاہر و باطن کا عالم ہو--- مرید کو چاہیے کہ وہ:
- ''برے کاموں کو ترک کرے اور مقدور بھر کارِ خیر انجام دینے کی سعی کرے''---
- ''بروں کی صحبت چھوڑ دے اور اچھوں کی سنگت اختیار کرے''---
- ''حضور نبی کریم ﷺ کا اتباع کرے''---
- ''اولیاء اللہ کو دوست رکھے اور اللہ کے دشمنوں کو دشمن جانے''---
- ''ذکرِ الٰہی اور درود شریف پر مداومت کرے اور نماز ترک نہ کرے''---
- ''ریا کاری سے اپنے اعمال ضائع نہ کرے، تکبر سے بچے''---
- ''اعمال، اقوال اور افعال میں عُجب (غرور و تکبر) سے احتراز کرے''---
- ''اس کا کلام حکمت، خاموشی تفکر اور نظر عبرت آموز ہو''---
- ''اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء و اولیاء کے ذکر اور ان سے تعلق پر فرحت محسوس کرے اور نفسانی احوال پر افسوس کرے''---
- ''لعنت، ملامت اور بہتان تراشی سے گریزاں رہے''---
- ''مال کی محبت کو دل میں جگہ نہ دے''---
- ''اہلِ خیر اور ان کی مصاحبت کو دوست رکھے، اہلِ شر سے مجتنب رہے''---

- ''مساکین وفقراء سے محبت رکھے''---
- ''ایسا علم حاصل کرے، جو قربِ الٰہی کا ذریعہ بنے''---[٦٦]
- اِھْرَبُوْا مِنْ مَجَالِسِ الْفُجَّارِ، مَنْ جَالَسَ الْفُجَّارَ قَسَا قلبُه وَ مَنْ جَالَسَ الْاَبْرَارَ اِسْتَنَارَ قَلْبُهٗ وَ مَنِ اسْتَنَارَ قَلْبُهٗ جَالَ رُوْحُهٗ---[٦٧]

''گناہ گاروں کی مجلس سے دور بھاگ جاؤ، جو شخص فجار کی مجلس اختیار کرتا ہے، اس کا دل سخت ہو جاتا ہے اور جو نیکوں کی صحبت میں بیٹھتا ہے، اس کا دل روشن ہو جاتا ہے اور جس کا دل منور ہو جائے، اس کی رُوح پاکیزہ ہو جاتی ہے''---

- اَلْعِلْمُ دَوَاءٌ وَ الْجَهْلُ دَاءٌ، اَلْعِلْمُ وِلَايَةٌ وَ الْجَهْلُ عَدَاوَةٌ، اَلْعِلْمُ صِفَةُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْجَهْلُ صِفَةُ الْكَافِرِيْنَ---[٦٨]

''علم دواء ہے اور جہالت بیماری، علم دوستی ہے اور جہالت دشمنی، علم ایمان داروں کی صفت جب کہ جہالت کافروں کی''---

- عَلَيْكُم بِذِكرِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ، وَ الصَّلٰوةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّم ، وَ زِيَارَةِ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ---[٦٩]

''اللہ تعالیٰ کے ذکر، رسول اللہ ﷺ پر درود اور اولیاء کرام کی زیارت کو اپنا معمولِ حیات بنالو''---



حوالہ جات

۱......صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۷

۲......صحیح مسلم، جلد ۱، صفحہ ۴۹

۳......اسماعیل پاشا بغدادی، ھدیۃ العارفین، مکتبہ اسلامیہ طہران، ۱۳۸۷ھ، جلد ۲، صفحہ ۲۰۴

۴......محمد المہدی الفاسی، ۱۱۰۹ھ، مُمتِع الأسماع فی الجزولی و التُباع و ما لها من الاتباع، صفحہ ۶۳

نوٹ: فاس کے ممتاز علماء شیخ عبدالحی العمروی اور شیخ عبدالکریم مراد (جنھوں نے فضیلۃ الشیخ سید محمد مالکی علوی کے دفاع میں بھی مستقل کتاب تحریر کی ہے) کی تحقیق سے اس کتاب "ممتع الاسماع" کا تیسرا ایڈیشن ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء کو مطبع النجاح الجدیدہ دار البیضاء، مراکش سے شائع ہوا تھا، جس کے صفحہ ۱۶ تا ۵۲ پر امام جزولی کے حالات ہیں--- یہ حصہ شیخ عباس بن ابراہیم نے اپنی تالیف "الاعلام بمن حل مراکش و اغمات من الاعلام" میں بجنسہ شامل کر دیا ہے--- فی الوقت راقم کے پیش نظر الاعلام کا یہی نسخہ ہے--- مقالہ میں جہاں بھی ممتع الاسماع کا حوالہ آیا ہے، وہاں مندرجہ صفحہ نمبر سے مراد الاعلام کی پانچویں جلد کا صفحہ نمبر ہے---

۵......مُمتع الأسماع، صفحہ۴۵

۶......ایضاً

۷...... ممتع الاسماع (مشمول فی الاعلام)، جلد۵، صفحہ۴۵

۸......ایضاً

۹......ایضاً، صفحہ۶-۴۵

۱۰......ایضاً، صفحہ۴۵

۱۱......ایضاً، صفحہ۴۹

۱۲......ایضاً

۱۳......محمد الفاسی المہدی، ۱۱۰۹ھ، مطالع المسرات، مطبع تازیہ، صفحہ۳/ ممتع الاسماع، صفحہ۵۳

۱۴......ممتع الاسماع، صفحہ۵۰

۱۵......صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء، الکتاب المستطاب المحتوی علی الاسانید الصحیحة المعروف به ثبت نعیمی، مطبع قاضی محمد شہاب الدین دکنی مرادآبادی، صفحہ۲۴، ۲۳

۱۶......مطالع المسرات، صفحہ۳

۱۷...... ممتع الاسماع، صفحہ۵۳

۱۸......عباس بن ابراہیم، الاعلام بمن حل مراکش و اغمات من الاعلام، مطبعہ ملکیہ، رباط، ۱۹۷۶ء، جلد۵، صفحہ۸۴

۱۹......مطالع المسرات، صفحہ۳

۲۰......ممتع الاسماع، صفحہ۴۷/ مطالع المسرات، صفحہ۳

۲۱......ایضاً

۲۲...... ممتع الاسماع، صفحہ ۵۴

۲۳...... ممتع الاسماع، صفحہ ۴۷

۲۴...... سید ادریس بن ماحی قیطونی، ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء، معجم المطبوعات المغربیۃ، مطابع سلا، مراکش، صفحہ ۷-۷۶

اس کتاب پر استاذ عبد اللہ کنون (۱۴۰۹ھ) نے مقدمہ تحریر کیا، موصوف فاس، مراکش کے عالم دین ہیں، انھوں نے علامہ سید علوی مالکی کی کتاب مفاهیم یجب ان تصحح پر تقریظ بھی تحریر کی ہے۔

۲۵...... ممتع الاسماع، صفحہ ۴۶

۲۶...... ابو عبد اللہ محمد بن سلیمان الجزولی، ۸۷۰ھ، دلائل الخیرات، انجمن حزب الرحمٰن، بصیر پور (اوکاڑا)، الحزب السادس، صفحہ ۲۲۱

۲۷...... دلائل الخیرات، مطبوعہ انجمن حزب الرحمٰن، بصیر پور

۲۸...... الاعلام بمن حل مراکش و اغمات من الاعلام، جلد ۵، صفحہ ۸۳

۲۹...... دلائل الخیرات، صفحہ ۲۷۵

۳۰...... دلائل الخیرات، مطبوعہ انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور، صفحہ ۲۸۴/ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی، صفحہ ۳-۲۴۲

۳۱...... مطالع المسرات، صفحہ ۳/ ممتع الاسماع، صفحہ ۵۴

۳۲...... ممتع الاسماع، صفحہ ۵۶

۳۳...... ممتع الاسماع، صفحہ ۵۸

۳۴...... ایضاً

۳۵...... الاعلام، جلد ۵، صفحہ ۹۳

۳۶...... مطالع المسرات، صفحہ ۵۸

۳۷......مطالع المسرات، صفحہ۳-۴۴/ یوسف بن اسماعیل النبہانی، ۱۳۵۰ھ، جامع کرامات الاولیاء، دارالفکر، بیروت، جلد۱، صفحہ۲۷۶

۳۸......مطالع المسرات، صفحہ۴/ جامع کرامات الاولیاء، جلد۱، صفحہ۲۷۶

۳۹......معجم المطبوعات الغربیة، صفحہ۷۷

۴۰......الاعلام، جلد۵، صفحہ۴۹

۴۱......ممتع الاسماع بحوالہ الاعلام، صفحہ۷۳

۴۲...... ممتع الاسماع، صفحہ۷۵

۴۳......ایضاً

۴۴...... الاعلام، جلد۵، صفحہ۹۶

۴۵......ممتع الاسماع، صفحہ۷۷

۴۶......مقدمہ، دلائل الخیرات، صفحہ۹

۴۷......معجم المطبوعات المغربیة، صفحہ۷۷

۴۸......مطالع المسرات، صفحہ۲

۴۹......مقدمہ، دلائل الخیرات، صفحہ۸-۹

۵۰......ایضاً صفحہ۹

۵۱...... جامع کرامات الاولیاء، جلد۱، صفحہ۲۷۷

۵۲......دلائل الخیرات، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ کراچی، صفحہ۲۲۱

۵۳...... دلائل الخیرات، انجمن حزب الرحمٰن بصیر پور، الحزب السابع، صفحہ۲۴۹

۵۴......الاعلام، جلد۵، صفحہ۸۴

۵۵...... معجم المطبوعات المغربیة، صفحہ۷۷

۵۶...... مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی، ۱۰۶۷ھ، کشف الظنون عن اسامی الکتب و

الفنون، مطبعہ اسلامیہ، طہران، جلد ا، صفحہ ۷۵۹

۵۷......ممتع الاسماع، صفحہ ۵۲

۵۸...... الاعلام، جلد ۵، صفحہ ۸۹

۵۹...... ایضاً، جلد ۵، صفحہ ۱۰۳

۶۰...... ایضاً، جلد ۵، صفحہ ۹۸

۶۱......ایضاً، جلد ۵، صفحہ ۸۵

۶۲......ایضاً

۶۳...... ایضاً، جلد ۵، صفحہ ۸۹

۶۴......اسماعیل پاشا، ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، مکتبہ اسلامیہ طہران، ۱۳۷۸ھ، جلد ا، صفحہ ۴۷۶

۶۵...... الاعلام بمن حل مراکش و اغمات من الاعلام، جلد ۵، صفحہ ۱۰۳

۶۶......ممتع الاسماع، صفحہ ۶۶-۶۷

۶۷......ایضاً، صفحہ ۷۱

۶۸......ایضاً، صفحہ ۷۲

۶۹......ایضاً، صفحہ ۵۱



سیدی وابی فقیہ اعظم مولانا ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کے شیخ طریقت حضرت سیدی صدرالافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہ العزیز کو ان کے مرشد گرامی شیخ الکل حضرت مولانا سید محمد گل قدس سرہ العزیز کی طرف سے عطا کردہ

سند دلائل الخیرات

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و صلی اللّٰہ علٰی من ھو بالمومنین رؤف رحیم الحمد للّٰہ الذی اختار صفوۃ عبادہ و امدھم بعنایۃ و جعلھم من اھل ودادہ فاستخلصھم من العباد و سلک بھم سبیل الرشاد فجاھدوا انفسھم فی مرضاتہ الجھاد الاکبر لیفوزوا بعد الانقطاع بالوصول الی الحظ الاوفر و اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ شھادۃ تکون بھا من اھل السعادۃ و اشھد ان سیدنا محمدا عبدہ و رسولہ المبعوث من اشرف بلادہ صلی اللّٰہ وسلم علیہ و علٰی آلہ و اصحابہ الذین جاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ و اتباعہ و احبابہ و ازواجہ و اولادہ فبعد فان دلائل الخیرات جلیلۃ المقدار عالیۃ المنار بادیۃ الانوار اشتملت علٰی ذکر اللّٰہ و علی الصلاۃ و السلام علٰی رسول اللّٰہ و ھما مامور بھما فی الکتاب العزیز و السنۃ السنیۃ و یتقرب بھما الصالحون فی کل بکرۃ و عشیۃ قال اللّٰہ تعالٰی فاذکرونی اذکرکم و قال تعالٰی و لذکر اللّٰہ اکبر وقال تعالٰی یٰآیھا الذین آمنوا اذکروا اللّٰہ ذکرا کثیرا و سبحوہ بکرۃ و اصیلا ھو الذی یصلی علیکم و ملٰئکتہ لیخرجکم من الظلمٰت الی النور و کان بالمؤمنین رحیما تحیتھم یوم یلقونہ سلام و اعد لھم اجرا کریما و قال تعالٰی ان اللّٰہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی یٰآیھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما و قال علیہ الصلٰوۃ و السلام لان اقعد مع قوم یذکرون اللّٰہ منذ صلٰوۃ الغداۃ حتی تطلع

الشمس احب الیَّ من ان اعتق رقبة من ولد اسمٰعیل و قال علیه الصلوٰة و السلام اکثروا من الصلوٰة علیّ یوم الجمعة و کان ممن ظهرت علیه لوائح انوارها و بدت فی وجودها مصنونات اسرارها محبة بعزیز مولانا مولوی سید محمد نعیم الدین المراد آبادی فاجزته بقراء تها کما اجازنی بذٰلک سندی المرحوم مولانا السید محمد (مکی) الکتبی عن والده المرحوم السید محمد (صالح) الکتبی ابن مولانا المرحوم سید محمد بن حسین الکتبی مفتی البلد الحرام قدس المولٰی روحه فی دار السلام عن شیخه سیدی محمد الامیر الکبیر عن شیخه الشهاب الجوهری عن مولانا عبد اللّٰه الشریف عن مولانا الطیب عن والده القطب مولانا محمد عن والده القطب مولانا عبد اللّٰه الشریف المتولی القطبانیة اثنین و ثلاثین سنة عن سیدی علی بن احمد الابخر عن القطب سیدی محمد الطالب عن القطب الکبیر سیدی عبد اللّٰه القروالی عن سیدی عبد العزیز التباع دفین مراکش عن شیخه القطب سیدی محمد بن سلیمان الجزولی الشریف الحسنی دفین مراکش نفعنا اللّٰه بهم اجمعین و اعاد علینا من برکاته آمینؔ و اوصیه بالتقوٰی و التمسک بسببها الاقوٰی و ان لا ینسانی من دعواته فی خلواته و جلواته و سیما عند ختم قراء ة الدلائل سواء قراها او اقرأها و سواء وحده او مع الاخوان فتح اللّٰه علیه و واصل نعمه الیه بجاه سید الانام الذی هو للرسل الکرام ختام و صلی اللّٰه علٰی سیدنا محمد دائما ابدا

کتبه المعتصم بذیل سید الرسل محمد گل المدرس فی المدرسة الامدادیة (الواقع ببلدة مراد آباد)

[ثبت نعیمی٭، صفحہ ۲۵]

● ...... ''ثبت نعیمی'' جملہ علوم متداولہ اور اوراد و وظائف کی ان اسناد کا مجموعہ ہے، جو حضرت صدر الافاضل کو ان کے شیخ و مرشد کے توسط سے حاصل ہوئیں --- حضرت صدر الافاضل نے اپنے تلمیذ و خلیفہ ارشد حضرت فقیہ اعظم کو رمضان المبارک ۱۳۶۱ھ میں اس ''ثبت'' کی تحریری اجازت عطا فرمائی --- بعد ازاں ''ثبت نعیمی'' کے اسی نسخہ پر حضرت فقیہ اعظم نے شعبان المعظم ۱۴۰۲ھ میں احقر کے لیے اجازت نامہ تحریر فرمایا --- فللّٰه الحمد و المنة [محمد محب اللہ نوری]

کچھ
بیان
اپنا

سفرِ محبت

ایمان دار کا وطن اصلی مدینہ منورہ ہے کہ قرآن کریم میں اسے ''الدار'' کہا گیا ہے:

وَ الَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ---[الحشر،۹:۵۹]

''اور جنھوں نے اس دار (شہر مدینہ) اور ایمان کو اپنا مستقر اور وطن بنالیا''---

مزید براں آقا ہر عالم سرکار ابد قرار ﷺ نے دعا فرمائی تھی:

اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَحُبِّنَا مَکَّۃَ اَوْ اَشَدُّ حُبًّا---

[صحیح البخاری، کتاب فضائل المدینۃ، حدیث ۱۸۸۹]

''الٰہی! مدینہ ہمارا محبوب بنا دے، مکہ کی مانند بلکہ مکہ سے بڑھ کر مدینہ کی بہت شدید محبت عطا فرما دے''---

اسی دعا کا اثر ہے کہ اہل محبت کے دل محبتِ مدینہ سے سرشار ہیں اور عشاق کے قافلے سوئے مدینہ رواں دواں رہتے ہیں---

اپنے اعمال تو اس قابل نہیں مگر آقا ﷺ کے کرم اور آپ کی رحمت و شفقت کا سہارا لے کر ہم بھی عازم سرزمینِ محبت ہوئے---

اس بار ہم نے ملک شام کا راستہ اختیار کیا تاکہ وہاں کی مبارک سرزمین میں آسودہ مقبولانِ خدا و رسول (جل جلالہ و ﷺ) کی مقبول بارگاہوں کی حاضری اور پھر ان کے توسط و توسل کے بعد سرکار ﷺ کی بارگاہِ بےکس پناہ میں حاضری دی جائے---

البدر ٹریولرز لاہور کے ڈائریکٹر محترم غلام اویس قرنی صاحب کے ذریعے ویزا، ٹکٹ اور دیگر ضروری سفری مراحل طے ہوئے---ان کا قافلہ تو خاصا بڑا تھا، تاہم ہمارا قافلہ جسے انھوں نے ''نوری گروپ'' کا نام دیا تھا، بارہ افراد پر مشتمل تھا---جس میں میرے دیرینہ ہم سفر صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری کے علاوہ حضرت مولانا ابوالرضا محمد عبدالعزیز نوری حویلی لکھا، مرزا امداد حسین فیصل آباد، ڈاکٹر بشیر احمد سلیمی لاہور اور ان کے اہلِ خانہ اور متعلقین شامل تھے---ہم ۱۲ ستمبر ۲۰۰۷ء/ ۲۹ رشعبان المعظم کو کراچی سے سیرین ایئر لائنز کی پرواز کے ذریعے شام کے دارالحکومت دمشق پہنچے---سات دن شام میں قیام رہا---شام کا میرا یہ چوتھا سفر تھا---پہلی بار شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ/ دسمبر ۱۹۹۷ء میں حضرت سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے مرید خاص، برادرِ گرامی محترم الحاج چودھری محمد اسحاق نوری علیہ الرحمہ ہمراہ تھے، بلکہ انھی کی ترغیب و تشویق پر یہ سفر ہوا---اللہ کریم چودھری صاحب کی مغفرت فرمائے اور مدارج عالیہ سے نوازے---اس سفر میں ہم عراق کی زیارات کے بعد شام گئے تھے---عراق کی زیارات کے احوال (سفر محبت، جلد اوّل) میں شائع ہو چکے ہیں---

دمشق کے علاوہ ہم شام کے پانچ دیگر شہروں حمص، حلب، رقہ، بُصریٰ اور جبلہ بھی گئے---شام کے ان اسفار میں کی گئی زیارتوں کی تفصیل اللہ کو منظور ہوا تو ''سفر محبت'' کے دوسرے حصے میں آئے گی (ممکن ہے اگلے شمارۂ نورالحبیب سے قسط وار اس کا آغاز کر دیا جائے)---سر دست صرف ایک اجمالی فہرست پیش کی جا رہی ہے، جس سے قارئین کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم کن اربابِ عشق و محبت اور اساطینِ علم و معرفت کی پاکیزہ بارگاہوں کی حاضری سے مستفیض

ہوئے---فللہ الحمد

زیارات

(جس ترتیب سے مزارات پر حاضری ہوئی، فہرست میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے)

جامع مسجد اموی

منار نزول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام	مسجد کے شرقی منار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا	
حضرت سیدنا یحییٰ علیہ السلام	نبی اللہ---مزار مبارک مسجد اموی کے درمیان ہے	
مقام رأس سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ		
محراب، حضرت سیدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ	یہاں اسیری میں حضرت عبادت کیا کرتے تھے	
مقام صلوٰۃ حضرت سیدنا ہود علیہ السلام	نبی اللہ	
مقام صلوٰۃ حضرت خضر علیہ السلام	یہاں حضرت عبادت کرتے تھے	
حضرت سلطان غازی صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ	معرکہ ہائے ہلال وصلیب کے فاتح اعظم	
حضرت سیدہ بی بی رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی	
حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ	مشہور مؤذن رسول	
حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور کاتب وحی	
حضرت سیدنا وائل بن الاسقع رضی اللہ عنہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی	
حضرت سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی	
حضرت سیدنا سہیل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی	
حضرت حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ	مشہور محدث جنھوں نے "تاریخ دمشق" ۸۰ جلدوں میں تحریر کی	
سولہ (16) شہداء کربلا رضی اللہ عنہم کے سر مبارک	جن کے سر ابن زیاد نے یزید کے دربار میں بھجوائے تھے	
ام المؤمنین حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ	ان مزارات کی نسبت مشکوک
ام المؤمنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ	ہے کیوں کہ یہ امہات المومنین
ام المؤمنین حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ	مدینہ منورہ میں مدفون ہیں

حضرت سیدہ زوجہ مسلم بن عقیل ؓ	
حضرت عبداللہ بن امام زین العابدین ؓ	
حضرت سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم ؓ	رسول اللہ ﷺ کے نابینا صحابی اور مؤذن
حضرت سیدنا ابان بن عثمان ؓ	رسول اللہ ﷺ کے نواسے
سیدہ فضہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کنیز
حضرت فاطمہ الصغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	حضرت امام حسین ؓ کی صاحبزادی
حضرت سیدہ سکینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنت حضرت امام حسین ؓ
حضرت سیدہ زینب الصغریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنت حضرت امام حسین ؓ
حضرت سیدنا عبداللہ بن امام جعفر صادق ؓ	
حضرت سیدنا عبداللہ بن جعفر طیار ؓ	
حضرت سیدہ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا	زوجہ جعفر طیار ؓ
حضرت سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنت امام حسین ؓ
حضرت سیدہ حمیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنت مسلم بن عقیل ؓ
حضرت علامہ محمد امین ابن عابدین شامی	فقہ حنفی کی مشہور کتاب رد المحتار (شامی) کے مصنف
حضرت احمد بن سلیمان مسلم المحملجی السروجی	شاگرد حضرت احمد کبیر رفاعی ؓ
حضرت سیدتنا بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بنت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم
حضرت سیدی مقداد بن الاسود الکندی ؓ	صحابی رسول ﷺ
حضرت سیدنا شرحبیل بن حسنہ ؓ	صحابی رسول ﷺ
حضرت سیدہ خولہ بنت الازور رضی اللہ تعالیٰ عنہا	بہادر صحابیہ
حضرت سیدنا ذوالکفل ؑ	نبی اللہ
حضرت سیدنا ابوہریرہ ؓ (مقام)	صحابی رسول ﷺ
حضرت سلطان نورالدین زنگی علیہ الرحمہ	حضور ﷺ کے مزار پر سیسہ پلائی دیوار بنوائی

حضرت شیخ محمود دقیق العید	عالم ومحدث
حضرت سیدنا ایوب کردی رضی اللہ عنہ	جن کا قدم مبارک قبر سے باہر ہے
صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت سیدنا دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ	ان کی شکل میں سیدنا جبریل علیہ السلام آتے
مسجد برزہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام	یہ جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت ہے
مغارۃ الدم	جہاں قابیل نے ہابیل کو قتل کیا جو دنیا کا پہلا قتل ہے
مقام اربعین	جبل قاسیون کی چوٹی پر چالیس ابدالوں کا مقام اجتماع
مصلّٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام	مقام اربعین سے چند قدم کے فاصلے پر
مصلّٰی حضرت خضر علیہ السلام	مقام اربعین سے چند قدم کے فاصلے پر
مقام اصحاب کہف	اصحاب کہف کا غار
مقام ہابیل	آدم علیہ السلام کے صاحبزادے ہابیل کی قبر--- پہاڑ کی چوٹی پر
حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رضی اللہ عنہ	فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم وغیرہ کتب کے مصنف
	حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی دعا سے پیدا ہوئے
شیخ عماد الدین	حضرت شیخ اکبر ابن العربی کے صاحبزادے
شیخ سعد الدین	حضرت شیخ اکبر ابن العربی کے صاحبزادے
شیخ محمد امین الخربوطیلی	شیخ کے قدموں میں خود بخود قبر تیار ہوئی
حضرت عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	مصنف الحدیقۃ الندیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیہ
علامہ شیخ مصطفیٰ نابلسی رضی اللہ عنہ	شیخ عبد الغنی نابلسی کے صاحبزادے
حضرت شیخ ابو الفیض زین الدین الدمشقی	ابن شیخ نابلسی
پتھر، جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے زمانہ اقدس کا نشان قدم

حلب --- شام

حضرت سیدنا زکریا علیہ السلام	اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی
مشہد رأس	حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے خون کے نشان

جامع مسجد اموی

الرقۃ--- شام

حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ — فنافی الرسول---خیر التابعین

حضرت سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ — صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت سیدنا ابی ابن قیس النخعی رضی اللہ عنہ — تابعی

حمص--- شام

حضرت سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ — صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشہور سپہ سالار

حضرت سیدنا عبدالرحمٰن — حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے

حضرت سیدنا عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ — خلیفہ راشد

بُصری--- شام

بادشاہ اترجان کا محل — جس محل کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نے مکہ مکرمہ سے دیکھ لیا تھا

عیسائی راہب کا عبادت خانہ — جہاں بچپن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی گئی

مبرک — یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی کے قدم کا نشان ہے

مدرسہ سلطان ایوبی — یہاں مشہور محدث ابن کثیر تدریس کرتے تھے

مسجد عمری

بادشاہ کی بیٹی کا محل

جبلہ--- شام

حضرت سیدنا سلطان ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ — ساحل سمندر کے قریب

پہلی بار کی گئی زیارات

درج بالا زیارات میں اکثر وبیشتر تو وہی ہیں جو ہم نے پہلے بھی کی ہوئی تھیں---گو

ڈاکٹر سلیمی صاحب، مولانا عبدالعزیز نوری صاحب اور بعض دیگر حضرات کے لیے نئی تھیں---
اس بار شام کے تین مزید شہروں رقہ، بُصریٰ اور جبلہ میں ہم پہلی بار گئے---حلب جاتے ہوئے
ہم رقہ پہنچے، جہاں عاشقِ رسول، خیر التابعین حضرت سیدنا اویس قرنی ؓ کا مزارِ پر انوار ہے---
آپ یمن کے رہنے والے تھے مگر والدہ کے وصال کے بعد آپ عراق میں منتقل ہو گئے تھے---
آپ حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے---
جنگِ صفین میں شہادت سے سرفراز ہوئے---علامہ شہاب الدین حموی نے معجم البلدان، جلد۲،
صفحہ ۴۶۸ میں تحریر کیا ہے کہ زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کی قبر رقہ میں ہے---

بُصریٰ

رقہ کے علاوہ اردن سے ملحق شام کی سرحد پر واقع شہر بُصریٰ بھی گئے---یہ وہ شہر ہے،
جہاں بچپن میں آقا کریم ﷺ اپنے چچا جناب ابوطالب کے ہمراہ تشریف لائے تھے---
بحیرہ راہب نے آپ ﷺ میں آثارِ نبوت دیکھ کر انھیں یہود کی جانب سے ایذا رسانی کے اندیشے سے
واپس بھیج دینے کی تاکید کی، چناں چہ جناب ابوطالب نے آپ ﷺ کو مکہ بھجوا دیا---نیز
آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا وسلام اللہ علیہا) نے بوقتِ ولادت انوار چمکتے
دیکھے اور فرمایا:

"مجھے (ملک شام کے شہر) بصریٰ کے محلات نظر آرہے ہیں"---

[خصائص کبریٰ، جلد۱، صفحہ ۴۶]

ان محلات کے آثار آج بھی موجود ہیں، بلکہ قدیم پتھروں کے بنے ہوئے بعض مکانات تو
اپنی اصل حالت میں ہیں---

سلطان ابراھیم بن ادھم

دمشق سے کوئی ساڑھے تین سو کلومیٹر کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے جبلہ شہر ہے، جہاں
طریقت و معرفت کے جلیل القدر شیخ حضرت سیدنا سلطان ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا
مزارِ پر انوار ہے---بحمد اللہ تعالیٰ یہاں بھی حاضری ہوئی---

قیامِ شام کے دوران میں ہم نے وہاں بھی ''روشن خیالی'' کے اثرات کو واضح طور پر محسوس کیا--- البتہ عوام امریکی اقدامات کے سخت مخالف ہیں، بلکہ پاکستانی حکمرانوں کی امریکہ نوازی کو ناپسند کرتے ہیں---

شام میں بعض اہل علم سے ملاقاتیں رہیں، کچھ طلباء وعلماء نے احقر سے دلائل الخیرات کی سند اجازت حاصل کی---

اس سے پہلے کی حاضریوں میں مزید بہت سے مزارات پر حاضری دی تھی، فی الوقت ان حضرات کے نام اس وقت یاد آ رہے ہیں:

داریا

حضرت سیدنا حزقیل علیہ السلام	اللہ تعالیٰ کے نبی
ابوسلیمان دارانی	ولی کامل
حضرت ابومسلم خولانی	جلیل القدر تابعی جن کے لیے آگ گلزار ہوگئی تھی

شام--- باب تومہ

شیخ ارسلان ابوالنجم بن یعقوب

شیخ بدرالدین المغزی

حضرت سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	(مشہور صحابی)	سوق مدحت پاشا
حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	(مشہور صحابی)	سوق مدحت پاشا
حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ	(مشہور صحابی)	باب الفرادیس

شام--- نواء

امام شیخ شرف محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن نووی	مشہور محدث وشارح مسلم ومصنف کتب کثیرہ

حجازِ مقدس

سات روزہ قیام کے بعد ہم بذریعہ ہوائی جہاز دمشق سے جدہ پہنچے--- مکہ مکرمہ حاضر ہوکر مناسکِ عمرہ ادا کیے--- دو دن مکہ مکرمہ میں گزارنے کے بعد عازمِ مدینہ منورہ ہوئے---

مدینہ طیبہ کا موسم سدا بہار ہے مگر رمضان المبارک میں انوار و تجلیات اور فیوض و برکات کا رنگ دیدنی ہوتا ہے--- یہاں اعتکاف بھی کیا اور عید بھی نصیب ہوئی--- یہیں یہ خبر بھی ملی کہ سعودی شاہ عبداللہ کے حکم کے مطابق حرم مکہ کی طرح حرمِ مدینہ بھی شب و روز کھلا رہا کرے گا--- جب کہ پہلے رمضان المبارک کے علاوہ سال کے باقی ایام میں ۱۱ بجے شب کے بعد حرمِ نبوی کے دروازے بند ہو جاتے تھے--- اس فیصلے میں عالمِ اسلام کے عظیم مبلغ شیخ سید یوسف سید ہاشم الرفاعی حفظہ اللہ تعالیٰ (سابق وزیر کویت) کی مساعیٔ جمیلہ کا بھی دخل ہے--- انھوں نے شاہ کو خط کے ذریعے اس جانب متوجہ کیا تھا--- خدا کرے اس فیصلہ پر عمل درآمد سے حرم شریف کی صفائی اور وہاں کے آداب پر اثر نہ پڑے--- زائرین، فتحِ بابِ حرمِ نبوی کو نعمت سمجھتے ہوئے اس کی قدر کریں اور رات کو حاضری اور عبادت کی لذت سے شاد کام ہوں--- ایسا نہ ہو کہ صحنِ حرم کو شب باشی اور استراحت کے لیے استعمال کرنے لگیں---

مدینہ منورہ میں ہر سال حاضری دینے والے بہت سے احباب اور ''بزرگ دوستوں'' سے ملاقات رہی، جن میں سید محمد حسن شاہ صاحب (نوری کتب خانہ، لاہور)، الحاج محمد انصار اللہ صدیقی صاحب، (لندن) اور محترم محمد رضا فریدی صاحب (امریکا) بطور خاص قابل ذکر ہیں کہ یہ پیرانہ سالی کے باوجود ہر سال یہاں حاضری دیتے اور سال ہا سال سے مسجد نبوی میں اعتکاف کی سعادت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں اور بوقت ملاقات احقر کے ساتھ سفر زیارات پر جانے کا اشتیاق ظاہر کرتے رہتے ہیں--- اللہ تعالیٰ ان جوانوں سے بڑھ کر جواں ہمت بزرگوں کو ''جواں ہمت'' رکھے--- فریدی صاحب کے صاحبزادگان بھی ماشاء اللہ پابند صوم وصلوٰۃ ہیں اور اپنے والد گرامی کی زیر تربیت حاضری مدینہ کے معمول کو نبھا رہے ہیں---

اسی طرح حاضری کے دوران میں عرب و عجم کے کئی علماء و مشائخ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا--- دبئی سے آئے ہوئے مفتی محمد عباس رضوی سے بھی تفصیلی ملاقات ہوئی، اسی طرح مسلک اہل سنت کے فروغ کے لیے ہمہ دم متحرک و محرک، (الاستاذ) المفتی ابوالقاسم صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ (کراچی، پاکستان) سے بھی ملاقاتیں رہیں، بلکہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کا سفر بھی اکٹھے کیا--- اللہ تعالیٰ ان حضرات کو مزید ہمت عطا فرمائے---

کوٹ مومن سے تعلق رکھنے والے یار مہربان حافظ محمد عزیز الرحمٰن بھی ہر سال حاضری دینے والوں میں سے ہیں---اس بار چوں کہ سعودی سفارت خانہ نے ویزا قبل از وقت بند کر دیا تھا، اس لیے ہزاروں افراد عمرہ وزیارت کی سعادت سے محروم رہے---حافظ صاحب بھی اسی ویزہ پالیسی کی زد میں آئے مگر بالآخر ستائیسویں کی شب مدینہ منورہ پہنچنے میں کامیاب ہو گئے---بات بلاوے کی ہے، ادھر سے منظوری ہو جائے، ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے---

اہل محبت کے لیے شرک و بدعت کے فتووں کے حوالے سے سعودی مطووں کا رویہ حسبِ سابق ہے---خواتین کے لیے پابندی مزید بڑھ گئی ہے، ایک وقت تھا جب کعبۃ اللہ کے طواف کی طرح مردوں کے علاوہ عورتوں کو بھی مواجہہ عالیہ پر حاضری کی اجازت تھی---ازاں بعد اوّلاً عورتوں کو مواجہہ عالیہ کی حاضری سے محروم کیا گیا، البتہ قدمین شریفین اور ریاض الجنہ کے ایک حصہ میں جانے کی اجازت تھی، پھر قدمین شریفین کی طرف جانے سے بھی روک دیا گیا اور اب ریاض الجنہ کو بھی عملاً صرف مصر اور دیگر عرب ممالک کی عورتوں کے لیے مختص کر دیا گیا ہے---

پاکستان، بنگلہ دیش اور انڈیا سے تعلق رکھنے والی خواتین کو علیحدہ کر کے کئی کئی گھنٹے اہل سنت کے معمولات کے خلاف لیکچر دیا جاتا ہے---ایسا لگتا ہے کہ کسی ایئر لائنز کی اناؤنسر کی ڈیوٹی لگائی گئی ہے، جو گلا پھاڑ کر اور چیخ چیخ کر بدعت و شرک کا درس دیتی رہتی ہے---کیا حرمین شریفین صرف نجدیوں کے لیے ہیں؟---کیا ان متبرک مقامات کے برکات حاصل کرنا عجمی خواتین کا حق نہیں ہے؟---

اسی طرح بوڑھوں، کمزوروں اور بیماروں کو جبراً صلوٰۃ اللیل میں شامل کرنا اور اس کے لیے فرضوں سے بڑھ کر اہتمام بھی محل نظر ہے---یہ نماز نہ فرض ہے، نہ واجب اور نہ ہی سنت بلکہ اس انداز میں اس کا اہتمام بدعت کے زمرے میں آتا ہے---

دعا کے وقت مواجہہ عالیہ شریف کی طرف پشت کروانے اور نماز کے لیے وہاں گھنٹوں پہلے صفیں بنوانے کی کوشش کی جاتی ہے، جب کہ کعبہ کی طرف ٹانگیں پھیلا کر اور قرآن کریم کو بے ادبی سے زمین پر رکھنے بلکہ تکیہ کے طور پر استعمال کرنے والوں کو کچھ نہیں کہا جاتا---

فروغ بدعت کے لیے یہ اہتمام اور ادب و تعظیم کے پہلوؤں سے پہلو تہی، قابل افسوس ہے---حکومت سعودیہ کو مطوؤں کی بات پر کان دھرنے کی بجائے صورت حال کا کھلے ذہن سے جائزہ لینا چاہیے---

مدینہ منورہ میں کم و بیش چھبیس دن گزارنے کے بعد ہم نے واپسی کے لیے اجازت لی---مدینہ منورہ سے جدہ جاتے ہوئے بدر شریف کا رستہ اختیار کیا، جنگ بدر کے مقام پر شہداء بدر کی بارگاہ میں حاضری دی---یہاں بھی سخت پہرہ لگا دیا گیا ہے کہ یہاں کی حاضری اور فاتحہ خوانی سے شاید مطوؤں کو اپنی ''توحید'' خطرے میں نظر آتی ہے، حالاں کہ شہداء کی حیات پر نص قرآن ہے مگر حاضری کی اجازت تو کیا، گنج شہداء (شہداء کی قبروں کی جگہ) کا نشان بھی ختم کر دیا گیا ہے، البتہ میدان کے گرد چار دیواری باقی ہے---

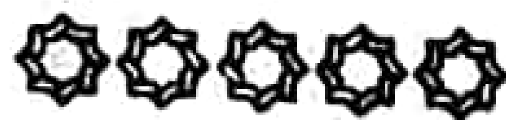
جدہ کے ایئر پورٹ ''الخطوط الاجنبية'' پر بدنظمی اپنے عروج پر تھی، یہاں سے سیرین ایئر لائنز کی پرواز سے دمشق پہنچے---کراچی کے لیے پرواز میں پندرہ گھنٹے باقی تھے، ہم نے اس وقت کو غنیمت جانا اور ایک بار پھر دمشق شہر میں گئے---ویزا ہم نے پہلے ہی حاصل کر لیا تھا، یہاں حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عربی کے مزارات پر ایک بار پھر حاضری دی---شام میں گو دیگر بھی بہت سے مزارات ہیں، مگر حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کی خاص کشش ہے---نامور نعت گو راجا رشید محمود (مدیر ماہ نامہ نعت، لاہور) نے بطور خاص حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی خدمت میں سلام کی تاکید کی تھی، سو جاتی دفعہ بھی اور واپسی پر بھی ان کی طرف سے بھی سلام پیش کیا---

اس طرح ۹ ستمبر کو بصیر پور شریف سے شروع ہونے والا ''سفر محبت'' کا یہ حصہ ۳۹ دنوں میں مکمل ہوا---اب صورت حال یہ ہے کہ ع:

سفر کے بعد اک یادِ سفر در پیش ہے دل کو

بارگاہ رب العزت میں ''خدایا ایں کرم بار دگر کن'' کی درخواست کے ساتھ ساتھ یہ دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے کرم سے قارئین نور الحبیب کو بھی ''سفر محبت'' سے بہرہ یاب فرمائے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و علٰی آلہ و اصحٰبہ اجمعین



خاکِ شفا --- جدید طبی تحقیق

خاک طیبہ از دوعالم بہتر ست
خوش تر آں شہرے کہ در وے دلبر ست

سرکار ابدقرار ﷺ کی نسبت سے مدینہ مرکز طمانینت وسکینہ ہے --- یہی وہ ارضِ مبارک و مقدس ہے، جسے قرآن کریم (سورۃ الحشر، آیت ۹) میں الدار اور الایمان کے نام سے متعارف کرایا گیا --- یعنی مدینہ منورہ اہل ایمان کا گھر، وطن اصلی اور مرجع وماٴمن --- بلکہ سراپا ایمان ہے ---

یہی وہ طیب واطہر سرزمین ہے، جس کی خاک کو ایمان بخش اور سراسر شفا قرار دیا گیا ---

حدیث پاک میں ہے:

وَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ اِنَّ تُرْبَتَهَا لَمُوْمِنَةٌ وَ اِنَّهَا شِفَاءٌ مِّنَ الْجُذَامِ --- [وفاء الوفاء، جلد ا، صفحہ ۶۸]

"قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یقیناً مدینہ کی مٹی ضرور ایمان دار ہے اور بے شک وہ جذام سے شفا ہے" ---

دوسری روایت میں ہے:

غُبَارُ الْمَدِیْنَةِ شِفَاءٌ مِّنَ الْجُذَامِ --- [کنز العمال، جلد ۶، صفحہ ۲۴۷]

"مدینہ کا گرد وغبار کوڑھ اور جذام ایسی (موذی) مرضوں سے شفا کا ذریعہ ہے" ---

یوں تو مدینہ طیبہ کی ساری زمین ہی شفا ہے مگر وہاں ایک خاص میدان ہے، جس کی خاک کو خاکِ شفا کہا جاتا ہے ---

شیخ عبدالحق محقق دہلوی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

"بعض صحابہ کرام کو بخار ہو گیا تو حضور ﷺ نے انھیں حکم دیا کہ اس جگہ کی مٹی سے علاج کریں--- چناں چہ سلف صالحین سے یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے کہ وہ اس مٹی کو بطور دوا تبرکاً لے جاتے ہیں"---[جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب، صفحہ ۲۹]

نہ ہو آرام جس بیمار کو سارے زمانے سے
اٹھا لے جائے تھوڑی خاک ان کے آستانے سے

[مولانا حسن رضا خاں]

سرکار ابد قرار ﷺ نے تو چودہ صدیاں پیش تر اسے صحت افزا قرار دیا تھا، جس کی تصدیق حال ہی میں امریکہ، سعودی عرب اور پاکستان کے جدید ماہرینِ طب نے کر دی ہے اور اسے کینسر ایسے موذی مرض سے نجات کے لیے اکسیر اور تریاق تسلیم کیا ہے---

روزنامہ جناح (۲۴ رجون ۲۰۰۷ء) میں شائع ہونے والی خبر کے مطابق سعودی عرب کے محکمہ صحت اور کنگ ایڈورڈ یونی ورسٹی (لاہور) گزشتہ تین سالوں سے اسلامی تصور کی روشنی میں طب کے مختلف شعبوں میں تحقیق کر رہے ہیں--- بالخصوص مدینہ منورہ سے لائی گئی "خاک شفا" کے مختلف تجربات و تجزیات کے ذریعے پے چیدہ امراض خصوصاً کینسر کا علاج دریافت کیا گیا ہے--- سعودی ادارہ صحت کے سربراہ ڈاکٹر کے ایس عباس اقبال نے کہا کہ کینسر کے لیے تیار کی جانے والی دوا کو پہلے چوہوں پر آزمایا گیا تھا--- چوہوں کو کینسر کے مرض میں مبتلا کر کے ان پر یہ دوا استعمال کی گئی، جس کا نتیجہ صد فی صد رہا--- اس دوا کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے استعمال کرنے والے مریضوں کو دوبارہ کینسر نہیں ہوگا اور یہ بیماری کے مکمل خاتمے کا موثر علاج ہے--- انھوں نے بتایا کہ خاک شفا کو امریکی ماہرین طب نے بھی تسلیم کیا ہے---

(تفصیل کے لیے اگلے صفحہ پر روزنامہ جناح کی خبر کا عکس ملاحظہ ہو:)

افسوس صد افسوس کہ سعودی حکمرانوں نے شقاوت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیگر آثار و تبرکات کی طرح اس اہم تاریخی و روحانی مقام کی حرمت کو پامال کر کے اس جگہ کا ایک حصہ سڑک اور ایک حصہ برساتی نالے میں تبدیل کر دیا ہے--- کاش نجدی حکومت اس معاملے کو شرک و بدعت کی عینک سے دیکھنے کی بجائے اس کی تاریخی، روحانی اور طبی اہمیت ہی کا کچھ لحاظ کر لے---

روزنامہ

جناح

اتوار 24 جون 2007ء

خاک مدینہ سے کینسر کا سستا علاج: سعودی ادارے اور کنگ ایڈورڈ یونیورسٹی میں طبی تحقیق کا معاہدہ

چوہوں پر خاک مدینہ کا تجربہ سو فیصد کامیاب رہا، امریکی طبی ماہرین نے بھی اسے تسلیم کر لیا

دوا انتہائی کم قیمت پر دستیاب، بیماری ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائے گی: ڈاکٹر ایاز حسن

دونوں ادارے قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں تحقیقی کام کریں گے: اسلامی طب کو فروغ دیا جائیگا

کنگ ایڈورڈ یونیورسٹی کے پانچ پروفیسرز کو پی ایچ ڈی کیلئے بیرون ملک بھیجا جائیگا

لاہور (انتخاب طارق سے) سعودی عرب کے صحت سے متعلقہ ادارے مشکی نے خاک مدینہ سے کینسر کے کامیاب علاج کا دعویٰ کیا ہے اور اس پر مزید تحقیق کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی سے طبی تحقیق اور پیچیدہ امراض کے علاج میں دوطرفہ تعاون کا معاہدہ کیا ہے۔ جس کی رو سے سعودی عرب اور پاکستان کے دونوں ادارے طب کے میدان میں اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل محققین کی حوصلہ افزائی بھی کریں گے اور (باقی صفحہ 6 بقیہ نمبر 39)



بقیہ نمبر 39

خاک مدینہ

صحت عامہ کے لئے نت نئے تجربات بالخصوص اسلامی تصور طب کو بروئے کار لا کر اس کی ترویج اور ترقی کی جائے گی سعودی ادارے مشکی کی جانب سے ادارے کے سربراہ ڈاکٹر ایاز حسن اے کمال اور کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی کی جانب سے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر ممتاز حسن نے دستخط کئے جبکہ مشکی کی جانب سے ڈاکٹر کے ایس عباس اقبال اور کے ای کی جانب سے پروفیسر منیر حسین اور ایسوسی ایٹ پروفیسر ملازم حسین نے بطور گواہ دستخط کئے یہ دوطرفہ معاہدہ پانچ سال کے لئے نافذ العمل ہوگا اور دونوں ممالک کی حکومتیں اس معاہدے پر عمل درآمد کی ذمہ دار بھی ہوں گی معاہدے کے بعد "جناح" سے گفتگو کرتے ہوئے مشکی کے سربراہ ڈاکٹر ایاز حسن اے کمال اور ڈاکٹر کے ایس عباس اقبال نے کہا کہ ہم گزشتہ تین سال سے کنگ ایڈورڈ یونیورسٹی کے ساتھ مل کر مختلف نوعیت کے تجربات کر رہے ہیں اور طب کے مختلف میدانوں میں اسلامی تصور کی روشنی میں مختلف شعبوں میں تحقیق کی جا رہی ہے بالخصوص مدینہ سے لائی گئی "خاک شفا" کے مختلف تجربات اور تجزیات کے ذریعے پیچیدہ امراض خصوصاً کینسر کا علاج دریافت کیا گیا ہے انہوں نے کہا کہ ہم اسلامی ممالک کے تمام سائنسدانوں اور اہل دانش کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں مختلف امراض کے علاج معالجہ کیلئے تحقیقی میدان میں انقلاب برپا کرنا چاہتے ہیں اس سلسلے کی پہلی کڑی کے طور پر مشکی کی جانب سے کنگ ایڈورڈ میڈیکل یونیورسٹی کے پانچ پروفیسرز کو طب سے متعلقہ اعلیٰ تحقیق کیلئے پی ایچ ڈی کیلئے بیرون ملک بھجوایا جائے گا اور ان کے تمام اخراجات صحت سے متعلقہ مذکورہ سعودی ادارہ برداشت کرے گا ڈاکٹر کے ایس عباس اقبال نے کہا کہ کینسر کے لئے تیار کی جانے والی دوا کو پہلے چوہوں پر آزمایا گیا تھا چوہوں کو کینسر کے مرض میں مبتلا کر کے ان پر یہ دوا استعمال کی گئی جس کا نتیجہ سو فیصد رہا انہوں نے کہا کہ خاک شفا کو امریکی ماہرین طب نے بھی تسلیم کیا ہے دوا کم قیمت پر دستیاب ہے جس کی آئندہ قیمت مزید کم ہو جائے گی انہوں نے کہا کہ اس دوائی کو استعمال کرنے والے مریضوں کو دوبارہ کینسر نہیں ہوگا یہ جسم میں بیماری کے مکمل خاتمے میں انتہائی موثر کردار ادا کرے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

شیخ گلزار احمد قادری

عرب کے صحرا کی خاموش فضا میں اونٹوں کی گھنٹیوں کے شور کے ساتھ ایک قافلہ رواں دواں تھا، قافلہ زیادہ بڑا نہ تھا، مگر سفر لمبا تھا۔ اسی میں ایک لڑکا اپنی ماں کے ساتھ اپنے نانا کے ہاں جا رہا تھا کہ راستے میں صحرائی لٹیروں نے قافلے پر حملہ کر دیا۔ جتنے بھی مسافر تھے، سب کو جان سے مار دیا اور سارا سامان لوٹ لیا۔ لڑکا ڈر وخوف کے مارے ایک کونے میں چھپ گیا مگر لٹیروں کی نظر سے چھپا نہ رہ سکا، وہ اس کو اٹھا کر لے گئے۔

ایک اونچے چبوترے پر سیاہ فام غلاموں کی بولی لگائی جا رہی تھی اور نیلام کرنے والا ہر غلام کی خوبیاں گنوا رہا تھا اور لوگ حسب توفیق اور حسب پسند بولیاں لگا رہے تھے۔ اب وہ لڑکا بھی چبوترے پر لایا گیا، نیلام کرنے والے نے حسب عادت خوبیاں گنوانے کے بعد کہا، بولی لگاؤ:

دو سو درہم، کسی نے دام لگائے۔ چار سو درہم، کسی اور نے بولی دی۔

کیا قصہ ہے، حکیم بن حزام۔

پہلی بولی والے نے بولی دگنی ہوتی دیکھ کر دوسرے سے پوچھا، تم اس لڑکے کا کیا کرو گے؟

میں اپنی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کی خدمت میں کوئی اچھا سا نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہوں، میرا خیال ہے کہ یہ خدمت گار مناسب رہے گا، حکیم بن حزام نے کہا۔

نیلام کرنے والے نے بہت زور لگایا لیکن بولی آگے نہ بڑھ سکی۔ آخر کار اس نے حکیم بن حزام

کی بولی آخری قرار دے کر غلام کی زنجیر ان کے حوالے کر دی۔

اس لڑکے کا نام زید بن حارثہ تھا۔ زید اپنے آقا کے پیچھے پیچھے چلنے لگے، اس بات سے بے خبر کہ وہ جلد ہی خوش نصیبی کے بندھن میں بندھنے والے ہیں۔ لہٰذا حکیم بن حزام ان کو لے کر اپنی پھوپھی کی حویلی میں پہنچے اور کہا پھوپھی جان آج عکاظ کے میلے میں گیا تھا تو یہ غلام پسند آیا، آپ اسے قبول کیجئے۔ حضرت خدیجہ شفقت سے مسکرائیں اور فرمایا:

"تم جانتے ہو میرے پاس غلاموں اور کنیزوں کی کمی نہیں ہے، میں اسے لے کر کیا کروں گی؟

پھر سوچنے لگیں اور فرمایا:

اچھا میں اس لڑکے کو تمہارے پھوپھا حضرت محمد ﷺ کی خدمت پر لگا دوں گی۔ اس طرح زید بن حارثہ کو وہ غلامی نصیب ہوئی جس پر سارے جہاں کی شہنشاہی نثار۔

ضرورت کی اشیاء بیچنے والوں کی چیخ و پکار اور اونٹوں کی گھنٹیوں کے درمیان ایک شخص پاگلوں کی طرح ہر ایک کو پکڑ پکڑ کر پوچھ رہا تھا کہ تم نے میرے بیٹے کو دیکھا ہے؟ تم جانتے ہو میرا زید کہاں ہے؟ کسی نے اس کے سوالوں کا جواب نہیں دیا۔ ایک دکان دار سے اس کے گاہک نے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ دکان دار نے جواب دیا:

"اس کا نام حارث بن شرجیل ہے، اس کی بیوی میکے جا رہی تھی کہ راہ میں لٹیرے اس کے بیٹے زید کو اٹھا کر لے گئے، اس وقت سے اس کا یہی حال ہے"۔

لیکن کب سے؟ گاہک نے پھر سوال کیا۔

دکان دار نے جواب دیا، اس کے بیٹے کو کھوئے ہوئے کئی سال ہو گئے ہیں لیکن اس کا زخم بھرتا ہی نہیں، اس کو صبر آتا ہی نہیں۔ حارث بن شرجیل ایک اونچے چبوترے پر کھڑے ہو گئے اور ان کے ارد گرد بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ باپ نے بیٹے کی جدائی کی داستان کچھ اس طرح سنائی کہ سننے والوں کے دل بھر آئے، ایسا لگا جیسے حارث کا غم ان کا اپنا غم ہو۔ مجمع میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور بولا:

"مجھے اپنے بیٹے کا کچھ حلیہ بتاؤ میں سفر پر جا رہا ہوں اسے تلاش کروں گا"۔

حارث کھل اٹھے اور پوچھا دوست تم کس سمت جا رہے ہو؟ ہم مکہ جا رہے ہیں۔ حارث نے مسافر کو زید کا حلیہ بتا دیا۔

وہ مسافر مکہ ایک قہوہ خانے میں بیٹھا ہوا تھا کہ وہ اچانک ایک نوجوان کے پیچھے چل پڑا، پھر

اس نے نوجوان کو پکارا، نوجوان ذرا رکا اور پلٹ کر پکارنے والے کو دیکھا۔ اس مسافر نے قریب پہنچ کر ایک بار پھر غور سے دیکھا، بالکل وہی ہے، اس نے دل میں سوچا اور پھر بولا، نوجوان میں کیا تمہارا نام معلوم کر سکتا ہوں؟ میرا نام زید ہے، پورا نام زید بن حارثہ۔ لیکن تم کیوں پوچھتے ہو؟

مجھے کسی کی تلاش ہے، ایک ایسے نوجوان کی جو بچپن میں اپنے والدین سے بچھڑ گیا تھا۔ حضرت زید یہ سن کر سناٹے میں آ گئے، ان کی آنکھوں کے سامنے وہ منظر گھومنے لگا جب لٹیرے ان کو اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ مسافر نے کہا، میں تمہارے باپ کو جانتا ہوں، وہ تمہاری جدائی میں پاگل ہو گیا ہے، تم میرے ساتھ چلو۔ حضرت زید نے کہا:

"مجھے افسوس ہے لیکن میں یہاں سے نہیں جا سکتا، تم میرے باپ سے کہہ دینا کہ آپ لوگوں سے ملنے کو میرا دل ترستا ہے اور میں یہاں خوش ہوں، میرا غم نہ کریں"۔

کچھ عرصہ بعد دو بھائی حارث اور کعب بن شرجیل اپنے لڑکے اور بھتیجے کی تلاش میں مکہ پہنچے، وہاں وہ پتہ معلوم کرتے پھر رہے تھے کہ لوگوں نے انہیں آپ ﷺ کے پاس پہنچا دیا۔ حارث بن شرجیل نے آپ سے اپنا مطلب یوں بیان کیا:

"اے ابن عبد اللہ ﷺ! آپ اپنی قوم کے رئیس اور خانہ کعبہ کے مجاور ہیں، آپ مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں، میرے بیٹے کو آزاد کر کے ہمیشہ کے لئے ہمیں احسان مند بنا لیجئے۔ جتنی رقم کہو گے، ہم دینے کو تیار ہیں"۔

حضرت محمد ﷺ کچھ دیر سوچتے رہے، پھر فرمایا:

"اگر زید تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن وہ اگر میرے پاس رہنا چاہتا ہے تو پھر سوچ لو"۔

ہمیں منظور ہے، دونوں بھائیوں نے فوراً کہا:

رشتہ سے بڑھ کر کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا اور ماں باپ کی محبت سے زیادہ کوئی محبت ہو نہیں سکتی۔ وہ دونوں ان ہی خیالوں میں ڈوبے ہوئے تھے کہ حضرت زید وہاں آ گئے۔ برسوں کے بچھڑے ہوئے باپ بیٹے ایک دوسرے کو دیکھتے ہی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے، وہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا اور جب جذبات کی شدت کم ہوئی تو حضرت محمد ﷺ نے فرمایا:

"زید! تمہارے والد اور چچا تمہیں لینے آئے ہیں، بولو تم ان کے ساتھ جانا پسند

کرو گے یا میرے پاس رہو گے؟"

حضرت زید نے جواب دیا: "میں یہیں رہوں گا"۔

چچا نے کہا: "اے برادر زادہ! کیا تمہیں اپنا وطن، ماں باپ، اور دوسرے عزیزوں سے کوئی محبت نہیں؟"

"تم ایسا نہ سمجھو، مجھے ان سے محبت ہے، لیکن جس شخص کی خدمت میں ہوں، اس سے مجھے بہت زیادہ محبت ہے"۔

کیا تو آزادی سے غلامی بہتر سمجھتا ہے۔ چچا نے بھتیجے کو غیرت دلانے کی کوشش کی۔

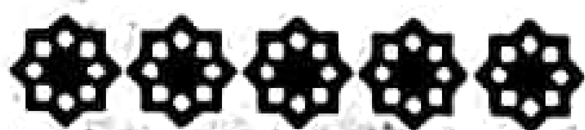
"میں کسی چیز کو اس متبرک ذات سے بہتر نہیں سمجھتا"۔ بھتیجے نے جواب دیا۔ مزید بحث بے کار تھی۔ حضور ﷺ کے دل پر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس جذبہ وفا کا بڑا اثر ہوا۔ وہ زید کو حرم کعبہ میں لے گئے اور مقام حجر کے قریب کھڑے ہو کر حارث اور ان کے بھائی کعب بن شرجیل اور دوسرے لوگوں کی موجودگی میں اعلان فرمایا:

"میں نے زید کو آزاد کیا، وہ آج سے میرا فرزند ہے، زید میرا وارث ہے اور میں اس کا والی ہوں"۔

باپ اور چچا کے دکھے ہوئے دل کو یہ اعلان سن کر قرار آ گیا، وہ اس اطمینان اور یقین کے ساتھ وطن واپس لوٹے کہ ان بیٹا دور سہی لیکن عزت اور آرام کے ساتھ ہے۔ اس دن سے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زید بن محمد ﷺ کہا جانے لگا۔ لیکن قرآن مجید فرقان حمید کی اس آیت کہ جس میں کہا گیا:

"لوگوں کو ان کے باپ کی نسبت سے پکارو اور محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں"۔

اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد پھر حضرت زید کو زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ جب حضور ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو آپ فوراً ایمان لے آئے۔ وہ غلاموں میں پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ پھر جب اہل مکہ نے رسول کریم ﷺ کو اشاعت دین سے روکنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچانی شروع کر دی، تو بھی زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس صورت حال کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا۔



شہیدِ تحریکِ آزادی

مولانا سید کفایت علی کافی علیہ الرحمۃ

اصغر حسین نظیر لودھیانوی

اوّلین اردو نعت گو شعراء میں خوش گو شاعر مولانا سید کفایت علی کافی ہیں، جو 1857ء کی جنگ آزادی کے شہداء میں شامل ہیں۔ ان کا شمار اس دور کے ان نعت گو اساتذہ میں ہوتا تھا، جو غلام امام شہید اور کرامت علی شہیدی کے معاصر تھے۔ "1857ء کے مجاہد شعراء" مطبوعہ دہلی کے مطابق مولانا کافی خاندانِ سادات سے تھے، ان کا شمار مراد آباد کے مقتدر علماء و شعراء میں تھا۔

مولانا کافی نے ابتدائی تعلیم مراد آباد میں، پھر بریلی اور بدایون میں حاصل کی۔ علم حدیث شاہ ابو سعید رام پوری سے پڑھا، علم طب حکیم شیر علی سے حاصل کیا، جو نواب آصف الدولہ کے عہد میں تحصیل دار تھے اور اپنے زمانے کے بے مثل طبیب تھے۔ مولانا دیارِ حبیب ﷺ کی زیارت کے لیے بہت بے تاب رہتے تھے، کئی نعتوں میں اس شوق کا اظہار کیا، فرمایا:

چل مدینہ طیبہ کو، چھوڑ کر شہر و وطن
اس مراد آباد میں کافؔی کہاں کا ارتباط

دکھا دے بلدۂ طیب ، دکھا دے روضۂ اطہر
دکھا دے گنبد خضراء ، کہ تسکینِ دل و جاں ہو
دکھا دے وہ بھی دن یا رب کہ حاضر ہووے یہ کافؔی
جناب مصطفیٰ کے آستانے پر غزل خواں ہو

اللہ رے ان آنکھوں کو یہ عین تمنا
دکھلا دے مدینہ ہمیں دکھلا دے مدینہ
کافؔی یہ تمنائے دلی ہے کہ دمِ مرگ
گر آہ جو کھینچوں تو کہوں ہائے مدینہ

ہے مدینے کی زیارت کا جو کافؔی مشتاق
یہ ارادہ میرا یا رب کبھی پورا ہو گا

آخر کار مولانا کی یہ تمنا پوری ہوگئی اور آپ حج بیت اللہ اور روضۂ اطہر کی زیارت سے مشرف ہوگئے۔ بعدازاں آپ نے ایک مثنوی "تجلّی دربار رسالت" لکھی۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں مرادآباد میں جن بزرگوں نے حصہ لیا، ان میں مولانا کفایت علی پیش پیش تھے۔ 11 رمئی 1857ء کو میرٹھ میں دیسی سپاہ نے علم بغاوت بلند کیا، 18 رمئی 1857ء کو سفر مینا کی پلٹن کے ستر آدمی مرادآباد آئے اور شہر کے گردونواح میں ہنگامے ہونے لگے، 22 رجون کو بریلی میں بھی بغاوت ہوگئی، 29 نمبر پلٹن نے مرادآباد جیل توڑ کر قیدیوں کو رہا کر دیا، قیدیوں میں نواب مجدالدین عرف مجو خاں بھی تھے، انہیں پیش ترازیں کوٹ صاحب مجسٹریٹ بدایوں پر قاتلانہ حملہ کرنے کے الزام میں کالے پانی کی سزا ہوئی تھی، حملے میں مجسٹریٹ کے ہاتھ کی دو انگلیاں بھی کٹ گئی تھیں۔ مجو خاں وقوعے کے بعد روپوش ہوگئے، دو سال کے بعد پولیس کے ہاتھ آئے تو کالے پانی کی سزا ہوئی لیکن مجاہدین نے جیل توڑ کر قیدی رہا کر دیے۔ رہا ہو کر قیدیوں نے انگریز افسروں کو قتل کرنا شروع کر دیا، انگریز مرادآباد سے بھاگ کر میرٹھ اور نینی تال چلے گئے۔ مجاہدین نے نواب مجو خاں کو حاکم مرادآباد

مقرر کیا۔ عباس علی خاں بن اسد علی خان توپ خانے کے افسر بنائے گئے اور مولانا کفایت علی کافی صدر شریعت مقرر ہوئے۔ انہوں نے عوام میں جہاد کی روح پھونکنی شروع کی، ہر جمعہ کو مساجد میں وعظ فرماتے، نشر و اشاعت کا کام بھی کرتے۔ انہوں نے فتویٰ جہاد کی نقول دوسرے مقامات پر پہنچائیں، بعض مقامات کا خود بھی دورہ کیا۔ اسی مقصد کے لیے آنولہ، ضلع بریلی میں حکیم سعد اللہ کے یہاں کئی سرکردہ لوگوں سے مل کر مشورے کیے۔ نواب یوسف علی خان ناظم والیٔ رام پور انگریزوں کے پٹھو تھے، اگرچہ ان کی فوج کو شکست دی۔ آخر نواب رام پور نے مجو خاں سے صلح کر کے اسے سنبھل کا حاکم مقرر کیا اور مراد آباد پر اپنا عمل دخل کر لیا---

سقوط مراد آباد

24 اپریل 1858ء کو جنرل جونسن گورہ فوج لے کر مراد آباد پہنچا اور نواب رام پور کے اہل کاروں سے مراد آباد کا قبضہ لے لیا۔ نواب مجو خاں آخری وقت تک لڑتے رہے اور جام شہادت نوش کیا۔ انگریزوں نے ان کی میت کو پامال اور مسخ کر کے پھینک دیا تاکہ چیل کوے کھا جائیں۔ روایت ہے کہ اچانک دو سفید پوش شخص وہاں نمودار ہوئے اور انہوں نے نواب کی میت کو دفن کیا اور واپس چلے گئے---

کافی کی شہادت

مراد آباد پر انگریزی قبضہ کے بعد مسلمانوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ مولانا کافی کے خلاف فخر الدین کلال نے مخبری کی۔ مولانا گرفتار ہوئے، پھانسی کا حکم ہوا تو بہت مسرور ہوئے۔ یہ غزل پڑھتے ہوئے خراماں خراماں تختۂ دار کی طرف چلے گئے:

کوئی گل باقی رہے گا، نے چمن رہ جائے گا
پر رسول اللہ کا دینِ حسن رہ جائے گا
ہم صفیر و باغ میں ہے کوئی دم کا چہچہا
بلبلیں اڑ جائیں گی، سونا چمن رہ جائے گا
اطلس و کم خواب کی پوشاک پہ نازاں نہ ہو
اس تن بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا

نام شاہانِ جہاں مٹ جائیں گے لیکن یہاں
حشر تک نام و نشانِ پنج تن رہ جائے گا
جو پڑھے گا صاحب لولاک کے اوپر درود
آگ سے محفوظ اس کا تن بدن رہ جائے گا
سب فنا ہو جائیں گے کافیؔ و لیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

وصال سے 35 سال بعد بدن سلامت نکلا

مولانا کافی کو مراد آباد جیل کے پاس مجمع عام کے سامنے پھانسی دی گئی اور وہیں دفن کیے گئے۔ تقریباً 35 سال کے بعد مولانا کی قبر کھل گئی تو لوگوں نے دیکھا کہ مولانا کا بدن اور کفن بالکل ٹھیک ہے۔ ہوا یہ کہ بدھ کے بازار سے ایک سڑک نکالی گئی، مولانا کے مدفن کا نشان نمایاں نہیں تھا، مزدور نے جب اس پر پھاوڑا چلایا تو وہ مولانا کی پنڈلی پر لگا اور وہ نظر آنے لگی، مزدور نے انجینئر کو بتایا، جو انگریز تھا، اس نے احتراماً قبر کو درست کیا اور سڑک کا رخ موڑ دیا۔ اسی لیے سڑک میں ٹیڑھا پن پایا جاتا ہے۔ مولانا کافی کی قبر کنجری سرائے مویشی خانہ کے سامنے ہے---

شاعری

مولانا کافی اپنے دور کے سرکردہ شعراء میں شمار ہوتے تھے۔ شیخ مہدی علی ذکی مراد آبادی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا کے کئی شاگرد تھے۔ مولانا صالح اور متقی بزرگ تھے۔ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ مولانا عبدالغفور نساخ اپنے تذکرۂ شعراء میں لکھتے ہیں:

> مولانا کافی کی زیادہ تصانیف نظم میں ہیں، ان میں بھی احادیث کے تراجم یا ان کی شرح ہوتی ہے۔ چہل احادیث کا ترجمہ "نسیم جنت" شمائل ترمذی کا ترجمہ "بہار خلد" اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے رسالہ اہل سعادت کا ترجمہ "خیابان فردوس" کے نام سے کیا ہے۔ "دیوان کافی" کے علاوہ داستان صادق، جذبۂ عشق، مثنوی تجمل دربار نبی، حلیہ شریف، مولود بہاریہ اور اوقات نحو وصرف مولانا کی تصانیف ہیں۔

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رباعی میں مولانا کافی کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:

پرواز میں جب مدحتِ شہ میں آؤں
تا عرشِ بریں فکر رسا سے جاؤں
مضمون کی بندش تو میسر ہے
کافیؔ کا دردِ دل کہاں سے لاؤں

ذیل میں مولانا کافی کی چند نعتوں کا انتخاب حاضر ہے:

(1)

دیکھیے جلوۂ دیدار کو آتے جاتے
گل نظارہ کو آنکھوں سے لگاتے جاتے
پائے اقدس سے اٹھاتے نہ کبھی آنکھوں کو
روکنے والے اگر لاکھ ہٹاتے جاتے
دشتِ طیبہ میں ترے ناقے کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اڑاتے جاتے
قدم پاک کی گر خاک ہی ہاتھ آ جاتی
بخت خوابیدہ کو ٹھوکر سے جگاتے جاتے
کافیؔ کشتۂ دیدار کو زندہ کرتے
لبِ اعجاز اگر آپ ہلاتے جاتے

(2)

بہار خلد ہے روئے محمد ﷺ
شمیم جاں فزا بوئے محمد ﷺ
دل وحشی ہے، زنجیریں تڑاتا
بشوق یاد گیسوئے محمد ﷺ
کوئی پیدا ہوا، ایسا نہ ہو گا
عدیم المثل ہے خوئے محمد ﷺ

نہ دیکھا ہو جہاں میں جس نے فردوس
وہ آ کے دیکھ لے کوئے محمد ﷺ
بس اے کافی، ہے آگے جائے آداب
کہاں تو اور کہاں روئے محمد ﷺ

(3)

عرش بریں ایوانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خلد سرا سر بستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آپ کفیلِ کار امت، آپ شفیعِ روزِ قیامت
ہیں بے حد احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مظہرِ رحمت، مصدرِ رأفت، مخزنِ شفقت، عینِ عنایت
ذاتِ محمد جانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
رحمتِ عالم اس کا لقب ہے، خلقتِ عالم کا وہ سبب ہے
ہے کیا عالی شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بہر شفائے درد و مصیبت اور برائے رنج و فلاکت
کافی ہے درمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(4)

یا الٰہی! حشر میں خیر الوریٰ کا ساتھ ہو
رحمتِ عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کا ساتھ ہو
یا الٰہی! ہے یہی دن رات میری التجا
روز محشر شافعِ روزِ جزا ﷺ کا ساتھ ہو
بعد مرنے کے بھی ہے کافی کی یہ یا رب دعا
دفترِ اشعارِ نعتِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

(5)

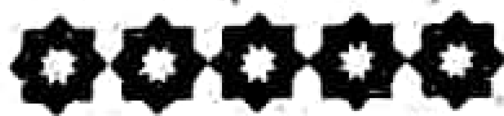
مرحبا کافیؔ محتاج نہ جائے محروم
رحمتِ عام یہ دربار ہے سبحان اللہ
لاکھ منزل سے پہنچتا ہے سلامِ امت
عینِ اعجاز یہ دربار ہے سبحان اللہ

کافیؔ ہزار شکر کہ ربِّ کریم نے
اپنے حبیب ﷺ کے مجھے در کا گدا کیا

وجد کے عالم میں جاتا لوٹتا آنکھوں کے بل
دیکھ کر میں گنبدِ خضریٰ، مدینے کی طرف

گل سے الفت اور نہ مجھ کو گلستاں سے اختصاص
ہے مگر مدحِ شفیعِ عاصیاں سے اختصاص

یہ کس کے شوقِ گیسو نے کیا کافیؔ کو دیوانہ
کہ ہر دم وجد کے عالم میں زنجیریں تڑاتا ہے



اُن کی دھن، اُن کی لگن، اُن کی تمنا، اُن کی یاد
مختصر سا ہے، مگر کافی ہے سامانِ حیات
[اختر الحامدی]

بجھے کیا کیا چراغ خانماں افروز کیا کہیے

- **حضرت علامہ شرف قادری**
- **احقر کی پھوپھی صاحبہ**
- **نوری فضلاء کرام**

دنیا دارِ فنا ہے، یہاں جو آیا، جانے کے لیے آیا--- باقی رہنے والی ذات اسی وحدہٗ لاشریک لہ کی ہے--- کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذِی الْجَلَالِ وَ الْاِکْرَامِ---

معشوق ریاضؔ اٹھ گئے اس بزم سے کیا کیا
جاتی ہوئی دنیا ہے ، رہے نام خدا کا

- **حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری**

قافلے بڑی سبک خرامی سے عالم آخرت کی جانب رواں دواں ہیں، مگر ان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں، جن کا نعم البدل تو کیا، بدل بھی ڈھونڈے سے نہیں ملتا---

ایسے ہی مغتنماتِ عصر لوگوں میں نازشِ علم و عمل، استاذ الاساتذہ، فخر الجہابذہ حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری کا وجودِ باجود بھی تھا، جن کی رحلت سے پیدا ہو جانے والا خلا صدیوں پر نہیں ہو سکے گا اور جن کی یادیں علم کے شیدائیوں کو ہمیشہ تڑپاتی رہیں گی---

رَحِلْتَ وَ خَلَّفْتَ الْقُلُوْبَ جَرِیْحَۃً
تَذُوْبُ وَ جَیْشُ الصَّبْرِ قَدْ قَلَّ جُنْدُہٗ

"تم تو رحلت کر چکے مگر ہمارے دلوں کو زخمی کر گئے--- تمہارے بعد دل

پگھل رہے ہیں اور جیشِ صبر میں کمی واقع ہوگئی ہے"---

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کو قادر و حکیم (ﷻ) نے گوناگوں اوصافِ حسنہ سے نوازا تھا---وہ پاکستان ہی کے نہیں بلکہ عالمِ اسلام کے عظیم اور ممتاز عالمِ دین تھے---وہ بیک وقت معقول و منقول پر دسترس رکھنے والے قابل مدرس، ژرف نگاہ محقق، بلند پایہ مصنف، عظیم محدث، صاحبِ بصیرت شیخِ طریقت، صاحبِ درد مصلح اور حق گو مبلغ اور مسلکی درد رکھنے والے غیور عالمِ دین تھے---وہ طبعاً حلیم، نرم خو، ملن سار، مجسمہ عجز و انکسار اور نہایت محنتی اور معروف انسان تھے---گویا "نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو" کے مصداق تھے---

آپ ۲۴ رشعبان المعظم ۱۳۶۳ھ/۱۳ راگست ۱۹۴۴ء کو مشرقی پنجاب انڈیا کے ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے--- پرائمری کے بعد دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور محدثِ اعظم حضرت مولانا سردار احمد، استاذ الکل حضرت مولانا عطا محمد بندیالوی اور شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی (علیہم الرحمۃ) ایسے اعاظم اساتذہ سے اکتسابِ فیض کیا---اس کے علاوہ انھیں حدیث، تفسیر، فقہ، تصوف اور دیگر علومِ اسلامیہ میں حجازِ مقدس، مصر، شام اور برصغیر پاک و ہند کے جید علماء و مشائخ سے اسناد و اجازت حاصل تھی، جس کی تفصیل کے لیے آپ کی تصنیف "الجواهر الغالية من الاسناد العالية" ملاحظہ ہو---

گزشتہ سال (۱۴۲۷ھ) رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں ان کے ساتھ برادرِ محترم علامہ علی احمد سندھیلوی اور احقر نے مدینہ منورہ کے معمر ترین اور کئی سال سیدنا غوث اعظم ﷺ کی مسجد کے خطیب رہنے والے شیخ محمد نمر الخطیب اور جلیل القدر شیخ علامہ سید احمد الشریف السوسی سے سند و اجازت حاصل کی---

طریقت میں آپ مفتیِ اعظم پاکستان حضرت سیدی ابوالبرکات سید احمد قادری قدس سرہ العزیز سے بیعت تھے---

تعلیم سے فراغت کے بعد متعدد دینی اداروں میں تدریسی فرائض انجام دیے اور ہزاروں طلبہ آپ سے مستفیض ہوئے---بیش تر عرصہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں گزارا---آپ نے

اہل سنت کو جدید انداز میں اشاعتِ کتب، تصنیف و تالیف اور حواشی تحریر کرنے کا شعور بخشا، چناں چہ کریما، نامِ حق، بدائع منظوم، تحفہ نصائح اور نحو میر پر اردو حاشیہ اور منطق میں علامہ فضل حق خیر آبادی کی تصنیف ''المرقاۃ'' پر ''المرضاۃ'' کے نام سے عربی حاشیہ تحریر کیا --- قاضی مبارک، مطول، میبذی وغیرہ کتب پر حواشی لکھے، جو ابھی غیر مطبوعہ ہیں ---

علامہ محمد منشا تابش قصوری اور مولانا الحاج محمد جعفر ضیائی فضلاء دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کی رفاقت سے مکتبہ قادریہ کے نام سے لاہور میں مکتبہ قائم کر کے عمدہ اور معیاری کتابیں شائع کیں ---

آپ صاحبِ طرز ادیب تھے، تصنیف و تالیف کا بھرپور کام کیا --- سو سے زائد کتابیں اور مقالات تحریر کیے --- ترجمہ قرآن کریم کے علاوہ متعدد فارسی اور عربی کتب کے اردو میں تراجم کیے، جن میں اشعۃ اللمعات، جلد ۳،۴، دلائل الخیرات، الشرف المؤبد کا ترجمہ، برکاتِ آلِ رسول اور علامہ فضل حق خیر آبادی کی تصنیف ''تحقیق الفتویٰ'' کا ترجمہ، شفاعتِ مصطفیٰ ﷺ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں --- اسی طرح بعض اردو رسائل کو عربی کے سانچے میں ڈھالا ---

آپ کی متعدد مفید تصانیف میں تذکرہ اکابرِ اہل سنت، من عقائد اہل السنۃ (عربی، البریلویہ کا رد)، نور نور چہرے، عظمتوں کے پاسبان، ندائے یا رسول اللہ، یادِ اعلیٰ حضرت، مقالاتِ رضویہ ایسی کتنی ہی کتابیں یادگار ہیں ---

انھیں عربی ادب پر بڑا عبور تھا --- اردو کی طرح ان کی عربی تحریریں بھی سلاست و روانی، معنویت، جدت و تنوع اور ایجاز و اختصار کی آئینہ دار ہیں ---

علامہ شرف صاحب سے برادرانہ تعلقات تھے، اکثر ملاقات رہتی، بہت محبت سے پیش آتے --- ''نور الحبیب'' کی پسندیدگی کا اظہار زبانی اور تحریری کرتے اور کبھی کبھی اس کے لیے کوئی مضمون بھی عنایت فرما دیتے --- یہ ان کی خوردہ نوازی تھی کہ وہ حوصلہ افزائی کرتے رہتے ---

تنظیم المدارس کے کنونشن منعقدہ اسلام آباد کے موقع پر جامعہ رضویہ ضیاء العلوم میں ایک میٹنگ میں اکٹھے ہوئے تو ماہ نامہ نور الحبیب کے معیار کو بے حد سراہا اور راحقر کی کہی ہوئی نعتوں کی بہت تعریف کی اور انھیں شرعی معیار کے مطابق قرار دیا ---

ان سے خط وکتابت کا سلسلہ بھی رہتا---متعدد مکاتیب احقر کے پاس محفوظ ہیں---احقر نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات پر مبنی اپنے ایک کتابچے میں تذکرہ کیا تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ محبوبِ الٰہی کو تمہید ابوالشکور سالمی سبقاً پڑھائی اور سند عطا فرمائی تھی--- علامہ شرف قادری نے ''تمہید'' پر مقدمہ لکھتے وقت احقر کو بذریعہ فون وہ کتابچہ بھجوانے کا حکم دیا اور اپنے مضمون میں اس کا حوالہ دیا---

موصوف منکسر المزاجی اور سادگی و وضع داری میں اسلاف کا صحیح نمونہ تھے---ایک عرصہ سے بیمار تھے، اس اثنا میں کئی بار مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا---انھیں اس حالت میں بھی تصنیف وتالیف اور دیگر دینی خدمات کے لیے مستعد پایا---وصال سے چند روز قبل نور الحبیب کے ادارتی بورڈ کے ممبر پروفیسر خلیل احمد نوری ان کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے تو نور الحبیب کے معیار کو سراہا اور اس کے لیے رطب اللسان رہے---واپسی پر احقر کو سلام کہنے کی تاکید فرمائی---

موصوف اپنی ذات میں ایک مکمل ادارہ تھے---کم وبیش ۶۳ برس کی بھرپور علمی وعملی زندگی گزارنے کے بعد یکم اگست ۲۰۰۷ء کو اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے---

بیمارِ عشق لے کے ترا نام سو گیا
مدت کے بے قرار کو آرام ہو گیا

بلاشبہہ قحط الرجال کے اس دور میں حضرت کی شخصیت بہت غنیمت تھی---وہ اسلاف کی تابندہ نشانی اور قدیم علماء کی سادگی و درویشی اور علم پروری کی علامت تھے---ان کی رحلت ملتِ اسلامیہ بالخصوص اہل سنت وجماعت کے لیے عظیم سانحہ ہے---

ما کان قیس هلکه هلک واحد
لکنه بنیان قوم تهدما

''قیس کی موت تنہا ایک شخص کی موت نہیں ہے، اس کی رحلت نے تو گویا پوری قوم کی عمارت کو منہدم کر دیا ہے''---

اللہ کریم ﷻ ان کی خدمات جلیلہ کو قبول فرماتے ہوئے انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے

اوران کے اہل خانہ، تلامذہ، معتقدین اور محبین کو صبر جمیل سے نوازے---

یہ امر باعث اطمینان ہے کہ موصوف کے تینوں صاحبزادے ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری، مولانا حافظ مشتاق احمد قادری اور حافظ نثار احمد قادری عمدہ صلاحیتوں کے حامل ہیں---اللہ تعالیٰ انھیں اپنے والدِ گرامی کے مشن کو جاری رکھنے اور آگے بڑھانے کی توفیق مرحمت فرمائے---

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علٰی آلہ و اصحابہ اجمعین

• محترمہ پھوپھی صاحبہ کا وصال

گزشتہ مہینا، ڈیڑھ مہینا میں متعدد ذاتی صدمات سے دوچار ہونا پڑا---سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے مکتبِ نور سے تعلق رکھنے والے تین "نوری فضلاء" کے سانحۂ ارتحال کے علاوہ احقر کی حقیقی پھوپھی صاحبہ اپنے خالق و مالک حقیقی سے جاملیں---انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون

پونے تین سال قبل احقر کی چھوٹی پھوپھی صاحبہ (زوجہ استاذ العلماء حضرت مولانا محمد باقر نوری) کا وصال ہوا اور اب بڑی پھوپھی صاحبہ (زوجہ حضرت مولانا سراج دین صاحب) کا سانحہ ارتحال ہوا---(رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

موصوفہ حضرت سیدی فقیہ اعظم قدسنا اللہ بسرہ کی حقیقی ہم شیر، ان سے دو سال چھوٹی اور صورت و سیرت میں ان کا عکسِ جمیل تھیں---آپ کی زندگی مکمل اسلامی رنگ میں ڈھلی ہوئی تھی، عبادات و اعمال اور اذکار و اوراد کی پابند تھیں---اپنے شفیق اور جلیل القدر بھائی کی طرح قرآن کریم اور درودِ پاک سے قلبی لگاؤ تھا---روزانہ کئی کئی پارے منزل اور درود پاک کی تسبیحات کا معمول تھا، دلائل الخیرات شریف تو گویا انھیں حفظ تھی---نوعمری سے لے کر وصال سے کچھ عرصہ پہلے تک محض رضائے الٰہی کے لیے بچیوں کو پڑھانے اور انھیں تربیت دینے کا شغل جاری رکھا---

پھوپھی صاحبہ کو اپنے والد گرامی اور عظیم بھائی کی طرح سرکار ابد قرار ﷺ سے حد درجہ کی محبت و عقیدت تھی---سرکار ﷺ کی نعتیں اکثر ان کی زبان پر رہتیں---مجھے ان کے ہمراہ حج بیت اللہ اور حاضریٔ مدینہ عالیہ کی سعادت نصیب ہوئی---حجازِ مقدس میں ان کے معمولات، ان کی محبتِ خدا اور سول (عزوجل و ﷺ) کے آئینہ دار تھے---

موصوفہ پورے خاندان کے لیے مجسمۂ رحمت وشفقت تھیں، مگر احقر کے ساتھ ان کی شفقتوں کا معاملہ سوا تھا--- وہ سال ہا سال سے اپنے اکلوتے صاحبزادے حضرت مولانا الحاج قاری مسرور احمد سیالوی کے ہاں مقیم تھیں--- ملتان حاضر ہوتا تو ان کی خوشی کی حد نہ ہوتی--- وہ اکثر غائبانہ یاد کرتیں، دعائیں دیتیں اور سلام بھجواتی رہتیں--- احقر کی مصروفیات کا انھیں اندازہ تھا، اس لیے جب بھی حاضر ہوتا میری مختصر حاضری سے بھی بہت زیادہ مسرور ہوتیں اور نہایت ہی شفقت ومحبت سے پیش آتیں---

موصوفہ کی عمر تقریباً ۹۵ ربرس تھی--- عرصہ سے گوناگوں عوارض کی بنا پر صاحبِ فراش تھیں، مگر عبادت وریاضت، قرآن کریم اور دلائل الخیرات شریف کی تلاوت میں ذرّہ برابر فرق نہ آنے دیا--- قاری مسرور احمد صاحب اور ان کی اہلیہ محترمہ کی خوش بختی ہے کہ انھیں طویل عرصہ خدمت کی اعلیٰ سعادت نصیب رہی---

حجازِ مقدس اور شام کے سفر پر روانہ ہونے سے کچھ عرصہ پہلے احقر ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کی نقاہت کے پیشِ نظر یہی دکھائی دیتا تھا کہ اب یہ چند روزہ مہمان ہیں، مگر شاید انھیں رمضان المبارک کا انتظار تھا--- احقر شعبان المعظم کے اواخر میں ''سفرِ محبت'' پر روانہ ہوا، ادھر تین رمضان المبارک (جگر گوشۂ رسول حضرت بتول سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یومِ وصال) کو جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی---

شام میں ایک ہفتہ قیام کے دوران میرا کوئی رابطہ نمبر نہ تھا، اس لیے حجازِ مقدس پہنچنے کے بعد ۹ یا ۱۰ ررمضان المبارک کی شام مجھے سانحہ کی اطلاع ملی--- مسجد نبوی شریف میں ان کے لیے فاتحہ خوانی وایصالِ ثواب کا اہتمام رہا اور بہت دعائیں ہوئیں--- اللہ تعالیٰ انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے---

واپسی پر ۲۱ راکتوبر کو ملتان میں ان کے چہلم کی مجلس میں شمولیت کی سعادت حاصل کی---

موصوفہ کے ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں--- صاحبزادی مولانا محمد احسن نوری (اوکاڑا) کی اہلیہ ہیں، جب کہ صاحبزادے عرصہ تک سرکاری محکمہ تعلیم سے وابستہ رہنے کے بعد اب

جامعہ انوار العلوم (شعبہ بنات) ملتان میں تدریسی و انتظامی فرائض سرانجام دے رہے ہیں--- اللہ تعالیٰ انھیں اپنے حفظ و امان میں رکھے--- پھوپھی صاحبہ مرحومہ کی ذات میں ایک شفیق ترین ماں کے وجود کا احساس ہوتا تھا، جس سے ایک ہمہ وقتی ڈھارس بندھی رہتی تھی، آج ہم اس ڈھارس اور اس سایہ شفقت و رحمت سے محروم ہو گئے---

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ --- اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھَا وَ ارْحَمْھَا وَ نَوِّرْ مَرْقَدَھَا وَ نَضِّرْ وَجْھَھَا وَ رَوِّحْ رُوْحَھَا وَ اجْعَلْ قَبْرَھَا رَوْضَۃً مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ وَ ارْفَعْ دَرَجَتَھَا وَ اَعْلِ مَقَامَھَا وَ اَکْرِمْ نُزُلَھَا آمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بِجَاہِ طٰہٰ وَ یٰسٓ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ---

● مولانا سید حامد اللہ شاہ

دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے نامور فاضل اور اپنے علاقہ ملوکہ تحصیل عارف والا کے زمین دار تھے--- خاموش طبع، وضع دار، مجسمۂ شرافت اور مخلص انسان تھے--- ۱۵ر رمضان المبارک کو وصال فرمایا---

● مولانا محمد اسلم نوری عارفی

موصوف راقم کے ہم جماعت تھے، اوّل تا آخر دارالعلوم حنفیہ فریدیہ میں تعلیم پائی، سند فراغت حاصل کی اور حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز سے بیعت ہو کر نوری کہلائے--- بہت خوش آواز نعت خواں اور خطیب تھے، گلے میں بلا کا سوز تھا--- پیکر مہر و محبت اور سراپا شرافت تھے--- گزشتہ پندرہ بیس سال سے جڑانوالا کے قریب گاؤں میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے--- عرصہ سے ہیپاٹائیٹس کے مریض تھے--- ۹ر شوال المکرم کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی---

● مولانا محمد شریف مدحت نوری

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے مرید اور دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے فاضل تھے--- عرصہ سے ریان پورہ منڈی مرید کے میں مقیم تھے--- صحافت سے بھی لگاؤ تھا--- ماہ نامہ الصمد کے نام سے پرچہ شائع کرتے تھے--- گوناگوں اوصاف کے حامل تھے---

● مولانا قائم دین نوری

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے مرید اور دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے مستفیض تھے---

دارالعلوم کے ممتاز فاضل مولانا غلام مرتضیٰ نوری (فوجی) لاہور کے والد گرامی تھے اور بہت صالح انسان تھے---

علاوہ ازیں فضلائے دارالعلوم میں سے:

● ......مولانا الحاج عبدالمجید نوری، سدو ملکیے (پاک پتن شریف) کے پوتے (ریاض احمد نوری کے جواں سال بیٹے)---

● ......حافظ محمد عمر نوری (قلعہ یوسف بھٹی راجووال) کے ماموں---

● ......مولانا محمد انور نوری (چک دیوان جاگیر، پاک پتن شریف) کے والد اور مولانا حاجی احمد علی نوری کے بھائی---اور

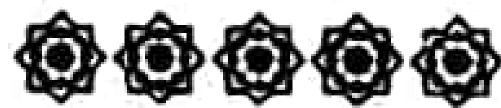
● ......مولانا حاجی غلام محمد نوری (چیچہ وطنی) کی والدہ (اہلیہ حاجی الہ دین نوری مرحوم) راہیٔ ملکِ بقا ہوگئیں---

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام و مرتبہ سے سرفراز فرمائے اور پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

بصیر پور شریف (صاحب زادہ) محمد محب اللہ نوری

۳۱/ اکتوبر ۲۰۰۷ء مدیر اعلیٰ ماہ نامہ نور الحبیب



تا ابد جاری و ساری ہے نبوت ان کی

تا ابد چھائی ہوئی شفقت و رحمت ان کی
دیکھ لی ، دیکھنے والوں نے یہ عظمت ان کی

منکشف صرف اسی پر ہے ، نہایت ان کی
جان لی ، جس نے حقیقت میں حقیقت ان کی

انبیاء اور بھی گزرے ہیں ، رسل بھی لیکن
حسن تفضیل سے ممتاز ، رسالت ان کی

ان سے پہلے بھی نبی اور پیمبر لیکن
دوسروں میں یہ تجلی ہے نہ سیرت ان کی

کوئی اُن سا بھی کبھی ارض و سما نے دیکھا
طغرۂ خانۂ کونین ، سیادت ان کی

وہ نبی ، ہاشمی و مطلبی ہیں ثابت
ہر شک و شبہ سے بالا ہے نجابت ان کی

کر سکے ہم سریٔ ختم رسل کون بھلا
دوسروں سے ہے جداگانہ فضیلت ان کی

ہر زمانے میں وہی ختم رسل ہیں ثابت
ہر زمانے کے لیے خاص حکومت ان کی

جانِ ادوارِ زماں ، نازِ ازل ، فخر جہاں
خود ابد سے بھی عیاں ، شانِ عزیمت ان کی

ہیں تصرف میں زمانے کے شب و روز مگر
ہے گریزاں حشم و جاہ سے عادت ان کی

کرو کوتاہیٔ کردار و عمل بات الگ
ہر مسلمان کا ایمان ہے سنت ان کی

منحصر ان پہ ازل بھی ہے، ابد بھی، یعنی
تھی بہر سلسلہ پہلے بھی ضرورت ان کی

مطمئن صرف اسی ایک یقیں پر ایماں
کام آئے گی سر حشر شفاعت ان کی

وہ تنظم کہ رہا رشک دبیران فلک
کوئی ثانی کہیں رکھتی ہے نظامت ان کی

بعد والوں میں ہوا کوئی نہ افضل ان سے
جن صحابہ کو میسر تھی رفاقت ان کی

لوگ سمجھیں، نہ انہیں چاہنے والا تازہ
ہے ازل سے مری تقدیر، محبت ان کی

نعت کہنا مرے بچپن سے، مقدر میرا
ہے مرا موجب تخلیق ہی مدحت ان کی

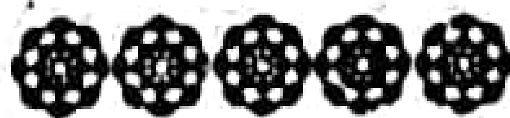
ہیں وہ اللہ سے بندوں کو ملانے والے
اصل تعلیم رہی داعیٔ وحدت ان کی

ان کو مولا نے دیا راہبری کا منصب
اہل گیتی کے لیے فرض نیابت ان کی

ہم لپٹ جائیں گے دامانِ کرم سے ان کے
شان بخشش ہی جدا روز قیامت ان کی

ختم رحلت پہ نہیں عہد ظہوری ان کا
تا ابد جاری و ساری ہے نبوت ان کی

سید انوار الحق ظہوری



مفتیٔ اعظم عراق
شیخ عبدالکریم مدرس کی وفات

۱۳۲۳ھ-۱۴۲۶/ ۱۹۰۵ء-۲۰۰۵ء

عبدالحق انصاری

۲۵ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ/ مطابق ۳۰ راگست ۲۰۰۵ء کو ملک عراق میں اہل سنت و جماعت کے سرتاج شیخ عبدالکریم بیارہ مدرس نے بغداد میں وفات پائی۔ پاکستان کے علماء و مشائخ اہل سنت سے آپ کے روابط استوار تھے۔ آپ فقیہ شافعی، مفسر، عقلی و نقلی علوم کے عظیم ماہر، استاذ العلماء، ملک کے مفتیٔ اعظم، صوفیٔ کامل، عربی، فارسی، کردی زبانوں کے ماہر، ادیب و شاعر، صاحب تصانیف کثیرہ، مزار سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملحق مسجد و مدرسہ کے امام و مدرس اور اسلامی دنیا کے معمر علماء میں سے تھے۔

دوحہ قطر میں یکم نومبر ۱۹۹۶ء سے قائم عربی کے مشہور و مقبول نجی ٹیلی ویژن چینل ''الجزیرۃ'' نے آپ کی وفات کی خبر اسی لمحہ نشر کی۔

عراق کے سرکاری ٹیلی ویژن چینل ''العراقیۃ'' نے بھی اسی روز یہ خبر نشر کی اور بتایا کہ عراق کے نائب صدر غازی عجیل یاور نے خانقاہ قادریہ جا کر مفتیٔ اعظم عراق شیخ عبدالکریم بیارہ مدرس کی وفات پر تعزیت کی۔ جب کہ وزیر اعظم عراق ڈاکٹر ابراہیم جعفری نے بیان جاری کیا، جس میں آپ کی وفات پر پوری اسلامی دنیا اور اہل عراق نیز مرحوم کے اہل خانہ سے دلی رنج و غم اور تعزیت کا اظہار کیا ہے۔ العراقیۃ پر ہی بتایا گیا کہ عراق میں قائم علماء اہل سنت کے اعلیٰ ترین ادارہ ''دیوان الوقف السنی'' کے جاری کردہ بیان میں اسلامی دنیا کو بالعموم اور اہل عراق کو

بالخصوص، علماء عراق کے سرتاج ورابطۃ العلماء عراق کے صدر شیخ عبدالکریم بیارہ مدرس کی وفات پر تعزیت پیش کی ہے۔

شیخ عبدالکریم بن محمد کردی شہر زوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۳۲۳ھ، مطابق ۱۹۰۵ء کو عراق کے علاقہ کردستان کے گاؤں تکیہ میں پیدا ہوئے، قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی، نیز مقامی علماء سے اخذ کیا۔ پہلی جنگ عظیم شروع ہونے سے قبل آپ مزید حصول علم کے لیے گھر سے نکل پڑے اور کرد، شہر سلیمانیہ نیز بیارہ اور طویلہ نامی مقامات پر موجود مختلف علوم وفنون میں باکمال علماء سے استفادہ کیا۔ تا آں کہ ۱۹۲۰ء میں دوبارہ سلیمانیہ پہنچے اور وہاں نقشبندی، مجددی سلسلہ کے مرشد کبیر مولانا ضیاء الدین خالد بن احمد عثمانی کردی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۷ء) کی قائم کردہ خانقاہ میں موجود خاتمۃ المحققین واستاذ الاساتذۃ فی علوم الدین صاحب تصانیف مفیدہ شیخ عمر بن محمد امین المعروف بہ ابن قرہ داغی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۳۵۵ھ/ ۱۹۳۶ء) کے ہاں چار برس مقیم رہ کر ان سے متعدد علوم وفنون میں تعلیم وتربیت پائی اور وہی آپ کے سب سے اہم استاذ ہیں، نیز سلیمانیہ کے دیگر علماء سے استفادہ کیا۔

۱۹۲۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے تو کردستان کے ہی گاؤں نرگسہ جار میں شیخ طریقت صدیق بن معروف نقشبندی مجددی خالدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں ان کے قائم کردہ مدرسہ میں استاذ تعینات ہوئے، جہاں تین برس رہے۔

۱۹۲۸ء میں شیخ عبدالکریم مدرس کے مرشد شیخ علاؤ الدین بن شیخ محمد ضیاء الدین بن شیخ عثمان سراج الدین طویلی نقشبندی مجددی خالدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء) نے آپ کو بیارہ میں واقع اپنے مدرسہ میں استاذ مقرر کیا، جہاں آپ نے چوبیس برس تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ وہاں کی دوسری مسجد میں اٹھارہ برس تک امامت وخطابت کی۔

۱۹۵۲ء کے آغاز میں آپ بیارہ سے سلیمانیہ منتقل ہوئے، جہاں مدرسہ الحاج احسان میں تین برس مدرس رہنے کے بعد ۱۹۵۴ء کو کرکوک شہر آ گئے، جہاں مدرسہ تکیہ طالبانیہ میں چھ برس تدریس سے وابستہ رہے۔

۱۹۶۰ء میں آپ کرد خطہ سے باہر نکلے اور بغداد آ گئے اور پھر اسی شہر کے ہو کر رہ گے، تا آں کہ ۴۵ ر برس بعد وہیں پر وفات پائی۔ بغداد پہنچتے ہی آپ وزارت دفاع کے قریب واقع مرکزی مسجد احمدی کے امام وخطیب ہوئے اور مزار حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء) سے ملحق مدرسہ قادریہ کے مدرس شیخ محمد بن حسین قزلجی ازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۳۷۸ھ/ ۱۹۵۹ء) کی جگہ مدرس تعینات ہوئے۔

شیخ عبدالکریم ۱۹۶۰ء میں ہی مدرسہ قادریہ سے وابستہ ہوئے، جہاں سے حسب قاعدہ ۱۹۷۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔ لیکن حضرت سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد وسجادہ نشین نے آپ کو بہ اصرار وہیں پر ٹھہرالیا، اب آپ مزار سے ملحق مسجد میں ظہر وعصر کی امامت کے بھی ذمہ دار قرار پائے۔ شیخ عبدالکریم نے قیام بغداد کا تقریباً نصف صدی پر محیط تمام عرصہ مدرسہ قادریہ میں مدرسین کے لیے مخصوص ایک کمرہ میں بسر کیا، جس دوران مسلسل وہاں پر امامت وخطابت وتدریس کی ذمہ داری نبھائی۔ عمر کے آخری تین عشروں میں آپ مزار ومسجد ومدرسہ قادریہ کے احاطہ سے بہت ہی کم باہر نکلے۔

۱۹۶۹ء میں علماء ومشائخ کی بڑی جماعت کے ہمراہ حج وزیارت کے لیے گئے۔

۱۹۷۶ء میں مفتیٔ اعظم عراق وجمیعت رابطۃ العلماء عراق کے مرکزی صدر شیخ نجم الدین واعظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وفات پائی تو ان کی جگہ آپ جمیعت کے صدر منتخب ہوئے۔ شیخ نجم الدین حکومت کی طرف سے ''مفتیٔ اعظم عراق'' کے منصب رفیع پر تعینات تھے، لیکن ان کی وفات کے ساتھ ہی حکومت نے یہ منصب ختم کردیا۔ ان کے بعد شیخ عبدالکریم بیارہ مدرس ہی حقیقی معنوں میں ملک کے مفتیٔ اعظم تھے اور اپنی وفات تک طبقۂ علماء وعوام نیز بیرونی دنیا میں مفتی اعظم عراق کہلائے۔ علاوہ ازیں آپ تحقیقی اداروں ''**المجمع العلمی العراقی** '' اور ''**المجمع اللغة العربية الاردنية**'' کے رکن تھے۔

آپ نے تین زبانوں عربی، فارسی، کردی میں مختلف موضوعات پر نظم ونثر میں پچاس سے زائد کتب تصنیف کیں، جن میں چالیس سے زائد شائع ہوئیں۔ عربی میں ''**جواھر الفتاویٰ** '' مطبوعہ بغداد ۱۹۷۰ء تین جلد، چودہ صدیوں کے چھ سو سے زائد کرد مشہور علماء کے حالات پر ''**علماؤنا فی خدمة العلم و الدین** '' مطبوعہ بغداد، ۶۶۸ صفحات، ۱۹۸۳ء، فارسی میں تقلید واجتہاد کے منکرین کے رد میں ''رسالہ شمشیر کاری''، کردی میں آپ کا نعتیہ کلام ''نورونہ جات'' مطبوعہ ۱۹۵۶ء، میلاد النبی ومعجزۂ معراج ﷺ پر ''مولودنامہ ومعراج نامہ'' مطبوعہ ۱۹۶۹ء و ۱۹۸۲ء، عربی وکردی ڈکشنری، مطبوعہ ۱۹۷۰ء، فقہ شافعی پر امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی منہاج کا کردی میں ترجمہ ''شریعتی اسلام'' چھ جلد، مطبوعہ بغداد، ۱۹۷۰ء تا ۱۹۷۶ء، مولانا ضیاء الدین خالد کردی نقشبندی مجددی کے احوال پر چھ سو سے زائد صفحات کی ''یادی می ردان'' مطبوعہ ۱۹۷۹ء و ۱۹۸۳ء، قرآن مجید کی تاریخ وتجوید پر ''نورالقرآن'' مطبوعہ ۱۹۸۵ء، کردی میں ہی قرآن مجید کی تفسیر جو دس جلدوں میں طبع ہوئی، اپنے مرشد کے دادا شیخ عثمان سراج الدین طویلی نقشبندی مجددی خالدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۶۶ء) کے حالات نیز ان کے خلفاء واحفاد کے احوال پر دو کتب لکھیں، جو غالباً شائع نہیں ہوئیں، علاوہ ازیں

سیرت النبی ﷺ وعلم حدیث اور تصوف پر کردی میں مزید تصنیفات ہیں۔

شیخ عبدالکریم ۱۹۲۴ء سے وفات تک تقریباً اسی برس تک تدریس سے وابستہ اور اس کے حد درجہ حریص رہے، اس دوران چوبیس برس بیارہ مقیم رہے۔ اسی باعث مدرس اور بیارہ کے الفاظ آپ کے نام کا جز بن گئے اور آپ عرب وعجم میں ''شیخ عبدالکریم مدرس'' اور ''شیخ عبدالکریم بیارہ'' کے نام سے جانے گئے۔

اتنا طویل عرصہ تدریس کی بساط بچھائے رکھنے کے باعث کئی نسلوں نے آپ کی شاگردی اختیار کی۔ اس پر مزید یہ کہ آپ نے ایک صدی سے زائد عمر پائی اور عرب دنیا کے اہل ذوق، طویل العمر علماء ومشائخ کے متلاشی رہتے ہیں تاکہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر یا مراسلت وفون کے ذریعے ان سے روایت حدیث کی سند واجازت حاصل کریں۔ اس غرض سے کہ اپنے سلسلۂ روایت میں رسول اللہ ﷺ تک زمانی بُعد کم اور سن کو عُلُو حاصل ہو، نیز برکت میں اضافہ ہو۔ چنانچہ آپ کے شاگرد پورے عراق میں ہی نہیں بلکہ دور دراز کے اسلامی ممالک انڈونیشیا، مراکش، الجزائر کے علاوہ ترکی، پاکستان، وغیرہ میں موجود ہیں۔

پاکستان کے علماء ومشائخ اہل سنت سے آپ کے تعلقات میں سے ہے کہ شیخ عبدالکریم مدرس حج وزیارت کے لیے گئے تو مدینہ منورہ میں مقیم معمر عالم وصوفیٔ کبیر مولانا ضیاء الدین سیالکوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) سے روایت حدیث وسلسلہ قادریہ وغیرہ اسلامی علوم میں اجازت وخلافت پائی۔

جامعہ انوار العلوم ملتان میں سابق شیخ الحدیث (حال مقیم گولڑا شریف) وصاحب تصانیف مولانا مشتاق احمد چشتی حفظہ اللہ تعالیٰ (ولادت ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) جب ۱۹۷۳ء کو بغداد حاضر ہوئے تو شیخ عبدالکریم مدرس نے انھیں حدیث پاک کی سند مرحمت فرمائی۔

خانقاہ چشتیہ گولڑا کے سجادہ نشین مولانا سید غلام محی الدین گیلانی المعروف بہ بابو جی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) جب بغداد گئے تو مولانا مشتاق احمد چشتی آپ کے ہمراہ تھے، انھوں نے بابو جی اور شیخ عبدالکریم کے درمیان ایک ملاقات کا ذکر اپنی تصنیف میں ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''مفتی عبدالکریم فقہ شافعی کے بہت بلند پایہ عالم تھے، مدرسہ قادریہ بغداد شریف کے صدر مدرس ہونے کے علاوہ جامع مسجد قادریہ غوثیہ بغداد شریف کے خطیب بھی تھے۔ آپ نے کئی یادگار علمی کتابیں تصنیف فرمائیں، جن سے علمی حلقوں میں استفادہ کیا جاتا ہے۔ یہ کتابیں ۱۹۷۳ء کے سفر بغداد کے دوران قبلہ بابو جی کی خدمت میں پیش کیں''۔۔۔

کراچی یونی ورسٹی میں شعبہ معارف اسلامیہ کے موجودصدر وعربی ماہ نامہ ''الدعوۃ'' کراچی کے سابق ایڈیٹر پروفیسر ڈاکٹر مولانا جلال الدین قادری نوری حفظہ اللہ تعالیٰ (ولادت ۱۹۵۶ء) جب بغداد یونی ورسٹی میں زیر تعلیم رہے تو وہاں آپ کی بھی شاگردی اختیار کی۔

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے سابق شیخ الحدیث وصاحب تصانیف کثیرہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری حفظہ اللہ تعالیٰ (ولادت ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء) نے شیخ عبدالکریم بیارہ سے ۱۴۲۳ھ میں بذریعہ مراسلت جمیع اسلامی علوم میں سند روایت پائی۔

مفتیٔ اعظم عراق وعارف باللہ شیخ عبدالکریم بیارہ مدرس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے احوال وآثار عربی واردو کی حسب ذیل کتب میں مذکور ہیں:

۱ تاریخ علماء بغداد فی القرن الرابع عشر الھجری، شیخ سید یونس بن ابراہیم سامرائی بغدادی، طبع اول ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء، وزارت اوقاف بغداد، صفحہ ۴۴۲ تا ۴۴۳

۲ تتمۃ الاعلام للزرکلی، محمد خیر رمضان یوسف دمشقی، طبع اول ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء، دار ابن حزم بیروت، جلد ۱، صفحہ ۳۱۵ تا ۳۱۷

۳ الجواھر الغالیۃ فی الاَسانید العالیۃ، مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، طبع ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء، ناشر علامہ ممتاز احمد سدیدی ازہری، صفحہ ۳

۴ علماؤنا فی خدمۃ العلم و الدین، شیخ عبدالکریم مدرس، طبع اول ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، دارالحریۃ بغداد، صفحہ ۳۲۲ تا ۳۳۲

۵ معجم المؤلفین العراقیین فی القرن التاسع عشر و العشرین، کورکیس عواد، طبع اول ۱۹۶۹ء، مطبع ارشاد بغداد، جلد ۲، صفحہ ۳۱۴

۶ معجم المؤلفین و الکتاب العراقیین، ڈاکٹر صباح نوری مرزوک، طبع اوّل ۲۰۰۲ء، بیت الحکمت بغداد، جلد ۵، صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۸

۷ موسوعۃ الاعلام العراق فی القرن العشرین، حمید مطبعی، طبع اوّل ۱۹۹۵ء، وزارت اطلاعات وثقافت بغداد، جلد اول، صفحہ ۱۳۲ تا ۱۳۳

۸ ضیائے مہر، سوانح حیات حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانی بابوجی، مولانا مشتاق احمد چشتی، طبع اول ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء، عبدالرحمٰن پرنٹر اسلام آباد، صفحہ ۱۴۸

۹ ماہ نامہ ''اعلیٰ حضرت'' بریلی، شمارہ اپریل ۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۹۵



اخبار دار العلوم

حضرت صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی حاضریٔ مدینہ منورہ اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد ۱۰ رنومبر ۲۰۰۵ء کی شام کو بصیر پور شریف پہنچے، عمائدین شہر اور علماء وطلبہ نے ان کا استقبال کیا۔

دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سالانہ تعطیلات کے بعد ۹ رشوال المکرم کی شام طلبہ کی واپسی ہوئی، ۱۰ رشوال المکرم کو حاضری مکمل ہونے کے بعد حلقۂ درود وسلام ہوا، جب کہ ۱۱ رشوال المکرم/۱۴ رنومبر، بروز پیر تلاوت، قصیدہ بردہ شریف کے منتخب اشعار اور اجتماعی دعا کے ساتھ باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہوا۔ اس موقع پر حضرت قبلہ صاحب زادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے علم، عمل اور اخلاص کے حوالے سے گفتگو فرمائی اور اساتذہ وطلبہ کو محنت سے کام کرنے کی تلقین فرمائی۔ بعد میں طلبہ واساتذہ کو مدنی کھجوروں کا تبرک پیش کیا گیا۔

دار العلوم حنفیہ فریدیہ کے شعبۂ بنات کی تعلیم کا آغاز بھی گیارہ شوال المکرم کو ہوا۔

مولانا قاضی محمد وہاج فیض النصیر قادری، مہتمم جامعہ نوریہ فیض العلوم، وہاڑی کی زونل خطیب اوقاف کے عہدہ پر ڈیرہ اسماعیل خاں میں تقرری ہوئی ہے۔



دعائے صحت

حضرت مولانا ابو العطاء محمد ظہور اللہ نوری مدظلہ العالی گزشتہ کچھ عرصہ سے شدید علیل ہیں، قارئین نور الحبیب، جملہ فضلاء کرام اور وابستگان سے دعائے صحت کی اپیل ہے۔

ایک سفر، جو حاصل حیات بن گیا

ایک منفرد اور صاحب طرز ادیب صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی
کی ایمان افروز اور روح پرور تحریر

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ تمہاری عمر کتنی ہے تو میں بے تکلف کہہ دوں گا "صرف دس دن" --- پوچھنے اور میرا سراپا دیکھنے والے کو یقیناً حیرت ہوگی کہ یہ کیا؟ --- میں اس کی حیرت بھانپ کر وضاحت کروں گا کہ دس دن کا مطلب یہ ہے کہ ۲۱ رنومبر ۹۵ء سے ۳۰ رنومبر ۹۵ء کے وہ شب و روز میرے حاصل حیات ہیں، جو میں نے خانۂ خدا کے صحن اور روضۂ رسول ﷺ کے سائے میں بسر کیے ہیں --- باقی کے ایام عمر بس کٹ گئے ہیں، جن کا حساب رکھنا ضروری نہیں سمجھتا --- عمر عزیز کے چالیس سال، کچھ بچپن کی نذر ہوئے، کچھ لڑکپن میں صرف ہوئے، کچھ عنفوانِ شباب میں کھپ گئے، کچھ کالے حرف پڑھنے میں بسر ہوئے، کچھ باتیں کرنے میں ضائع ہوئے، کچھ قلم چلانے میں استعمال ہوئے، کچھ حصول رزق کا حصہ بنے، کچھ نیند نے اچک لیے، کچھ سفر نے ضائع کر دیے، کچھ غم دوراں نے ہڑپ کر لیے اور کچھ غم جاناں نے کشید کر لیے --- لے دے کے یہی دس روز ہیں، جن کی مہک روح میں رچی ہوئی اور جن کی چمک آنکھوں میں سجی ہوئی ہے، جن کی یاد سے دل بہلاتا اور جن کے تصور سے لطف اٹھاتا ہوں ---

آنکھوں میں کیا خواب سجا کر سرزمین مکہ پر پہلا قدم رکھا اور سینے میں کیا جذبات چھپا کر شہر مدینہ کی خاک بوسی کی --- نہ وہ خواب نوک زبان پر آ سکتے ہیں اور نہ وہ جذبات نوک قلم پر --- شہر مکہ،

جس کے سینے پر خدا کا پہلا گھر ایستادہ ہے، جس گھر کا گارا ذبیح اللہ نے اٹھایا اور جس کی اینٹیں خلیل اللہ نے لگائیں--- یہ شہر کئی انبیاء کا مسکن، مرقد اور مدفن ہے، اس شہر کے کوچہ و بازار کو رحمت کے فرشتے اپنے پروں سے ڈھانپے رکھتے ہیں--- اسی شہر کے نواح میں وہ جبل رحمت ہے جہاں آدم کی توبہ قبول ہوئی، اس کے پہلو میں جبل نور ہے جہاں غار حرا ہے، جس پر ہدایت کی ندا اتری، اسی شہر کے عین قلب میں راحت قلب و جاں، سید و سرور کون و مکاں، سرچشمۂ عشق و ایماں، منبع اذہان و ایقاں، رمز کن فکاں، سیاح لامکاں، زینت عالم امکاں، مخدوم ہر دو جہاں، محورِ نگاہِ قدسیاں، سرورِ سینۂ عاشقاں، امام رسولاں، جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے جنم لیا اور مکے کے ہر ذرۂ خاک کو رشک افلاک بنا دیا---

شہر مکہ، جو روئے زمین پر بہترین شہر اور ارض خاک پر خطۂ پاک ہے--- اسی شہر میں شراب الابرار (زم زم) اور مصلائے اخیار (حطیم) ہے--- یہ شہر معزز مہبط وحی، یہ شہر مکرم منبع قرآن اور یہ شہر معظم مرکز اسلام ہے--- اس شہر مبارک کا کونا کونا عقیدت سے چھانا جا چکا ہے، اس کا گوشہ گوشہ محبت سے چوما جا چکا ہے، اس کا کوچہ کوچہ نگاہِ عشق سے دیکھا جا چکا ہے اور اس کا ذرّہ ذرّہ چوما جا چکا ہے--- اس کی گلیوں میں اولیاء نے ڈیرے لگائے اور اس کے بازاروں میں صلحاء نے بستر لگائے ہیں--- اس شہر کے در و دیوار کو کروڑوں آنکھوں نے چاہت سے دیکھا اور اس کے کوچہ و بازار کو کروڑوں پلکوں نے اپنائیت سے چھوا ہے--- اس کا ہر موڑ نشان ہدایت اور ہر چوک داستان عزیمت ہے---

شہر مکہ، یہ سیدہ آمنہ امینہ کا شہر ہے، جنھوں نے خدا کی امانت اس کے بندوں کے سپرد کی--- یہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شہر ہے، جن کی رفاقت نے رسول خدا ﷺ کو راحت بخشی--- یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شہر ہے، جن کی صداقت نے اسلام کی حقانیت ثابت کی--- یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شہر ہے، جن کی عدالت نے اسلام کو عزت دی--- یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شہر ہے، جن کی سخاوت نے اسلام کو وسعت دی اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شہر ہے، جن کی دانش و حکمت نے اسلام کو نئی جہت ارزاں کی--- اس شہر میں بلال رضی اللہ عنہ اٹھا، جو افق اسلام پر ہلال بن کر چمکا--- اس شہر کا ایک باسی عمار رضی اللہ عنہ تھا، جو کاروان عزیمت کا سالار بنا--- اسی خاک سے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نکلا، جسے زبان نبوت سے ''امین الامۃ'' کا لقب ملا--- اس شہر کے سینے میں ایمان، یقین، وفا، ایثار،

اخلاص کی ہزار ہا داستانیں محفوظ ہیں---

اسی شہر مقدس میں کعبہ ہے، جس پر لپٹا ہوا کالا غلاف بندوں کے گناہوں کی کالک دھونے کا وسیلہ ہے--- اس میں لگا ہوا سیاہ پتھر (حجر اسود) سیاہ کاروں کا مقدر اُجال دیتا ہے--- اس کا دروازہ ''بابِ ملتزم'' کہلاتا ہے، جہاں سے بڑے سے بڑا ملزم بھی بری ہو کر پلٹتا ہے--- اس کی چھت پر میزابِ رحمت ہے، جس سے گرنے والا ہر قطرۂ آب، گناہ گاروں کے لیے ابر شفاعت ہے--- اس گھر میں لگے ہوئے پتھر اگر چہ ان گھڑ اور ٹیڑھے ہیں، لیکن اپنے زائر کو سگھڑ اور سیدھا بنا دیتے ہیں--- یہ گھر بظاہر چھپن فٹ اونچا ہے، مگر اس کی چوٹی عرش معلیٰ سے گھستی ہے اور اگر چہ یہ گھر زمین پر تعمیر ہوا ہے لیکن عرش بریں کا حصہ معلوم ہوتا ہے---

میں شب ۲ بجے مکہ مکرمہ پہنچا اور بیت اللہ اس وقت حاضر ہوا جب فضا پہ ایک سکون تھا، پورے دیارِ مکہ پر نور کی ایک چادر چھائی ہوئی تھی اور موسم میں ایک عجیب سا کیف بسا ہوا تھا، نہ پوچھیے کہ بیت اللہ پر پہلی نظر کس طرح پڑی اور کیا محسوس ہوا؟--- کاش ایسا کیمرہ ہوتا جو وجدان واحساس کی تصویر اتار لیتا--- کاش کوئی مصور ہوتا تو اس منظر کا نقشہ کھینچ لیتا اور کاش کوئی ترجمان ہوتا، جو دل کا احوال بیان کر سکتا---

ہدایت نبوی ﷺ کے مطابق میں حدودِ حرم میں سر اور نظر جھکا کر داخل ہوا تا کہ حرم کی سیڑھیوں پر پہنچ کر اچانک نگاہ اٹھاؤں اور بھرپور انداز میں کعبے پر ڈالوں اور سارا نور دل میں اتار لوں--- سچ کہتا ہوں کہ میں زندگی میں ہر حسین نظارہ بھول سکتا ہوں، رنج وراحت کی ہر ساعت فراموش کر سکتا ہوں، دل لوٹنے اور نظر لبھانے والی ہر کیفیت ذہن سے محو کر سکتا ہوں اور ہر دل آویز اور ذوق پرور نقش دل سے مٹا سکتا ہوں، لیکن وہ لمحے قبر تک یاد رہیں گے کہ جب میرا ساکت وصامت جسم تھا، ایک جگہ پر جمی ہوئی انکھوں کی پتلیاں تھیں، مجسم عجز و نیاز ہاتھ تھے، سینے سے باہر ابلتا ہوا دل تھا، پیش نظر بیت اللہ اور لبوں پر حرف دعا:

میں تھا تری جناب تھی ، دست سوال تھا

عمرہ کے مراسم ادا کرتے ہوئے تسبیح وتہلیل کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی سوچتا رہتا تھا کہ آخر کعبے میں وہ کیا کشش ہے جو ہر نسل، ہر رنگ، ہر زبان اور ہر علاقے کے ہزاروں لاکھوں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے--- صدیاں گزر گئیں، شاہی خانوادے اجڑ گئے، قصر وایوان ویران ہو گئے،

امراء کی حویلیاں خاک اڑانے لگیں، روٴسا کے بنگلے بے رونق ہو گئے، سلاطین کے دربار قصہٴ پارینہ بن گئے، حکمرانوں کی کچہریاں بھولی بسری داستان بن گئیں، مہ رخوں کی محفلیں لٹ گئیں، پری وشوں کی مجلسیں درہم برہم ہو گئیں، معشوقوں کی شمعیں بجھ گئیں اور تاج و تخت والوں کی آخری نشانیاں تک مٹ گئیں، مگر بیت اللہ کا نکھار اپنے جوبن پر رہا--- اس در پر لوگ پیدل بھی آتے رہے اور پہاڑوں کے سنگ لاخ راستے پاٹ کر بھی پہنچتے رہے، افریقہ کے ریگ زاروں سے بھی اہل عشق یہاں پہنچے اور ملایا اور انڈونیشیا کے جزیروں سے بھی--- نہ مسافت آڑے آئی، نہ سفر کی کلفت رکاوٹ بنی اور نہ کسی کی غربت حائل ہوئی--- آتش عشق برابر سلگتی رہی اور شعلہٴ شوق دم بدم بھڑکتا رہا---

میں نے محسوس کیا کہ زائرین جب ملتزم سے لپٹتے ہیں اور جس طرح بلکتے ہیں، یوں لگتا ہے کہ برسوں کا بچھڑا بچہ ماں کی گود میں آ گیا ہے اور شائقین یوں حجر اسود سے چمٹتے ہیں اور اسے اس طرح چومتے ہیں کہ باپ اکلوتی اولاد سے بھی یوں نہیں لپٹا ہو گا--- پروانوں کا شمع کے گرد طواف تو ایک استعارہ ہے، حقیقی نظارہ تو مطاف کعبہ میں دکھائی پڑتا ہے---

صفا و مروہ کی سعی بھی ایک داستانِ محبت و عقیدت کی یادگار ہے، جسے قدرت نے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا ہے--- میں غار حرا پر بھی حاضر ہوا، اگرچہ دور سے زیارت کی، لیکن یہ حیرت رہی کہ انسانیت کا غم خوار نبی، انسان کی ہدایت کے لیے کتنی صعوبتیں برداشت کرتا رہا--- اس غار تک پہنچنا ایک امتحان ہے، کجا کہ اس میں کئی دن اور راتوں کی گزران!---

اہل قلب و نظر نے غار حرا کے متعلق کتنی عرفان آمیز اور وجدان انگیز بات کی ہے کہ جس شخص کو اس غار میں پہنچنے کی سعادت مل جائے، اسے چاہیے کہ وہ اس میں ڈوب جائے، اس میں کھو جائے، اس لیے کہ مکہ اور مضافات مکہ کا ہر گوشہ تغیر زمانہ کی زد میں آیا ہے، جھونپڑیوں کی جگہ محل، پگڈنڈیوں کی جگہ کولتار سڑکیں، کوچوں کی جگہ بازار، خیموں کی جگہ پلازے اور پہاڑیوں کی جگہ شاپنگ سنٹر بن چکے ہیں، مگر غار حرا کا اندرون آج بھی وہی ہے اور اتنا ہے اور ویسا ہے جیسا عہد رسالت مآب ﷺ میں تھا--- غار حرا کا کوئی حصہ ایسا نہیں جس پر وجود نبوت کا لمس نہ ہو، خواہ اس کا فرش ہو، چھت ہو یا دیوار ہو، نگاہیں بینا ہوں تو وہ منظر آج بھی دیکھ سکتی ہیں، کان بیدار ہوں تو آوازِ نبوت سن سکتے ہیں، مشام حس رکھتے ہوں تو خوشبوئے پیکر رسالت سونگھ سکتے ہیں اور وجدان زندہ ہو تو چودہ صدیاں قبل کا سارا کیف کشید کر سکتا ہے--- میں ۲۱ نومبر، منگل کو مکہ مکرمہ

پہنچا تھا، ۲۵ رنومبر، بروز ہفتہ شہر نبی ﷺ حاضری کا عزم تھا---

نماز عصر سے کچھ پہلے جب مضافات مدینہ پہنچے اور دور سے گنبد خضریٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نظر آیا تو دل کی دھڑکن دفعۃً تیز ہوگئی، پتلیاں جم کر رہ گئیں اور لبوں پر نغمۂ درود جاری ہوگیا--- صدیوں کے ذہنی، روحانی سفر کا حاصل آنکھوں کے سامنے تھا---

پاکستان ہاؤس میں سامان رکھا اور مغرب کے وقت دربارِ نبوت میں حاضری دی--- سرزمین مدینہ پر قدم رکھتے ہی احساس یہ ہوا کہ یہ محض خطۂ زمین نہیں، سجدہ گاہ عشاق ہے--- یہی وہ شہر ہے جس کے ذرّے ذرّے میں عشق و مستی کے خزینے مستور ہیں--- اس شہر کو مکہ معظمہ کے بعد دنیا کے تمام شہروں پر فضیلت حاصل ہے--- اس شہر کا اصل مکین وہ ہے جس کی پابوسی کا شرف عرش بریں بھی حاصل کرنا چاہتا ہے--- یہ شہر اپنے مقدر پر جتنا بھی ناز کرے، اتنا کم ہے کہ اس کی آغوش میں تا قیامت رسول خدا ﷺ آرام فرما ہیں---

یہ شہر اس سے پہلے ''یثرب'' تھا، بیماریوں اور وباؤں کا مرکز، لیکن پیغمبر امن وسلامتی اور نبی رحمت نے اسے ''مدینہ طیبہ'' بنا دیا اور اسی شہر کا ایک گوشہ وہ ہے جہاں درگاہ نبی ہے، جہاں قبۃ الخضراء ہے اور جہاں روضۂ رسول ہے--- اس دربار میں کتنے کج کلاہ حاضر ہوئے مگر گدا بن کر اور کتنے صلحاء آئے مگر خاک پا ہوکر--- یہاں تعظیم کی خاطر آنکھیں بے اختیار جھک اور گردنیں بے ساختہ خم ہوجاتی ہیں--- یہی وہ دربار ہے جس کے حاضر باشوں میں کبھی ابوبکر و عمر اور عثمان و علی تھے--- وہ کیا منظر ہوتا ہوگا جب اس شہر کے در و دیوار آوازِ رسالت سے گونجتے اور کوچہ و بازار خوشبوئے نبوت سے مہکتے ہوں گے--- جب اس شہر کی مسجد کے مصلّٰی پر امام کائنات ﷺ کھڑے ہوتے ہوں گے اور مقتدیوں میں خلفاء راشدین، بلال و خالد، عثمان بن مظعون اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم شامل ہوتے ہوں گے---

جب میں دربار مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہوا، تو یقین جانیے سانس گھٹ کر اور دل کی دھڑکن بے نام ہوکر رہ گئی--- میں نے ایوانِ صدر بھی دیکھا ہے، وزیر اعظم ہاؤس بھی گیا ہوں، گورنر ہاؤس میں چائے بھی پی ہے، وزیر اعلیٰ ہاؤس میں بیٹھ کر گپ شپ بھی کی ہے، رضا شاہ پہلوی کے قصر سعد آباد (تہران) میں بھی گھوما پھرا ہوں، لندن کا بکنگھم پیلس بھی وزٹ کیا ہے، مجھے ظاہر شاہ (افغانستان) کا محل دیکھنے کا موقع بھی ملا ہے، مگر ان تمام جگہوں کو حیرت سے تو دیکھا ہے، عقیدت

سے نہیں، حسرت سے تو دیکھا ہے محبت سے نہیں --- یہ بہت عالی شان سہی لیکن ان کی عظمت اس جگہ جتنی بھی نہیں جہاں حضور ﷺ اپنے مبارک نعلین اتارا کرتے تھے --- ان محلات کے بیش قیمت قالین اس بوسیدہ چٹائی کے ایک تنکے کے برابر بھی نہیں، جس پر والیٔ کونین تشریف رکھتے تھے --- ان شاہی بنگلوں میں آویزاں فانوسوں میں وہ چمک کہاں جو جاروب کشی کے دوران جمع ہونے والے صحن حرم نبوی کے ذرات خاک میں دکھائی دیتی ہے --- سلاطین کی ان حویلیوں کی نظافت و نفاست اپنی جگہ، لیکن ان میں وہ پاکیزگی کہاں جو نعلین نبی ﷺ کے تلووں پر لگی ہوئی خاک میں تھی --- مواجہہ شریف میں حاضری کے وقت میری آنکھوں کے سامنے امام مالک رضی اللہ عنہ گھوم رہے تھے، جنھوں نے بیس برس روضۂ اقدس کی چھاؤں میں بیٹھ کر درس حدیث دیا، مگر کتاب کا ورق اس آہستگی سے پلٹتے تھے کہ آواز نہ آتی، مبادا کہ حضور کے آرام میں خلل آجائے --- میں جتنی بار مواجہہ شریف میں حاضر ہوا، اس وقت بھی اور آج تک یہی احساس ہے کہ ایک سہانا خواب تھا، جو میں نے دیکھا --- مجھے اپنے آپ پر، اپنے وجود پر، اپنی حاضری پر اعتبار نہیں آرہا تھا کہ فی الواقع میں اس وقت وہاں حاضر ہوں، جہاں مجھ جیسا روسیاہ حاضری کی آرزو تو کرسکتا ہے، لیکن وہاں کی موجودگی پر یقین نہیں کرسکتا --- کہاں میں اور کہاں درِ نبوت؟ --- یہی تو وہ جگہ ہے، جو عرش سے نازک تر ہے اور جہاں جنید و بایزید دم کشیدہ حاضر ہوتے ہیں --- میں جتنی دیر وہاں رہا، گم رہا، نہ اپنی خبر نہ گرد و پیش کی خبر، ایک سکتے کا عالم تھا، جو طاری رہا، رویا اس لیے نہیں کہ مبادا سسکی نکل جائے اور آواز اٹھ جائے اور کیا دھرا اکارت چلا جائے، جھولی بھی نہیں پھیلائی کہ یہاں بن مانگے سب کچھ مل جاتا ہے، صدا بھی نہیں لگائی، اس لیے کہ درِ حضور ﷺ پر پلکوں سے دستک دے رہا تھا --- یہ کیفیت کتنی دیر رہی؟ --- لمحوں کا حساب تو نہیں رکھا، البتہ اسے زندگانی کا حاصل ضرور سمجھا ہے ---

اس سفر سعادت کے دوران میں مسجد قبا، مسجد ذوالقبلتین، مساجد سبعہ اور شہدائے احد رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی حاضری دی، جنت البقیع میں مدفون پاک روحوں کو بھی ایصال ثواب کیا --- جس جگہ بھی گیا، یہ احساس دماغ پر غالب رہا کہ حضور ﷺ کی ذات بھی کیا باکمال ہستی ہے، جس جگہ قدم رکھا، اسے یادگار بنا دیا، جس چیز کو ہاتھ لگایا، اسے زیارت گاہ بنا دیا، جس پر نظر ڈالی، اسے مرکز نگاہِ عشاق بنا دیا، جس کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا، اسے تاریخ کا معتبر اور مقدس حوالہ بنا دیا اور جس گوشے کو اپنی طرف نسبت دے دی، اسے لازوال شرف بخش دیا ---

اس تاثر کا اظہار بہر حال ضروری سمجھتا ہوں کہ سعودی حکومت نے جس بھی بے محل جوش اور غیر ضروری مصلحت کے تحت مقدس اور تاریخی آثار مٹائے ہیں، نہ تو روحانی شعور کا مظاہرہ کیا ہے، نہ اپنی دانش کا کوئی اچھا نمونہ پیش کیا ہے اور نہ ہی تاریخ کے ارتقائی سفر کے ساتھ انصاف کیا ہے--- بلاشبہ مقدس مقامات کے معاملہ میں لوگوں نے مبالغے سے کام لیا، مگر اس کا علاج یہ نہیں تھا جو کیا گیا--- لوگوں کی جہالت کا ازالہ بڑی حکمت کے ساتھ کیا جاتا، نہ کہ اس بڑی حماقت کا مظاہرہ کیا جاتا--- آج دنیا اربوں ڈالر صرف اس پر خرچ کر رہی ہے کہ وہ کھنڈرات کو کھود کر تاریخ و تہذیب کے آثار برآمد کرے تاکہ تمدنی ارتقاء کے مدارج معلوم اور اپنی قوم کے منزل بہ منزل سفر کا مطالعہ کر سکے، رہن سہن کا جائزہ لے اور علمی و فکری اور ذہنی، تہذیبی حوالے ڈھونڈ سکے، مگر یہ کیا کہ اہل عرب نے اپنی اصلی اور واقعی شکل میں موجود وہ آثار مٹا دیے جو عرب کی حیات نو اور تاریخ کے جلیل القدر سفر کی مستند نشانیاں تھیں--- جزیرۃ العرب سے اگر کعبہ، منیٰ، صفا و مروہ، مزدلفہ، عرفات، دار ارقم، جبل رحمت، جبل نور، غار حرا، غار ثور، میدان بدر و احد، مسجد قبا، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر، جنت البقیع، مسجد نبوی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکال دیا جائے تو اس کے پاس باقی کیا کچھ رہ جاتا ہے، جس پر وہ ناز کر سکے اور جس سے وہ اقوام عالم میں اپنی شناخت کرا سکے--- جزیرۃ العرب اور اہل عرب کی ساری شان تو انہی آثار کے دم قدم سے ہے، ورنہ کسی کو کیا پڑی ہے کہ وہ ملکوں ملکوں سے احرام باندھ کر یہاں پہنچے؟--- یہ اماکن و آثار نہ ہوں تو کیا کوئی عرب کی ریگ زاروں کی صرف ریگ و خاک پھانکنے کے لیے ارجھٹر مار کر آئے گا؟---

محمد عربی سے ہے عالم عربی

جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں آئے تھے، مکہ بتوں کا شہر تھا، ظالموں کا مسکن تھا، ابولہبوں اور ابوجہلوں کا نگر تھا اور توہمات و خرافات کا مرکز تھا--- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کعبے کو اس کی عظمت رفتہ لوٹائی اور اسے دوبارہ خدا کے گھر کی شان بخشی اور اس گھر کو خدائی بندگی کے لیے پاک اور خالص بنا دیا--- اسی طرح اردگرد کے غار محض مہیب اور خوف ناک کھوہیں تھیں اور پہاڑوں کی چوٹیاں محض ٹیلے--- مشرکین مراسم حج ادا کرتے تھے مگر اظہار بندگی کے لیے محض قبائلی رواج کے طور پر، کوئی تقدس ان کے ذہن میں ہوتا تو کعبہ بتوں سے بھرا ہوا نہ ہوتا--- قربانی کے جانوروں کا

خون دیوار اور غلاف کعبہ پر نہ لتھیڑا جاتا، ننگ دھڑنگ ہو کر طواف نہ کیا جاتا، سرداروں کے مزدلفہ میں قیام کو کسرِ شان نہ سمجھا جاتا--- یہ سید عالم ﷺ ہیں، جن کی ولادت، بعثت، دعوت اور استقامت نے شہر مکہ کو ایمان و نور کا بقعہ بنا دیا اور اب یہ قیامت تک ایسا ہی رہے گا--- یہی حال مدینے اور اس کے گرد و نواح کا ہے، یثرب کو مدینہ منورہ کس نے بنایا؟---

ظاہر ہے حضور ﷺ کے وہاں نزول اجلال سے ایسا ہوا، ورنہ اس سے پہلے مدینے کو کون جانتا تھا اور کسی کو جاننے کی ضرورت بھی کیا تھی؟--- کوہِ اُحد صدیوں سے وہیں ایستادہ تھا مگر پہچان سے محروم، میدان بدر بھی برسوں سے موجود، مگر شناخت نابود!---

کروڑوں درود و سلام اس رسول السلام پر، جس نے مدینے کو ایک مقدس مقام عطا کر دیا--- شہر مدینہ اور ساکنان مدینہ ہزار بار جنم لے کر بھی اپنے محسن اعظم کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے، جس کے قدوم میمنت لزوم نے ایک قریۂ بے نام کو بقائے دوام اور شہرت تمام بخش دی---

کاش میں عرب کا حکمران ہوتا تو میں شہر مکہ اور شہر مدینہ دونوں کو ان کی اصلی حالت میں محفوظ کر لیتا اور ان کے ارد گرد مضبوط اور بالا فصیل کھڑی کر دیتا اور دونوں شہروں کے باسیوں کے لیے متبادل اور خوب صورت مکانات مہیا کر دیتا--- یہ سب کچھ اس لیے کرتا کہ دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ پاتی کہ ایک عالم کی تقدیر بدلنے والی شخصیت نے کتنی چھوٹی اور کچی جگہ جنم لیا تھا--- حجرۂ عائشہ محفوظ ہو جاتا تا کہ لوگ شاہِ شرق و غرب ﷺ اور دس لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی حکومت کے سربراہ کی بود و باش کا اندازہ کر سکتے--- وہ گلیاں، وہ بازار، وہ کوچے، وہ روشیں سب کچھ محفوظ کر لیتا، جن میں کبھی حضور ﷺ کا گزر ہوا، جہاں سے آپ ﷺ نے کچھ خریدا، جن میں کبھی آپ تشریف لے گئے اور جن پر کبھی آپ چلے--- وہ مسجد نبوی بھی اپنی اصلی حالت میں رہتی جس کی چھت کھجور کے چھالوں کی تھی، جس کی دیواریں کچی تھیں اور جس کے فرش بارش کے دوران کیچڑ سے اٹ جاتے تھے--- مگر اسی مسجد میں جبریل امین علیہ السلام کا نزول و ورود ہوتا، اسی مسجد میں مخدوم کون و مکان ﷺ سجدہ ریز ہوئے، اسی مسجد میں بیٹھ کر کسریٰ کی سلطنت کے پرزے اڑنے کی زبان نبوت سے خبر دی گئی اور یہی مسجد ساٹھ لاکھ مربع میل پر محیط اسلامی ریاست کا مرکز قرار پائی--- کاش! میں ایسا کر سکتا---



کچھ
بیاں
اپنا

موت العالم موت العالم

موت ایک اٹل حقیقت ہے، جس سے مفر ممکن نہیں --- اس دنیائے ہست و بود میں جو آیا، اسے دار فنا سے دار بقا کی طرف بہر حال سفر کرنا ہے:

ہر آں کہ زاد بہ ناچار بایدش نوشید
زجامِ دہر مئے "کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ"

جانے روزانہ کتنے ہی مسافر عالم آخرت کی طرف روانہ ہوتے ہیں، تاہم ان میں کچھ ایسے افراد بھی ہوتے ہیں، جن کی رحلت کسی ایک فرد یا خاندان کے لیے نہیں بلکہ پوری ملت کے لیے کسی عظیم سانحے سے کم نہیں ہوتی --- موت العالم موت العالم

گزشتہ چند برسوں میں بزم علم و دانش کی کتنی ہی جلیل القدر شخصیتیں ایک ایک کر کے داغ مفارقت دے گئیں --- ان کی رحلت سے علم و فضل کی محفل سونی ہو کر رہ گئی تھی، مگر پچھلے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى لَهٗ

ڈیڑھ دو ماہ سے عالم آخرت کی طرف سفر کرنے والے علماء وصلحاء کی گویا ایک لائن لگ گئی ہے---

فضیلۃ الشیخ سید محمد علوی مالکی مکہ مکرمہ، شیخ الحدیث علامہ محمد نواز نقشبندی گوجرانوالا، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی کے صاحب زادے مفتی محمد اقتدار خاں، صوبہ سرحد کے نامور عالم دین پیر سید محمد امیر شاہ گیلانی المعروف مولوی جی، استاذ العلماء مفتی محمد اجمل عارف والا، مولانا پیر محمد حسن کندووال وغیرہ--- ان اساطین علم وفضل کی رحلت پر دل و دماغ متاثر اور آنکھیں اشک بار ہیں--- سچ تو یہ ہے کہ اب اظہار غم کی سکت اور تعزیت کا یارا بھی نہیں:

اب یاد رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی

یاروں نے اتنی دور بسائی ہیں بستیاں

کس کس کا تذکرہ کریں اور نوک خامہ کس کس کے لیے خوں چکاں ہو:

کہاں کہاں دل صد چاک اشک خوں روئے

دبے ہیں سیکڑوں افلاک ان زمینوں میں

جانے والے بڑی تیزی سے منزل کی طرف رواں دواں ہیں اور اپنے پیچھے ایسا مہیب خلا چھوڑ کر جا رہے ہیں جس کے پُر ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی--- بہر حال "مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ" کے مصداق سوائے صبر و تسلیم کے کوئی چارہ نہیں اور ہم وہی کہتے ہیں جس کا ہمیں حکم ہے:

انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون

فضیلۃ الشیخ دکتور سید محمد علوی مالکی حسنی

سرو قد، سفید رنگت، خوب صورت، سیاہ آنکھیں، کشادہ جبین، سلیقے اور قرینے کی داڑھی، زبان صاف اور شستہ، جیسے کوثر و تسنیم سے دھلی ہو، اجلا، بے داغ اور سفید و براق لباس، سر پر سفید عمامہ، جلال و جمال کا حسین امتزاج، متانت و سنجیدگی کا پیکر دل نواز، فکر و دانش میں ممتاز، عالمانہ وقار، بزرگانہ اطوار، مجسمۂ زہد و ایثار، مجاہدانہ کردار، خوش گفتار، حسین صورت، لطیف سیرت، جامع شرافت، سراپا خیر و برکت، علوم مذہبی میں دست گاہ، علوم عصری سے آگاہ، تقریر و تحریر میں یکہ و طاق، زَادَهُ اللّٰهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ کے مصداق--- یہ تھے عالم عرب کے

نام ورعالم دین فضیلۃ الشیخ سید محمد علوی مالکی قدس سرہ العزیز:

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد

بہ رنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

موصوف کا شمار عالم اسلام کے ان چند چیدہ و برگزیدہ افراد میں ہوتا ہے جو اپنے علم وفضل، تحقیق وکاوش اور وسعت فکر ونظر کی بنا پر امت مسلمہ کے دلوں کی دھڑکن اور مرجع عقیدت ومحبت تھے--- علامہ محمد علوی مالکی، حسنی سید تھے، آپ کا خاندان علم وفضل کا امین چلا آ رہا ہے، اور سال ہا سال سے مسجد حرام میں درس وتدریس، خطابت اور علم حدیث وعلوم دینیہ کی ترویج واشاعت کی خدمات سرانجام دیتا رہا--- علامہ محمد علوی مالکی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے، انہوں نے فن حدیث میں جامعہ ازہر سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، طویل عرصہ تک مسجد حرام میں اپنے والد گرامی کے مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوکر درس حدیث دیتے رہے--- نداء الاسلام ریڈیو سے بھی آپ کے لیکچرز نشر ہوتے رہے--- اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی وجاہت اور محبوبیت سے نوازا تھا، علمی حلقوں خصوصاً نوجوانوں میں بڑے مقبول تھے، عرب دنیا کے بعض علماء نے آپ کو اس صدی کا مجدد قرار دیا ہے---

احقر کو آپ سے عرصہ دراز سے نیاز حاصل تھا، سنہ تو ٹھیک سے یاد نہیں لیکن اتنی بات یقینی ہے کہ پہلے پہل مدینہ منورہ میں شیخ عادل عزام کے ہاں ایک محفل ذکر میں آپ کی زیارت اور خطاب سننے کا موقع ملا، تب کھلا کہ وہاں آپ کا خطاب کتنا مقبول اور کس والہانہ انداز میں سنا جاتا ہے--- اس کے بعد کئی مرتبہ آپ کی زیارت سے مستفیض ہوتا رہا--- رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ میں بعد مغرب حرم نبوی میں صفہ کے مقام پر ان سے ملاقات ہوئی تو اپنے ہاں لے گئے اور معقول ومنقول اور فروع واصول میں اپنی تمام مرویات اور مسلسلات کی تحریری اجازت سے نوازا اور اس وقت تک کی اپنی تمام دستیاب تصانیف کا ایک سیٹ عنایت فرمایا--- آپ کو اپنے والد گرامی سید علوی بن عباس علیہ الرحمہ کے علاوہ متعدد جلیل القدر ائمہ ومحدثین سے اجازت حاصل تھی---

آپ نے قرآن، حدیث، فقہ، اصول، تصوف، سیرت، تاریخ وغیرہ موضوعات پر پچاس سے زائد کتب تصنیف کیں، جن میں O...... **محمد ﷺ الانسان الکامل** O...... **مفاهيم يجب ان تصحح** O...... **شرف الامة المحمدية** O...... **شريعة الله**

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى لَهٗ

الخالدة O......فی رحاب البیت الحرام O......حول الاحتفال بالمولد النبوی O......تاریخ الحوادث و الاحوال النبویة بطور خاص قابل ذکر ہیں---
مفاہیم میں اہل سنت و جماعت کے عقائد و معمولات کو قرآن و سنت کے دلائل سے ثابت کیا ہے، اس کتاب کا رواں دواں ترجمہ مارکیٹ میں دستیاب ہے---

بلاشبہ آپ جلیل القدر عالم دین، ژرف نگاہ محقق، صاحب طرز مصنف، تجربہ کار مدرس، بلند پایہ مقرر، عظیم مفکر، متبحر استاذ، نکتہ رس فقیہ، صاحب بصیرت مرشد و مربی، مرجع خلائق اور قائد و رہنما تھے--- موصوف وسعت نظر، وسعت علم، وسعت ظرف، وسعت مطالعہ، ذکاوت طبع، رسوخ فی العلم والعمل میں اپنی نظیر آپ تھے--- وہ نجابت و سعادت اور شرافت و وجاہت کے مجسمہ تھے، ابن الفزاری کا یہ شعر ان پر کتنا صادق آتا ہے:

کان الثریا علقت فی جبینه
و فی خده الشعریٰ و فی وجهه القمر

وہ علمی کاموں پر بہت خوش ہوتے--- سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے فقہی شاہکار فتاوٰی نوریہ کے بارے میں تفصیلات جان کر بے حد مسرور ہوئے اور اسے وقت کی اہم ترین ضرورت قرار دیا---

۱۵ رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ کو اپنے آبائی شہر مکہ مکرمہ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے--- یہ خبر علمی حلقوں میں شدید رنج و غم سے سنی گئی--- اہل علم نے آپ کی رحلت کو ملت اسلامیہ کے لیے ایک عظیم سانحہ قرار دیا ہے--- احقر نے مدینہ منورہ میں آپ کے وصال کی خبر سنی تو ایک سکتے کی کیفیت طاری ہو گئی، دل و دماغ ماؤف ہو کر رہ گئے--- ان کا وجود باجود اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت تھا--- ان کی موت علم و عرفان اور تحقیق و کاوش کی موت اور آبروئے فضل و دانش کا سانحہ ہے--- وہ کیا گئے کہ علم و فضل، حلم و وقار، نظافت و طہارت اور حمیت و غیرت سب کو اپنے ساتھ لے گئے:

رفتم و از رفتن من عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

بعض عینی شاہدوں نے ان کے جنازے کے عظیم اجتماع اور جذباتی مناظر کی روداد سنائی کہ اس موقع پر نوجوان ڈھاریں مار مار کر رو رہے تھے اور جانے کتنے ہی محبین ہوش و حواس کھو بیٹھے--- آپ کا وصال پوری ملت اسلامیہ، خصوصاً اہل سنت و جماعت کے لیے عظیم سانحہ ہے،

ان کی رحلت سے اہل سنت یتیم و بے سہارا ہو کر رہ گئے ہیں:

ما کان قیس هلکه هلک واحد

لٰکنه بنیان قوم تهدما

اللہ تعالیٰ جل و علا مرحوم کی دینی و ملی خدمات جلیلہ کو شرف قبول بخشتے ہوئے انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور اہل خانہ اور جملہ محبین و معتقدین کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ محمد و آلہ و اصحٰبہ اجمعین

استاذ العلماء حضرت مفتی محمد اجمل رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۷ رنومبر ۲۰۰۴ء (۵ رشوال المکرم ۱۴۲۵ھ) کو سفر مقدس سے واپسی پر پونے آٹھ بجے شب کراچی سے بصیر پور شریف کے لیے روانہ ہوئے تو موبائل فون پر حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی اچانک رحلت کی جاں کاہ خبر سنی تو دم بخود رہ گیا--- گزشتہ سال ۹ رشوال المکرم کو استاذ العلماء محقق ابن محقق حضرت علامہ ابو الفیضان محمد عبد الرحمٰن نوری علیہ الرحمہ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا اور ابھی ایک سال مکمل نہیں ہوا تھا کہ ان کے چچا زاد بھائی حضرت مفتی صاحب بھی راہی ملک بقا ہو گئے، شاید ان دونوں کی عمروں میں بھی اسی قدر فرق تھا کہ مولانا محمد عبد الرحمٰن کوئی سال بھر ان سے بڑے تھے--- ان دونوں حضرات کے والد سیدی و مولائی حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کے ارشد تلامذہ و خلفاء میں سے تھے اور تبحر علمی کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھے--- حضرت مفتی صاحب کے والد گرامی ضیاء العلماء حضرت علامہ ابو الضیاء محمد باقر نوری علیہ الرحمہ المعروف صدر صاحب کو یوں تو جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ پر عبور حاصل تھا مگر فلسفہ، ہیأۃ اور عربی ادب میں ممتاز تھے، جب کہ ان کے برادر اصغر حضرت علامہ ابو الحقائق محمد رمضان المحقق النوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اوائل عمر میں منطق و فلسفہ کی جانب قدرے زیادہ مائل تھے مگر حیات ظاہری کے آخری بیس پچیس برسوں میں قرآن، حدیث، فقہ، اسماء الرجال اور تصوف و طریقت میں انہماک کی بنا پر یگانۂ روزگار کی حیثیت اختیار کر چکے تھے--- یہ دونوں جلیل القدر عالم دین اور حقیقی بھائی بھی چند مہینوں کے وقفے کے ساتھ یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہوئے تھے--- انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون

حضرت علامہ مفتی محمد اجمل علیہ الرحمہ نے پرائمری تک کی تعلیم دار العلوم حنفیہ فریدیہ میں

ماسٹر چودھری غلام محمد نوری جالندھری مرحوم سے حاصل کی (تب دارالعلوم کا پرائمری شعبہ دارالجدید میں قائم تھا) گورنمنٹ سکول میں مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد دارالعلوم حنفیہ فریدیہ میں داخلہ لیا اور فارسی سے دورہ حدیث تک تمام تعلیم یہیں حاصل کی--- ازاں بعد کم و بیش ۱۹ سال تک اپنی مادر علمی میں منصب تدریس پر فائز رہے---موصوف جید عالم دین، قابل مدرس اور ژرف نگاہ مفتی تھے، گزشتہ ایک عشرہ سے عارف والا میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے---وہ صاحب علم و فضل اور عابد و صالح انسان تھے---۱۷ نومبر کی شام، عشاء کی اذان سے چند منٹ قبل اچانک اپنے خالق و مالک کے حضور حاضر ہو گئے---انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

ان کی عمر باون برس کے لگ بھگ تھی، قحط الرجال کے اس دور میں ان کا وجود بسا غنیمت تھا---اللہ تعالیٰ جل وعلا مرحوم کی مغفرت فرما کر انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے، اہل خانہ اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور ان کے صاحب زادے (جو ابھی دو سال قبل فارغ التحصیل ہوئے ہیں) کو ان کا صحیح جانشین بنائے۔

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس صلی اللّٰہ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

مولانا پیر محمد حسن چشتی

موصوف دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے قدیم اور اولین فضلاء میں سے تھے---سیدی فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کے تلمیذ رشید اور ان کے انتہائی مخلص عقیدت مند تھے---کندووال حجرہ شاہ مقیم میں عرصہ دراز سے دینی خدمات سرانجام دے رہے تھے---۷ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ کو ان کا وصال ہوا---اللّٰھم اغفر لہ و ارحمہ و ارفع درجتہ فی اعلیٰ علیین

استاذ الحفاظ قاری غلام رسول نوری

حضرت قاری صاحب سال ہا سال دارالعلوم حنفیہ فریدیہ کے شعبۂ حفظ القرآن کے صدر مدرس رہے، جہاں سیکڑوں حفاظ ان سے مستفید ہوتے رہے--- بڑے وجیہ اور دبنگ انسان تھے، حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کے مرید و جاں نثار اور ادارہ کے مخلص استاذ تھے--- دس پندرہ سال سے لندن میں مقیم رہ کر بچوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے رہے--- چند سالوں سے

گونا گوں امراض میں مبتلا ہو کر صاحب فراش تھے اور لندن سے بصیر پور منتقل ہو گئے تھے---
۲۳ رمضان المبارک کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے---انا للہ و انا الیہ راجعون

مولانا چودھری عبد الرحمن صاحب (39/S.P) کی والدہ محترمہ

چودھری صاحب کی والدہ محترمہ، عمدۃ الاتقیاء حضرت علامہ حافظ محمد فیض الرحمٰن کوثر علیہ الرحمہ کی بڑی ہمشیر اور صاحب زادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری وا خوانہ کی پھوپھی صاحبہ بھی رمضان المبارک میں اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گئیں، موصوفہ نہایت عابدہ، زاہدہ، صالحہ خاتون تھیں، انہیں رابعۂ عصر کہا جائے تو مبالغہ نہ ہو گا--- مدینہ منورہ ہی میں ہمیں خبر وصال پہنچی تو حرم نبوی میں ان کے لیے ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا--- اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کی اولاد اور پس ماندگاں کو صبر جمیل کے ساتھ ساتھ نیکی و تقویٰ کے راستے پر گامزن رکھے---

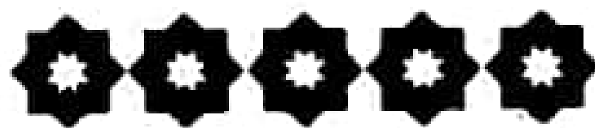
یارب کسی کو صدمۂ نور نظر نہ ہو

فیض ملت حضرت علامہ فیض احمد اویسی دامت برکاتہم العالیہ کے جواں سال عالم و فاضل صاحب زادے مفتی محمد صالح اویسی بھی رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ایک ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہو گئے--- حضرت فیض ملت کو پیرانہ سالی میں یہ عظیم صدمہ پہنچا، اللہ تعالیٰ جل و علا مرحوم کی مغفرت فرما کر جنت الفروس میں بلند مقام سے نوازے اور ان کے جملہ اہل خانہ اور متعلقین کو صبر جمیل ارزانی فرمائے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین

بصیر پور شریف
۳۰ نومبر ۲۰۰۴ء

(صاحب زادہ) محمد محب اللہ نوری
مدیر اعلیٰ ماہنامہ نور الحبیب



تمنائے حضوری

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
جشن میلاد پیمبر کا مہینہ ہوتا
یا مدینے میں شجر کاری کا ہوتا موسم
یا مدینے میں زرِ خاکِ مدینہ ہوتا

OOO

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
صرف سرکار کا اک نام ہی کافی ہوتا
آل و اصحاب پہ ہر روز میں لکھتا کالم
نبوی عہد کا خوش بخت صحافی ہوتا

OOO

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
بولہب کی میں وہ اک لونڈی ثویبہ ہوتا
جشن میلاد کے صدقے میں رہائی ملتی
جشن میلاد کی تاریخ کا حصہ ہوتا

OOO

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
وقت ہجرت میں کسی پیڑ کا سایہ ہوتا
ان کے قدموں میں لٹا دیتا میں ساری ٹھنڈک
ام معبد کے پڑاؤ پہ بھی چھایا ہوتا

OOO

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
میں حلیمہ کی وہ تاریک سی کٹیا ہوتا
جس میں سرکار کو اکثر وہ لٹایا کرتی
جس میں سرکار کے آنے سے اجالا ہوتا

OOO

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
شہر سرکار کا میں ایک بھکاری ہوتا
یا مدینے کے در و بام کا ہوتا پتھر
یا مدینے کے مکینوں کی سواری ہوتا

OOO

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
ان کے بچپن میں قدم بوسی کا حیلہ ہوتا
پاؤں رکھ رکھ کے گھروندے وہ بنایا کرتے
میں خنک ریت کا بے نام سا ٹیلہ ہوتا

مجھ کو ہونا ہی اگر تھا تو مرے رب کریم
ان کی چوکھٹ پہ بچھا ایک بچھونا ہوتا
دست بوسی سے کبھی مجھ کو نہ فرصت ملتی
شہر سرکار کے بچوں کا کھلونا ہوتا

ریاض حسین چودھری



حضرت علامہ حافظ قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری رضوی

علامہ شاہ تراب الحق قادری
امیر جماعت اہل سنت پاکستان

تحریک پاکستان میں علماء ومشائخ اور صوفیہ کرام نے نمایاں کردار ادا کیا، علماء ومشائخ اہل سنت نے جناب محمد علی جناح کی قیادت میں برصغیر میں مسلمانوں کی سب سے بڑی سیاسی جماعت مسلم لیگ کے ہاتھ مضبوط کر کے قیام پاکستان کے لیے راہ ہموار کی اور بالآخر ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کی پہلی اور نظریاتی اسلامی مملکت کے طور پر دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوا۔ آفتاب ولایت پیر طریقت حضرت علامہ مولانا قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری رضوی علیہ الرحمہ کا شمار بھی ایسی ہی محترم ومقدس ہستیوں میں ہوتا ہے، جنھوں نے تحریک پاکستان اور اشاعت اسلام، نیز روحانی اور اخلاقی اقدار کے فروغ میں ان تھک جدوجہد کی۔ قاری صاحب علماء کرام میں اپنا منفرد اور بے مثال مقام رکھتے تھے، آپ سچے عاشق رسول ﷺ اور صاحب کمال دینی وروحانی بزرگ تھے۔ دین اسلام کی ترویج واشاعت اور عقائد اہل سنت کی سربلندی کے لیے آپ نے جو خدمات انجام دیں، انھیں مدتوں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

پیر طریقت حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی قادری رضوی علیہ الرحمہ ۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۳۶ھ، بمطابق ۱۹۱۷ء کو قندھار شریف، ضلع ناندیڑ حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے، آپ کے آباء واجداد شرفائے دکن میں سے تھے اور صدیوں سے دینِ متین کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیتے آرہے تھے۔ آپ کے والد ماجد مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ نے حیدرآباد دکن میں ۵۵ سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دیے۔ کراچی میں ۱۹۵۵ء میں آپ کا وصال ہوا اور میوہ شاہ قبرستان میں تدفین ہوئی۔ اپنے والد ماجد حضرت مولانا غلام جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قرآن حکیم

حفظ کیا، تقریباً سترہ برس کی عمر میں اپنا وطن چھوڑ کر مدرسہ مصباح العلوم مبارک پور اعظم گڑھ میں علوم اسلامیہ کی تحصیل کا آغاز کیا اور حضرت حافظ ملت، حافظ عبدالعزیز محدث مبارک پوری علیہ الرحمہ کی زیر نگرانی آٹھ برس میں تکمیل کی، اس کے بعد حافظ ملت آپ کو صدرالشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا حکیم محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں لے گئے۔ وہاں آپ حضرت صدرالشریعہ سے بیعت ہوئے اور پھر کچھ عرصہ بعد حضرت صدرالشریعہ نے آپ کو تمام سلاسل طریقت میں اجازت وخلافت بھی عطا فرمائی۔ تحصیل علم کے بعد آپ نے ناگ پور کی جامع مسجد میں امامت وخطابت فرمائی، نیز جامعہ عربیہ ناگ پور میں تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ کچھ عرصہ سکندرآباد حیدرآباد دکن کی جامع مسجد میں بھی خطابت فرمائی، سقوط حیدرآباد دکن کہ جس میں سات لاکھ مسلمان شہید ہوئے، کے بعد ۱۹۴۹ء میں آپ پاکستان تشریف لائے اور اخوند مسجد کھارادر میں خطیب وامام رہے۔ آپ یہی چاہتے تھے کہ کسی چھوٹی مسجد میں رہ کر دین کی کچھ خدمت کی جائے، مگر لوگوں کے بے حد اصرار پر آپ جامع میمن مسجد کھوڑی گارڈن تشریف لائے۔ یہاں آپ کے پاس سیکڑوں عقیدت مندوں اور حاجت مندوں کا ہجوم رہنے لگا اور آپ نے اسے رضائے الٰہی سمجھ کر اسی جگہ مستقل قیام فرمایا۔ اخوند مسجد کی امامت کے دوران آپ نے محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ سردار احمد لائل پوری، حضرت علامہ مولانا عارف اللہ شاہ صاحب، حضرت پیر صاحب دیول شریف، غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خواہش اور ایماء پر ڈیڑھ سال جامع مسجد واہ کینٹ راولپنڈی میں امامت وخطابت کی، نیز دارالعلوم مظہریہ آرام باغ اور اس کے بعد دارالعلوم امجدیہ میں وصال سے پہلے تک تدریسی اور علمی خدمات انجام دیتے رہے۔

حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پاکستان میں سلسلۂ قادریہ کے ممتاز ومعروف روحانی پیش وا تھے۔ آپ کو سلسلہ قادریہ، رضویہ، سنوسیہ، شاذلیہ، منوریہ، معمریہ اور اشرفیہ میں حضرت صدرالشریعہ کے علاوہ شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خان بریلوی اور قطب مدینہ حضرت علامہ مولانا ضیاء الدین احمد مدنی علیہما الرحمہ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کی ذات گرامی علماء وصوفیہ کرام میں خاص توجہ اور عقیدت ومحبت کا مظہر تھی، جسے بھی آپ کی صحبت اور محبت میسر آئی، وہ رسول اللہ ﷺ کا گرویدہ اور شیدائی بن کر رہ گیا۔

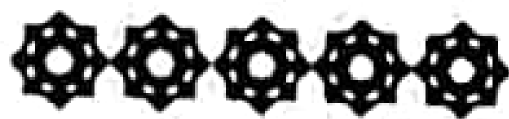
حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیگر بزرگان دین کی طرح سلسلہ قادریہ میں حضرت غوث پاک محبوب یزدانی سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے خاص نسبت پائی تھی۔ آپ نے اللہ ورسول (جل جلالہ و ﷺ) کی اطاعت اور فرماں برداری یعنی قرآن وسنت پر کاربند رہنے کے بعد حضرت غوث پاک کی تعلیمات مقدسہ پر خصوصی طور پر عمل کیا تھا،

اسی لیے قدرت کاملہ نے آپ کو اپنی بہترین نعمتوں سے نوازا تھا۔ آپ پیران پیر سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی محبت اور عقیدت میں صوفیہ کرام کے شانہ بشانہ رہے۔ مصلح الدین کے معنی دین کی اصلاح کرنے والے کے ہوتے ہیں، آپ نے اپنی زندگی کے ہر دور میں دین اسلام کی اس خدمت کو احسن طریقہ پر پورا کیا۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اگر مصائب نہ ہوتے تو تمام لوگ عابد وزاہد بن جاتے، لیکن مسلمانوں پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ صبر کا دامن چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے رب سے دور ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو! جو صبر کے امتحان میں پورا نہ اترا، وہ عطاءِ الٰہی سے محروم رہ گیا۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ صبر ہی کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک صبر ہی عبد اور معبود کے درمیان رشتہ کو مزید مستحکم کرتا ہے۔ صبر و رضا کو چھوڑ دینا، آپ کی تعلیمات کے منافی ہے۔

حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لیے سلسلہ قادریہ کی یہ تعلیمات آپ کی زندگی کا جزوِ لاینفک بن چکی تھیں۔ وہ زہد وتقویٰ اور پرہیزگاری، حلم اور بردباری کا کامل نمونہ تھے، شفقت ومحبت کا منبع آپ کی ذات گرامی تھی، بزرگان دین سے آپ کا گہرا تعلق تھا اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی سے آپ کو والہانہ عشق تھا۔ اکثر اعلیٰ حضرت کی نعتیں ورد زبان رہتیں اور تقریر میں بھی جا بجا اعلیٰ حضرت کے اشعار پڑھتے۔ آپ بہت ہی مختصر مگر جامع اور قابل فہم الفاظ میں تقریر کرتے تھے، آپ کا انداز اس قدر دل نشین ہوتا کہ ہر لفظ دل ودماغ میں پیوست ہو کر رہ جاتا تھا۔

مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا عبدالحامد بدایونی، حضرت قاری صاحب کی بڑی عزت وتکریم کرتے تھے، انھیں اپنی روحانی مجلسوں اور محافل میں مدعو کرنے کے لیے مخصوص دعوت نامہ ارسال کرتے تھے۔ آپ کا وصال ۷ رجمادی الثانی ۱۴۰۳ھ، ۲۳ رمارچ ۱۹۸۳ء کو کراچی میں حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے ہوا۔ آپ کے وصال کی خبر آپ کے مریدین، متوسلین اور محبین میں بڑے دکھ اور صدمہ کے ساتھ سنی گئی۔ ہزاروں لوگوں نے اشک بار آنکھوں سے آپ کا آخری دیدار کیا۔ آپ کی نماز جنازہ نبیرۂ اعلیٰ حضرت تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں بریلوی دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی۔ پاکستان کی ہر دینی، مذہبی، روحانی تنظیم نے آپ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ نامور مشائخ وعلماء کرام نے آپ کی رحلت کو ایک قومی سانحہ قرار دیتے ہوئے آپ کے درجات کی مزید سربلندی کے لیے خصوصی دعائیں مانگیں۔ آپ کا جسدِ خاکی کھوڑی گارڈن، موجودہ مصلح الدین گارڈن کراچی میں محو استراحت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان محترم ومقدس ہستیوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے اور ان کے مشن کو جاری وساری رکھے۔



گنگ ہیں--- نہ او آئی سی کا اجلاس بلایا گیا اور نہ ہی امت کی سطح پر اجتماعی ردعمل کا مظاہرہ کیا گیا، حد یہ کہ سعودی عرب کے حکمران بھی مہر بلب ہیں--- کیا "خادم الحرمین الشریفین" ہونے کا یہی تقاضا ہے؟---

حقیقت یہ ہے یہود و نصاریٰ قرآنی فرمان کے مطابق امت مسلمہ کے کبھی دوست نہیں ہو سکتے، اسلام دشمنی میں ان کی سوچ ایک ہی ہے--- امریکی صدارتی امیدواروں نے مکہ مکرمہ پر حملے کی بات کی ہے، جب کہ گریٹر اسرائیل کے غلیظ ترین صیہونی منصوبے کا ہدف بھی یہی ہے---

امت مسلمہ خصوصاً سعودی عرب اور عالمی قیادت کے دعوے دار ایٹمی پاکستان کے حکمرانوں کو مقدس مقامات پر حملے کے حوالے سے حالیہ بیانات کا سنجیدگی سے نوٹس لیتے ہوئے ردعمل کے طور پر بھرآواز اٹھانی چاہیے اور مشترکہ حکمت عملی سے کام لینا چاہیے---

مسلمانانِ عالم اگر اب بھی خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو پھر یہود و نصاریٰ اور دیگر لادینی و طاغوتی قوتوں کی روز افزوں سازشوں کے آگے بند باندھنا ممکن نہ ہوگا---

جہاں تک مقدس مقامات کا تعلق ہے تو حی و قیوم، جبار و قہار اور قادر و مقتدر، رب جل جلالہ خود محافظ و نگہبان ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ دشمنان اسلام کے ناپاک عزائم کبھی پورے نہیں ہو پائیں گے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے قانون قدرت کے ساتھ امت مسلمہ کو آزما رہا ہے کہ انھیں اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کا احساس و ادراک کہاں تک ہے؟--- ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے حال پر رحم کرے، حکمرانوں کو ہدایت دے اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق اور جہاد و اجتہاد کی سعادت سے بہرہ یاب فرمائے اور دشمنان اسلام کے ناپاک عزائم کو بھانپتے ہوئے اپنے گھوڑے تیار رکھنے اور اپنی عسکری و اقتصادی صلاحیتیں بڑھانے کے لیے کوشاں رہنے کی توفیق مرحمت فرمائے---

سلطان الواعظین بھی رحلت فرما گئے

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

ارباب فضل وکمال کے قافلے بڑی تیزی سے منزل آخرت کی جانب رواں دواں ہیں--- ایک وقت تھا کہ آسمان سنیت پر ایک کہکشاں آباد تھا--- اپنی شعوری زندگی میں جن کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور جن حضرات کے منور وتاباں چہرے فی الوقت نگاہوں کے سامنے آرہے ہیں، ان میں سے ہر شخص منارۂ نور، خضر راہ، رہبر ورہنما اور اپنی ذات میں انجمن تھا:

ڈھونڈیں ہم اب نقوش سبک رفتگاں کہاں
اب گردِ کارواں بھی نہیں ، کارواں کہاں

مفتئ اعظم پاکستان حضرت سید ابوالبرکات قادری، شیخ المشائخ حضرت سید محمد مختار اشرف کچھوچھوی، حضرت خواجہ خان محمد تونسوی، شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی، حضرت خواجہ غلام محی الدین بابو جی گولڑوی، حضرت مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری، مناظر اعظم حضرت مولانا محمد عمر اچھروی، شیخ القرآن حضرت مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی، حضرت میاں علی محمد بسی شریف، فقیہ اعظم حضرت مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی محدث بصیرپوری، حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری، شہباز خطابت ابوالکلام صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ، حضرت غزالی زمان سید احمد سعید کاظمی، استاذ العلماء حضرت علامہ عطاء محمد بندیالوی، حافظ الحدیث حضرت علامہ جلال الدین شاہ بھکھی شریف، استاذ العلماء حضرت مفتی محمد حسین نعیمی، ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری، جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری، علامہ سید محمد محمود احمد رضوی، شیخ القرآن مولانا غلام علی اوکاڑوی، شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی، حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی، قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی، مجاہد ملت حضرت مولانا

عبدالستار نیازی رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے کتنے ہی درخشندہ شموس واقمار اور تابندہ نجوم وکواکب خلد مکین ہوگئے---

اسی قافلۂ اسلاف کے معتبر نمائندہ اور آسمان علم کے شمس رخشندہ سلطان الواعظین حضرت مولانا ابوالنور محمد بشیر کوٹلوی بھی اپنے مالک حقیقی سے جاملے---انا للّٰه و انا الیه راجعون

حضرت سلطان الواعظین ملک کی ان ممتاز ہستیوں میں سے تھے، جن کی زندگی ایک مستقل تاریخ ہے--- انھوں نے اپنے والد گرامی حضرت مفتی ابو یوسف محمد شریف قدس سرہ العزیز (م ۱۹۵۱ء) (جو اپنے عہد کے فقیہ اعظم تھے) اور مفتی اعظم پاکستان حضرت سید ابوالبرکات قدس سرہ العزیز ایسے اساطین علم سے فیض حاصل کیا---۱۹۳۵ء میں (حضرت فقیہ اعظم محدث بصیر پوری کے سنہ فراغت سے دو سال بعد) دار العلوم حزب الاحناف لاہور سے سند فراغت حاصل کی--- آپ کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اوصاف سے متصف فرمایا تھا، وہ خوش آواز خطیب، صاحب طرز ادیب، ممتاز مصنف، قادر الکلام شاعر اور جید عالم دین تھے--- آپ نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا، نظریہ پاکستان کی بھرپور حمایت کی اور اپنی تقریروں کے ذریعے پاکستان کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کرنے میں موثر کردار انجام دیا---اس اثنا میں ان کا یہ شعر بہت مقبول ہوا:

پاک اللہ، پاک احمد، پاک جسم و جان ہو
کیوں نہ رہنے کے لیے بھی ملک پاکستان ہو

۱۹۵۱ء میں کوٹلی لوہاراں (سیال کوٹ) سے ماہ طیبہ کے نام سے ماہ نامہ جاری کیا، جو کم وبیش اکیس سال تک سنی صحافت پر چھایا رہا--- اعتقادی مضامین کے ساتھ ساتھ روشن خیالی اور مغرب زدہ ذہنیت پر بھرپور تنقید اس پرچے کا طرہ امتیاز تھا--- آپ بڑے حاضر جواب، بذلہ سنج اور خوش کلام عالم تھے---"ماہ طیبہ" میں "نمکین صفحہ" اور "حاجی حق حق" کے قلمی نام سے ان کے اشعار مقبول خاص وعام تھے---

آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے، جن میں سچی حکایات (۵ رجلدیں)، واعظ (۴ رجلدیں)،

خطبات (۲ رجلدیں)، خطیب، ختم نبوت، آنا جانا نور کا، لبیک یا سیدی، سنی علماء کی حکایات، علمائے دیوبند کی حکایات، شیطان کی حکایات وغیرہ بطور خاص مشہور ہوئیں---مزید براں "آج کل" اور "جبل نور" کے نام سے دو شعری مجموعے بھی چھپ چکے ہیں---

حضرت سلطان الواعظین خوش آواز مقرر تھے، وہ اپنے انداز خطابت کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی---ملک کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو، جہاں آپ کا خطاب نہ ہوا ہو---انھوں نے دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے سالانہ جلسوں میں متعدد مرتبہ خطاب کیا---

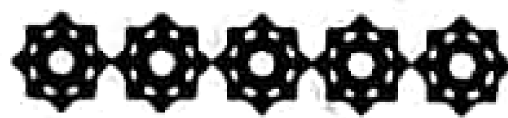
بالآخر اس خاکدان عالم میں کم وبیش ۹۷ برس گزارنے کے بعد ۱۹ ررجب المرجب ۱۴۲۸ھ/۴ راگست ۲۰۰۷ء کو وقت موعود آ پہنچا اور وہ اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور اگلے روز آبائی گاؤں کوٹلی لوہاراں (سیال کوٹ) میں ان کے والد گرامی کے پہلو میں ان کی تدفین ہوئی---آپ کے چار صاحبزادے ہیں، بڑے صاحبزادے مولانا عطاء المصطفیٰ جمیل اعلیٰ پائے کے خطیب اور شیریں نوا مقرر ہیں---

اللہ تعالیٰ جل وعلا حضرت کی دینی و تبلیغی خدمات کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے، انھیں جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے سرفراز فرمائے اور ان کے اخلاف کو ان کا مشن زندہ رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے---

آمین بجاہ طٰہٰ و یٰس صلّی اللّٰہ و بارک و سلم علٰی سیدنا محمد و علٰی آلہ و اصحٰبہ اجمعین

(صاحب زادہ) محمد محب اللہ نوری
مدیر اعلیٰ ماہ نامہ نور الحبیب

بصیر پور شریف
۲۰ راگست ۲۰۰۷ء



سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ

مولانا سائیں نذیر حسین فریدی

آپ کا نام نعمان، کنیت ابوحنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ آپ کے آباء واجداد ایران کے رہنے والے تھے۔ حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوحنیفہ نام سے زیادہ مشہور ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی ان محترم شخصیات میں سے ایک ہیں، جنہوں نے ہمیشہ حق وصداقت کا ساتھ دیا، اس کے لیے تکالیف اور مصائب بھی برداشت کیے۔ ایسے انسانوں کی پوری زندگی کی طرح ان کا بچپن بھی منفرد اور ممتاز ہوتا ہے۔ امام صاحب کا بچپن کا زمانہ نہایت ہی پرآشوب دور تھا، آپ نے حصول علم کی طرف پوری توجہ رکھی۔ آپ کے بچپن کا ایک اہم واقعہ قارئین کے لیے پیش کر رہا ہوں۔ عراق کے شہر کوفہ میں بڑے بڑے جید علماء قیام پذیر تھے، انھی دنوں وہاں ایک شخص آیا، جو بڑا ذہین اور نکتہ طراز تھا، لیکن خداوند تعالیٰ کو نہ ماننے والا تھا۔ کوفہ میں اس کے آتے ہی کشیدگی کی فضا پیدا ہوگئی تھی، وہ بھرے بازار میں اونچی جگہ کھڑا ہو جاتا اور اسلام کے خلاف باتیں کرتا۔ عام لوگوں سے کوئی جواب نہ بن پڑتا، وہ اس کی باتوں پر اذیت محسوس کرتے، لیکن جواب نہ دے سکتے اور اسی حالت میں لوگ تتر بتر ہو جاتے تھے۔ ایک روز مسلمانوں کے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ وہاں آ

گئے، جو ابھی علم کے حصول کے لیے سفر کر رہے تھے۔ آپ نے اس کافر کو اس طرح کا زہر اگلتے دیکھا تو آگے بڑھ کر کہا کہ میں تمہارے سوالوں کا جواب دوں گا۔ لوگوں نے ایک نو عمر لڑکے کو یہ کہتے ہوئے دیکھا تو حیران رہ گئے اور وہ کافر بھی ہنسنے لگا۔ چوں کہ وہ ایک اونچی جگہ پر کھڑا تھا، وہیں سے اس نے سوال کیا کہ اے لڑکے! بتاؤ تمہارا خدا اس وقت کیا کر رہا ہے؟

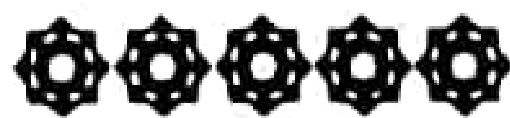
حضرت نعمان ﷜ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہریئے، کیا آپ نہیں جانتے کہ جواب دینے والے کا مرتبہ سوال کرنے والے سے بلند ہوتا ہے۔ آپ نیچے آئیں، میں آپ کی جگہ کھڑا ہو کر جواب دوں گا۔ بات ٹھیک تھی، کافر مجبوراً نیچے اترا، حضرت نعمان ﷜ اونچی جگہ کھڑے ہو گئے، انہوں نے فرمایا، اب اپنا سوال دہراؤ، تمہارا سوال کیا ہے؟ اس کافر نے تیزی سے کہا کہ بتاؤ تمہارا خدا اس وقت کیا کر رہا ہے؟ حضرت نے جواب دیا، میرا خدا اس وقت کافر کے رتبے کو گھٹا رہا ہے اور ایک مومن بچے کے مرتبے کو بڑھا رہا ہے۔ لوگ عش عش کر اٹھے اور وہ کافر ہکا بکا رہ گیا۔

اس کافر نے پریشانی کے عالم میں دوسرا سوال کیا کہ بتاؤ خدا سے پہلے کیا تھا؟ حضرت نعمان کہنے لگے، آپ یوں کریں کہ زیادہ نہیں صرف نو کے ہندسے سے الٹی گنتی شروع کریں۔ کافر نے الٹی گنتی شروع کی، نو، آٹھ، سات، چھ، پانچ، چار، تین، دو، ایک۔ ایک پر پہنچ کر کافر چپ ہو گیا، حضرت نعمان نے فرمایا کہ آگے گنتے جاؤ، خاموش کیوں ہو گئے ہو؟ کافر نے کہا کہ ایک سے پہلے تو کوئی گنتی نہیں۔ حضرت نعمان بولے، اللہ کریم بھی ایک ہی ہے، اس سے پہلے کوئی نہیں۔

لوگوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے، کافر نے جھنجلا کر کہا کہ بتاؤ کہ خدا کا منہ کس طرف ہے اور وہ کس کس کو دیکھ رہا ہے؟ حضرت نعمان نے مسکراتے ہوئے فرمایا، ایک شمع منگوائی جائے، شمع کو جلا کر رکھ دیا اور کافر سے فرمایا کہ بتاؤ اس روشنی کا منہ کس طرف ہے؟ کافر نے بے ساختہ کہا کہ ہر طرف۔ حضرت نعمان ﷜ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نور بھی ہر طرف ہے اور وہ ہر طرف دیکھ رہا ہے اور سب کچھ اس کے سامنے ہے۔ لوگ مسرت کے عالم میں یہ آیت تلاوت کرنے لگے:

اللّٰہ نور السمٰوات و الارض---

کافر چپ چاپ وہاں سے سر جھکائے چلا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس دن کے بعد کوفہ میں خداوند تعالیٰ کی ذات کا انکار کرنے والا کوئی شخص قدم نہ جما سکا۔



اقلیمِ فقر کا تاجدار

فقیہ اعظم محدث بصیر پوری علیہ الرحمۃ

نعمان قادر مصطفائی
مدیر ماہ نامہ تسخیر، لاہور

اسلامی شجر کے پھلنے پھولنے کے زمانے میں صوفیہ اور اکابرین کی علمی و عملی کاوشوں، فکری جولانیوں، سوچوں کے ذخیروں اور ذہنی افکار کا کسی نہ کسی جگہ کوئی ''مرکز حیات'' ضرور رہا ہے۔ وہ مرکز حیاتِ جاوداں مکۃ المکرّمہ کی مقدس سرزمین ہو یا مدینہ منورہ کی معنبر و معطر دھرتی، وہ مرکز قرطبہ کی صورت میں ہو یا غرناطہ کی شکل میں، بغداد کا سانچہ ہو یا قاہرہ کی دانش گاہ، بخارا میں حکمت و دانائی کا سرچشمہ ہو یا سمرقند میں روشن کیا گیا چراغ، اجمیر کی پُرتاثیر دھرتی ہو یا ہجویر کی زلف اسیر سرزمین، غرضے کہ کسی نہ کسی صورت میں کوئی خطہ اسلام کی ترقی وترویج اور تصوف کے احیاء کے لیے اپنا ایک اہم کردار ادا کرتا رہا ہے۔

مسلمانوں کے دورِ عروج میں ان کے پاس جامی، رازی اور غزالی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی ذہانت، بوعلی سینا کی فراست، اجمیری اور ہجویری (رحمہما اللہ تعالیٰ) کی شب بیداریاں اور ٹیپو سلطان (علیہ الرحمہ) کی بے نیام تلواریں، آہنی جذبے اور جگر پاشیاں، بلال و قرنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا والہانہ عشق، قرطبی اور اندلسی (علیہما الرحمہ) کی نکتہ سنجیاں، بہلول و منصور (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے پُرعزم جذبے، نعیم الدین مرادآبادی (علیہ الرحمہ) کی شب باشیاں، دیدہ ریزیاں اور فقیہ اعظم مولانا محمد نوراللہ نعیمی (علیہ الرحمۃ) کا زہد وتقویٰ، حتی کہ سب کچھ

تھا، لیکن اپنوں کی بے وفائی اور مسلمانوں کی سستی، کاہلی اور غلط حکمت کاریوں کی وجہ سے حالات کا پہیہ اُلٹا گھوما، نیچے والا اوپر آ گیا اور اوپر والا نیچے چلا گیا۔

مسلمانوں کا ریاستی وجود، جس سے ریاست کا حسن قائم تھا، وہ موہوم سایوں کی طرح سمٹنے لگا۔ بڑے بڑے شاہی ایوان، جن میں اگر ایک درویش وقت کے حکمرانوں کو غلط کاریوں سے آگاہ کرنے کے لیے جاتا تو حکمران کے عارضی ایوانوں کے در و دیوار لرزنے لگتے تھے۔ انہیں چٹائی ''توڑ علماء'' و صوفیہ نے سلاطین کی دربار داری سے ہمیشہ گریز کیا اور حکمرانوں کے لیے یہ درویش صفت صوفیہ ''گردن توڑ'' بخار کی حیثیت رکھتے تھے اور ہمیشہ اپنے ارادت مندوں کو بھی ایسے حسین، نصیحت آموز کلمات سے نوازتے رہے کہ:

''بہترین امیر وہ ہے جو کسی فقیر کے آستانے پر سرِ تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور بدترین فقیر وہ ہے جو کسی امیر کی چوکھٹ پر اپنی جبین نیاز جھکائے ہوئے ہے''---

مگر جب سے شاہی ایوانوں کا دنیاوی درویشوں نے جاہ و حشم اور مسند و کرسی کے لیے طواف شروع کیا ہے، خانقاہوں سے نکلنے والی نورانی شعاعیں مدہم ہو گئیں اور خانقاہوں کی پیشانیوں پر جھوٹ و منافقت کے جھومر نظر آ رہے ہیں۔ علماء کا طریقہ کار بدل گیا، ان کی ترجیحات بدل گئی ہیں۔ تاریخ کے صفحات کا اگر ورق بہ ورق زیرک نگاہوں سے مطالعہ کیا جائے تو شعراء، ادباء اور حکماء کی ایک کثیر تعداد ہمیں سلاطین کے ایوانوں کا طواف کرتی نظر آتی ہے۔ ان دنیا پرست، جاہ و حشم پرست اور مطلب پرست ادباء، حکماء کا نصب العین ہی مسند و کرسی، رقبہ جات اور نوازشات و انعامات کا حصول رہا، لیکن اس کے برعکس ایسے صوفیہ و علماء بھی، جو تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہوتے تھے، ان کی نظر میں شاہی محلات کے اونچے اونچے برج سوکھے گھاس کے خشک تنکے سے بھی بے مایہ و بے وقت ہوا کرتے تھے۔ جب بڑے بڑے آمر اور جابر حکمران اپنے پورے پروٹوکول کے ساتھ فوج ظفر موج کے جلو میں ان کے دربار میں حاضری دیا کرتے تو بازارِ مصطفٰی میں بکنے والے یہ درویش صفت انسان ایک نظر اٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھتے۔ اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ جب بھی کسی سامراجی اور طاغوتی طاقت نے قلعہ اسلام میں دراڑیں ڈالنے کی کوشش کی ہے تو ''تسبیح بدست'' اور ''چٹائی توڑ'' علماء و صوفیہ ہی نے آگے بڑھ کر ان کے بڑھنے والے ناپاک قدموں کو اپنے آہنی جذبوں سے روکا ہے۔ درویشوں، صوفیہ کے منصب و حالات زندگی

سے آگاہ اربابِ نقد و نظر جانتے ہیں کہ ان ہی کے دم قدم سے نظام ہستی کی نبضیں تپش آمادہ رہتی ہیں۔ اللہ والوں کے پرعزم قدم جہاں بھی پڑتے ہیں، راستہ بھولنے والے کارواں کے لیے سنگ میل بن جاتے ہیں۔

خواجۂ اجمیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے دست حق پرست پر لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے، نعیم الدین مراد آبادی کی صحبت میں بیٹھنے والے وقت کے قلندر اور محدث بن گئے، سندھ میں شہباز قلندر اور سید جمال محمود مکی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی محنتوں سے ہزاروں لوگ اسلام کے پیغام سے آگاہ ہوئے، پنجاب کی دھرتی پر بابا بلھے شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے عشق، داتا گنج بخش رحمہ اللہ تعالیٰ کی کاوشوں، محبتوں اور اعمالِ صالح سے اسلام کا فیضان جاری ہوا، سرحد میں بابا رحمٰن علیہ الرحمۃ کی شاعری نے اپنی محبت کا جوت جگا کر نفرتوں کو ختم کیا، کشمیر میں سید ہمدانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وجہ سے سیکڑوں روحانی مراکز اور ہزاروں ذہن اسلام کی ضیاء سے روشن ہوئے۔ یہ درویش جس جگہ اپنی کٹیا اور جھونپڑی بناتے ہیں، تشنگانِ ہدایت و فیض کے لیے سرچشمۂ فیض بن جاتے ہیں اور یہ فیض کے ابلتے سرچشمے آج بھی قصبوں، قریوں، دیہاتوں، بے آب و گیاہ صحراؤں، گھنے جنگلوں میں ابل رہے ہیں۔

آج ہم ایک ایسی پرتاثیر، سحر انگیز، علم و عمل اور روحانیت کے سانچے میں ڈھلی، محبتوں اور شفقتوں کا مرکز، علوم و فنون کا بحر بیکراں، رشد و ہدایت کا سرچشمہ، الفاظ کی منڈیروں پر عشق مصطفیٰ کے دیپ روشن کرنے اور الفاظ کے کالروں پر معانی کے خوب صورت پھول ٹانکنے والی عظیم روحانی شخصیت، جن کو دنیا مولانا نور اللہ نعیمی اشرفی قادری کے نامِ نامی، اسم گرامی سے جانتی ہے، کے بارے میں قارئین کو آگاہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، تا کہ نوجوان نسل اسلاف کے کارناموں کو اپنے ذہنوں میں رکھ کر مقصد حیات کا تعین کر سکے۔ ایک گم نام اور چھوٹے سے قصبے میں پھوٹنے والے اس چشمے کی منزہ اور مصفّٰی لہروں نے جابجا کئی گلستان سیراب کیے۔

اس گلستان کا ہر پھول اپنی جگہ ایک مکمل چمن زار کی حیثیت رکھتا ہے، ایسے ہی چمن زاروں میں ایک مہکتے لہکتے، جگمگاتے اور لہلہاتے چمن زار میں صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری، مہتمم دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور کا اسم گرامی گل و گلزار کھلاتا ہوا نظر آتا ہے۔ فقیہ اعظم ابو الخیر مولانا محمد نور اللہ نعیمی ۱۶ رجب المرجب ۱۳۳۲ھ، ۱۶ جون ۱۹۱۴ء کو تحصیل دیپال پور کے ایک دور افتادہ گاؤں سوجے کی ضلع اوکاڑا میں پیدا ہوئے، اس دور افتادہ اور بنیادی سہولتوں

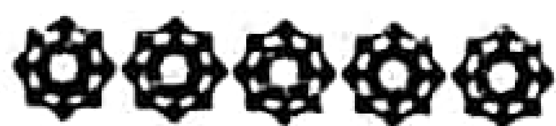
سے نا آشنا گاؤں کو خداوند قدوس نے یہ سعادت بخشی کہ یہاں سے علم و معرفت کا ایسا چشمہ پھوٹا کہ جس نے ٹوٹی چٹائی پر بیٹھ کر علم و عمل کی پیاسی انسانیت کو جی بھر کر سیراب کیا۔ علوم و فنون کے سرچشمۂ فیض سے تشنگان علم نے علم و حکمت کے، معرفت کے کٹورے سیر ہو کر پیے۔ آپ کے والد ماجد نازش علم و عمل مولانا الحاج ابوالنور محمد صدیق چشتی اور جد امجد حضرت مولانا احمد دین نے اپنی نگرانی خاص میں تعلیم و تربیت کا آغاز فرمایا، آپ نے قرآن کریم، فارسی، صرف، نحو کی تعلیم اپنے والد محترم اور جد امجد سے حاصل کی۔ مولانا سید ابومحمد دیدار علی شاہ محدث اعظم الوری اور امام اہل سنت مفتی پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہما اللہ تعالیٰ سے علم حدیث کے موتی لے کر اپنے من کے آنگن میں سجائے اور علم و حکمت کے سانچے میں اپنے آپ کو ایسے ڈھالا کہ اس سانچے سے پھر ہزاروں علماء تیار ہو کر نکلے۔ اساتذہ کے ایک ایک لفظ حدیث کو اپنے ذہن کے دریچوں اور سوچوں کے روزنوں میں ایسے محفوظ کیا کہ آج انہی الفاظ کی معرفت و حقیقت سے انسانیت روشناش ہو رہی ہے۔ بزرگ اور اکابر جنھیں فقیہ اعظم نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ کے دسترخوانِ خطابت سے ریزہ چینی اور خوشہ چینی کی سعادت میسر ہوئی، اس امر پر نازاں و شاداں رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ان کا رنگ بیان اور طرزِ خطابت سب سے مختلف اور جدا تھا۔ آپ خطابت کے جوہر نہیں دکھاتے تھے، بلکہ شیریں طرزِ بیان سے سامعین پر ایک سحر طاری کر دیتے۔ آپ کے شاگرد رشید حافظ محمد ظہور اللہ چشتی کے بقول، جب آپ بولتے تو الفاظ و مطالب ان کے سامنے غلاموں کی طرح دست بدستہ ایستادہ نظر آتے۔ ان کے ہونٹوں سے ادا ہونے والا ہر جملہ سامعین کے دل میں یوں تراز و ہو جاتا جیسے پھولوں کی ڈالیوں میں بادِ صبح گاہی کا نم رچ بس جایا کرتا ہے۔ یہ خطابت محض خطابت نہ ہوتی تھی بلکہ کرامت ہوتی تھی۔ آپ کا ''فتاویٰ نوریہ'' جو کہ چھ جلدوں کا مرقع ہے، فقہ حنفی کا ایک انسائیکلوپیڈیا ہے، جس میں جدید و قدیم مسائل کو بڑی ہی خوب صورتی سے حل کیا گیا ہے۔ ہمارے دور کے اکثر اربابِ نظر شکوہ کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ بڑے صوفیہ، فقراء اور علماء کی خانقاہیں اور درس گاہیں ویران اور اُجاڑ ہو چکی ہیں، ان میں سے اکثر خانقاہی نظام کے اس انحطاط اور زوال کا ذکر کرتے ہوئے درویش لاہوری علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا یہ مصرع دہرانا نہیں بھولتے:

ہیں زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

لیکن فقیہ اعظم مولانا نور اللہ نعیمی علیہ الرحمہ وہ خوش قسمت مرد قلندر ہیں کہ ان کی خانقاہ آج بھی مرجع خلائق اور زندہ و جاوید ہے۔ آج بھی خوب صورت خیالات اور پختہ افکار کے سانچے میں ڈھلے جواں ہمت اور پر عزم ارادوں کے مالک، خوب صورت اور نیک سیرت صاحب زادے جناب مولانا محمد محب اللہ نوری پرنسپل دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف شاہین بچوں کو تسخیر انفس و آفاق کا پیغام دے رہے ہیں اور اپنے والد مکرم کی علمی میراث تقسیم کر رہے ہیں اور اس خانقاہ سے آج تک کوئی بھی سائل خالی ہاتھ جاتے نہیں دیکھا گیا۔ ہزاروں لوگ خالی ہاتھ آتے اور اپنی خستہ جھولیوں کو مرادوں سے بھر کر جاتے دیکھے گئے۔

یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ فقیہ اعظم مولانا نور اللہ نعیمی کے لخت جگر صاحب زادہ محب اللہ نوری صاحب اپنے والد محترم کا نقش ثانی ہیں، وہ بیک وقت بلند پایہ عالم دین، شگفتہ نگار ادیب، صاحب طرز خطیب اور سحر انگیز مقرر بھی ہیں۔ آپ کے قلم کی نوک سے اب تک کثیر تصانیف نکل چکی ہیں، جن میں سفر نامہ ''چند روز مصر میں'' اپنی مثال آپ ہے اور ''و رفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر'' بھی علمی و ادبی حلقوں میں داد تحسین وصول کر چکی ہیں۔ صاحب زادہ محب اللہ نوری کا عزم یہ ہے کہ انقلابی اصلاحات کر کے خانقاہی نظام کو ایک بار پھر موثر اور فعال کردار ادا کرنے کے لیے متحرک کیا جائے، یقیناً یہ عمل مردے میں جان ڈالنے کے مترادف ہوگا۔

صاحب زادہ محب اللہ نوری ایسے وہ لوگ جن کے عزائم پہاڑ کی چوٹیوں کی طرح بلند اور افکار پختہ ہوں، ارجمند اقدامات کی طرح ڈالنے سے دریغ نہیں کرتے۔ فقیہ اعظم مولانا نور اللہ نعیمی کا دو روزہ سالانہ عرس مبارک، یکم دو رجب کو مشہور و معروف درس گاہ دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع اوکاڑا میں نہایت ہی تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے، جس میں اندرون و بیرون ممالک سے ہزاروں تشنگان علم و عرفان، علماء و مشائخ عظام تشریف لاتے ہیں۔ دو روزہ عرس مبارک میں منعقدہ فکری، علمی و روحانی نشستوں میں معروف سکالرز اور دانش ور تصوف و دیگر معاشی و سیاسی مسائل کے حل کے حوالے سے اپنے مقالہ جات پیش کرتے ہیں، جب کہ خصوصی خطاب جانشین فقیہ اعظم مولانا نور اللہ نعیمی، حضرت صاحب زادہ محمد محب اللہ نوری فرماتے ہیں۔



اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

فتاویٰ نوریہ---ایک تقابلی مطالعہ

(صاحب زادہ) محمد محبّ اللہ نوری

سیدی فقیہ اعظم قدس سرہ العزیز کو اللہ تعالیٰ ﷻ نے جس علم و دانش، فقہی بصیرت اور اجتہادی صلاحیت سے نوازا تھا، اس پر شاہد عادل چھ ضخیم مجلدات پر مشتمل آپ کا فقہی شاہکار ''فتاویٰ نوریہ'' ہے---جب یہ فتاویٰ زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا تو اہل علم نے اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اپنے لیے خضر راہ اور منارۂ نور گردانا---فقہ سے شغف رکھنے والے اہل قلم نے اس پر مقالات تحریر کیے اور علمی جستجو رکھنے والے علماء نے اسے اپنے مطالعہ کا مستقل حصہ بنایا اور اس سے بھرپور استفادہ کیا---

ایسے ہی اہل علم و قلم میں فاضل نوجوان حضرت علامہ محمد الیاس اعظمی بھی ہیں، جو ممتاز عالم دین، پختہ قلم کار، ماہر مصنف، ژرف نگاہ محقق، نامور سکالر اور علمی حلقوں میں ایک خاص مقام کے حامل ہیں---وہ مطالعہ کے رسیا اور قلم کے دھنی ہیں---

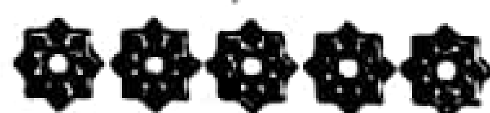
فاضل موصوف جب فتاویٰ نوریہ کے فقہی بحر زخار میں غوطہ زن ہوئے اور علم و تحقیق کے لؤلوئے آبدار تک ان کی رسائی ہوئی تو انھوں نے حضرت فقیہ اعظم اور ان کے عظیم فقہی شاہکار فتاویٰ نوریہ کی فقہی رفعت اور علمی سطوت کی طرف اہل علم و فضل کو متوجہ کرنے کا تہیہ کر لیا---چنانچہ فتاویٰ کی تمام جلدوں کا انتہائی گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف مسالک کی فقہی کتب اور فتاویٰ سے ''فتاویٰ نوریہ'' کا تقابلی جائزہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کے لیے اس انتہائی مشکل اور محنت طلب کام کا بیڑا اٹھایا---

علامہ اعظمی صاحب نے جہاں فتاویٰ نوریہ کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے، وہیں تقابلی جائزہ میں شامل دیگر کتب فتاویٰ کا بھی تفصیلی تعارف کرایا ہے---انھوں نے مروجہ تحقیقی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے انتہائی غیر جانب دارانہ انداز میں تقابل پیش کیا ہے اور اہل سنت کے عام معمول سے ہٹ کر دیگر مسالک کے علماء و مفتیان کے نام و القاب میں بھی ان کے مسلکی مقام و مرتبے کا لحاظ رکھا ہے، جو ان کے وسعتِ فکر و نظر کا آئینہ دار ہے---

مصنف اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا فیصلہ تو تحقیقی ذوق رکھنے والے ارباب علم و فضل ہی کر سکتے ہیں، تاہم امید واثق ہے کہ ان کی اس خالص علمی و تحقیقی کاوش کو علمی حلقوں میں بنظر استحسان دیکھا جائے گا---

صفحات: ۴۴۸، کمپوزنگ، طباعت، جلد عمدہ ناشر القلم پبلی کیشنز، لاہور

ملنے کا پتا: فقیہ اعظم پبلی کیشنز بصیر پور ضلع اوکاڑا



وفیات

مبلغ اسلام شیخ برعی رحمہ اللہ تعالیٰ

عبدالحق انصاری

۱۰؍محرم الحرام ۱۴۲۶ھ، مطابق ۲۰؍فروری ۲۰۰۵ء کو ملک سوڈان کی مشہور و مقبول شخصیت شیخ عبدالرحیم محمد وقیع اللہ بُرعی نے وفات پائی۔ آپ جید عالم دین، فقیہ، حافظ قرآن، عظیم نعت گو شاعر، عالمی مبلغ اسلام، سماجی خدمات و بھلائی کے کام میں پیش پیش، ملک کے سیاسی معاملات میں فعال، عارف کامل اور ہر دل عزیز شخصیت تھے، نیز مدینہ منورہ کے عارف باللہ صاحب تصانیف شیخ محمد بن عبدالکریم سَمّان شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وفات ۱۱۸۹ھ/ ۱۷۷۶ء) سے منسوب صوفیہ کے سلسلۂ قادریہ کی شاخ سمانیہ کے مرشد کبیر تھے۔

دوحہ قطر میں قائم نجی عربی ٹیلی ویژن چینل ''الجزیرہ'' جو عربوں کا CNN کہلاتا ہے، اس نے آپ کی وفات کی خبر اسی لمحہ نشر کی۔

سوڈان کے قومی ٹیلی ویژن چینل نے اسی روز شام کو خبرنامہ سے قبل آپ کی یاد میں ایک گھنٹہ کا مستقل پروگرام بنام ''فی ضیافة الشیخ البرعی'' پیش کیا۔ عبدالکریم قبانی اس خصوصی پروگرام کے کمپیئر تھے اور اس کی ترتیب یہ رکھی گئی کہ شیخ برعی کے تازہ ترین انٹرویو کے اہم اقتباسات وقفہ سے دکھائے جاتے رہے، نیز آپ کی زندگی کے آخری دور کی مصروفیات کی تصویری جھلکیاں دکھائی جاتی رہیں اور ساتھ میں نعت خوانی کا سلسلہ جاری رکھا گیا، نیز کمپیئر آپ کے حالات و

خدمات بیان کرتے رہے۔

اس پروگرام میں بتایا گیا کہ شیخ برعی کی خدمات نصف صدی سے زائد پر محیط ہیں، آپ سوڈان کے صوبہ کردفان کے شمال میں واقع ضلع ام روابہ کے چھوٹے سے گاؤں زریبہ میں پیدا ہوئے، والد ماجد سے قرآن مجید حفظ کرنے کے علاوہ دیگر اسلامی علوم پڑھے، نیز سلوک کی منازل طے کیں اور اجازت وخلافت پائی۔ علاوہ ازیں ملک کے دیگر علماء کرام سے اخذ کیا۔ آپ کی گفتگو میں حد درجہ تاثیر تھی اور آپ کے کلمات لوگوں کے دلوں میں اس طرح اتر جاتے جیسے ریت کے ذرات زمین میں جذب ہو جاتے ہیں۔ آپ کی نظر میں چھوٹا بڑا، امیر وفقیر، عورت ومرد، سب یکساں تھے اور آپ سب کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کرتے، لہٰذا جو بھی آپ سے ملتا وہ محسوس کرتا کہ شیخ برعی نے سب سے اچھا برتاؤ مجھی سے کیا۔ آپ کا نعتیہ کلام عام فہم اور محبت سید الناس ﷺ سے معمور ہے۔ آپ نے دارالحکومت خرطوم میں بھی رشد وہدایت کے لیے مرکز قائم کیا۔

شیخ برعی نے خود بتایا کہ میں نے نعتیہ شاعری کی ابتدا سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں کی، جب میں نے پہلا نعتیہ قصیدہ موزوں کیا، جو میرے ایک عزیز کی شادی کے موقع پر پڑھا گیا۔ وطن اور انسانیت سے محبت کا جذبہ مجھے اپنے والد گرامی سے ورثہ میں ملا۔ نیز فرمایا کہ انسان جب بھی مدینہ منورہ جائے تو اسے چاہیے کہ سب سے پہلے روضۂ رسول ﷺ پر حاضر ہو کر آپ کے وسیلہ سے دعا مانگے، کیوں کہ آپ ہی کے توسط سے اسے حج یا عمرہ کی سعادت حاصل ہوئی اور پھر قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ ---[سورۃ النساء، آیت ۶۴، پارہ ۵]

''اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر، حاضر ہوتے آپ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے اللہ تعالیٰ سے، نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لیے رسول (کریم) بھی، تو وہ ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول فرمانے والا، نہایت رحم کرنے والا''---

اس آیت مبارکہ میں قبل وصال کی کوئی قید نہیں لگائی گئی، لہٰذا انسان جب بھی مدینہ منورہ حاضر ہو تو آپ کے وسیلہ سے دعا مانگے، پھر امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے حج وعمرہ کو قبول فرمائے۔ علاوہ ازیں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اقتدا اور ان سے محبت پر زور دیا اور فرمایا کہ صحابہ کرام ستاروں کی مانند ہیں اور نعت کے ساتھ ساتھ ان کی مدح میں اشعار موزوں کرنا بھی اہم ٹھہرا۔

اس پروگرام میں متعدد نعت خوانوں نے جو نعتیں پڑھیں، وہ خود شیخ برعی کا کلام تھا۔ ان میں

سے ایک نعت کا عنوان یہ تھا:

"متـــی ازورک یـــا رســول الـلّٰـــه"

آپ کے ایک نومسلم برطانوی شاگرد و مرید شیخ داؤد، برطانیہ میں مبلغ اسلام ہیں اور انھوں نے اسلام سے محبت کی بنا پر سوڈان کی ایک سیاہ فام خاتون سے شادی کی۔

شیخ برعی کے بارے سوڈان ٹیلی ویژن کے اس پروگرام کے دوران آپ کی مصروفیات سے متعلق جو تصویری جھلکیاں دکھائی گئیں، ان میں حلقۂ ذکر، محفل میلاد و مناقب اولیاء کے مناظر، اجتماعی صورت میں نعت و مناقب پڑھنا، حالت قیام میں محافل میلاد کا انعقاد نیز ان محافل میں کھڑے ذکر مصطفیٰ ﷺ پر خوشی و راحت سے جھومنے کے مناظر دکھائے جاتے رہے۔

ان کے دیکھنے سے واضح ہوا کہ آپ کی محافل میں بچوں اور نوجوان نسل کی شمولیت پر خصوصی توجہ دی جاتی، علاوہ ازیں آپ کے والد گرامی کے گنبد سے مزین مزار، اس سے ملحق مسجد اور دیگر عظیم الشان عمارات نیز لنگر کے انتظامات پر مشتمل مناظر دکھائے گئے۔

پروگرام کا خاتمہ نعت مصطفیٰ ﷺ پر ہوا اور پانچ سوڈانی طلباء سفید لباس پہنے کھڑے ہو کر آمد مصطفیٰ ﷺ پر نعت پڑھتے ہوئے مسرت کے اظہار کے ساتھ جھوم رہے تھے۔

سوڈان ٹیلی ویژن پر پیش کیے گئے اس پروگرام کے فوری بعد خبرنامہ کا وقت تھا، جس میں آپ کی وفات آج کی دوسری اہم خبر کے طور پر سنائی اور دکھائی گئی۔ پہلی اہم خبر ملک کے صدر سے متعلق تھی۔ بتایا گیا کہ آج عاشوراء کے روز طلوع فجر کے وقت عارف باللہ، شیخ عبدالرحیم بن محمد وقیع اللہ برعی نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی، آپ کی نماز جنازہ زریبہ میں ادا کی گئی، جس میں ملک کے نائب صدر پروفیسر علی عثمان محمد طٰہٰ اور دیگر اعیان حکومت نے شرکت کی۔ مزید کہا گیا کہ آج مبلغ اسلام صوفی کامل عارف باللہ شیخ برعی کو اہل وطن نے الوداع کہا۔ آپ نے طویل مرض کے بعد وفات پائی، آپ امت اسلامیہ کے مشاہیر میں سے تھے اور سوڈان نیز دیگر ممالک کے ہزاروں افراد نے آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ آپ نے سوڈان میں نعت کے فروغ، رشد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کے شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ آپ اہل سوڈان کے لیے مثالی شخصیت اور صالح اعمال میں سالکین کے لیے منارۂ نور تھے۔

آپ طب نبوی کے ذریعہ علاج میں شہرت و کمال رکھتے تھے اور سوڈان ہی نہیں دیگر ممالک سے لوگ اس غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، نیز سیاسی میدان میں آپ نے ملک کے تمام اہم معاملات میں حصہ لیا۔ یقینی طور پر آپ کی یاد لوگوں کے دلوں میں باقی رہے گی اور

آپ کا ذکر رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

صدر سوڈان عمر البشیر نے اس موقع پر خصوصی بیان جاری کیا، جو وزیر اطلاعات عبد الباسط سیدرات نے خبرنامہ میں پڑھ کر سنایا۔ صدارتی بیان میں پوری امت مسلمہ، بالخصوص اہل سوڈان اور شیخ برعی کے مریدین ومحبین سے تعزیت وافسوس کا اظہار کیا گیا اور آپ کو کوکب وقمر قرار دیا گیا۔

خبرنامہ میں مزید بتایا گیا کہ آج سوڈانی کابینہ کا معمول کا اجلاس ملک کے نائب صدر علی عثمان محمد طٰہٰ کی سربراہی میں منعقد ہوا، جس میں شیخ برعی کی خدمات، نعت گوئی، اصلاح معاشرہ، حفظ قرآن مجید کے مدارس کا قیام وغیرہ کو سراہا گیا، نیز آپ کی شخصیت کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ آپ کے بلندی درجات کے لیے اراکین کابینہ وشرکاء نے دعا کی، نیز اہل سوڈان کو تعزیت پیش کی۔ اس اجلاس کے مناظر بھی دکھائے گئے۔

خبرنامہ میں کہا گیا کہ زریبہ گاؤں دنیا کے دیگر دیہاتوں کی طرح گم نام ہی رہتا، اگر آپ کا وجود اس میں نہ ہوتا۔ چناں چہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ سوڈان بھر اور دیگر ممالک سے اس گاؤں میں لوگوں کا سیلاب امنڈ پڑا ہے۔

خبر کے دوران آپ کی زندگی سے متعلق دستاویزی فلم دکھائی گئی، جس میں نعت خوانی، درس و تدریس اور دیگر اجتماعات میں آپ کی شمولیت کے مناظر تھے۔ نیز آپ کی مدح میں پڑھے گئے چند اشعار دکھائے اور سنائے گئے، ایک مصرعہ یہ ہے:

”عاش الشيخ البرعي حاملاً عطر المحبة السماوي“

نماز جنازہ وتدفین کے مناظر میں شدید ازدحام تھا اور دسیوں افراد ارد گرد کے بلند بانگ درختوں پر چڑھے نظر آئے اور فضا کلمہ طیبہ کے بلند اجتماعی ذکر وتکبیرات سے گونج رہی تھی۔

آخر میں بتایا گیا کہ اہل سوڈان کو درپیش اس رنج وملال کے موقع پر ایک اور افسوس ناک سانحہ کا سامنا کرنا پڑا اور ادریسی خانوادہ کے رہنما و اسلامی دنیا و ملک کی مشہور علمی شخصیت پروفیسر ڈاکٹر شیخ عبد الحال ادریسی، خرطوم سے شیخ برعی کی نماز جنازہ میں شرکت وتعزیت کے لیے جارہے تھے کہ راستہ میں آپ کی گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا، جس کے باعث آپ نے بھی وفات پائی۔

شیخ برعی کی وفات کو خبرنامہ میں تیرہ منٹ سے زائد وقت دیا گیا اور اس روز جو صاحب اکیلے خبریں پڑھ رہے تھے وہ سوڈان کے قومی لباس، سفید جبہ وپگڑی سے مزین تھے اور شیخ برعی کا اہل وطن کے ہاں مقام ومرتبہ وعقیدت، خبر پڑھنے کے دوران ان کے لب ولہجہ سے بھی بخوبی عیاں ہو رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے اور فیضان جاری وساری رکھے۔ آمین

کمپیوٹر انٹرنیٹ پر متعدد عربی ویب سائٹس پر شیخ برعی کے بارے میں معلومات ان دنوں دست یاب ہیں، ان میں سے تین کے پتے حسب ذیل ہیں:

WWW.SUDANHOME.COM

WWW.RAYAAM.NET

WWW.SUDANESEONLINE.COM

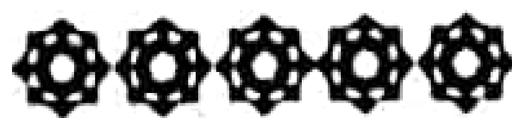
ان میں سے اوّل الذکر ویب سائیٹ پر ہے کہ شیخ عبدالرحیم برعی کی ولادت ۱۹۲۳ء میں ہوئی، آپ شافعی المذہب ہیں اور نعت ومناقب پر مشتمل تین تصنیفات یہ ہیں:

۱......بهجة الليالي و الايام في مدح خير الانام، ۲......رياض الجنة و نور الدجنة، ۳......فتح ذي المعارج في الشعر السوداني الدارج، جب کہ چوتھی منظوم تصنیف فقہ و توحید کے موضوع پر هداية المجيد نام کی ہے۔ آپ نے ۱۹۷۰ء کو زریبہ میں عظیم الشان دینی مدرسہ قائم کیا، جہاں سوڈان ہی نہیں دیگر ممالک کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں اور ۱۹۷۴ء میں سوڈان کے صدر جعفر نمیری نے زریبہ کا دورہ کیا، بعد ازاں ملک کے دیگر سربراہان بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ دارالحکومت خرطوم میں آپ کا قائم کردہ کئی منزلوں پر مشتمل برعی ہسپتال کمپلیکس فعال ہے، علاوہ ازیں ام درمان اسلامی یونیورسٹی میں آپ نے جدید تحقیقات کے لیے لیبارٹری قائم کی۔ مذکورہ یونیورسٹی نیز الجزیرہ یونیورسٹی نے مختلف اوقات میں آپ کو پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگریاں پیش کیں۔

اسی ویب سائیٹ پر آپ کا نعتیہ کلام اور مناقب موجود ہیں، جب کہ مذکورہ دوسری ویب سائیٹ پر آپ کی وفات پر ایک شاعر ایوب عبداللہ حمد کا تحریر کردہ مرثیہ درج ہے۔

تیسری ویب سائیٹ پر امریکہ کی ریاست ورجینیا میں مقیم عرب شاعر ابراہیم احمد شرق کے موزوں کردہ دو مرثیے موجود ہیں، جن میں سے ایک آپ کی رسم چہلم کی مناسبت سے لکھا گیا۔

یاد رہے ماضی میں شیخ عبدالرحیم برعی نام کے ایک اور مشہور نعت گو شاعر و عالم جلیل ہو گزرے ہیں، ان کا نعتیہ دیوان ۱۲۹۱ھ کو بمبئی سے شائع ہوا اور عرب دنیا میں منعقد ہونے والی محافل میلاد میں پڑھا جاتا ہے، وہ یمن کے باشندہ تھے اور انہوں نے ۸۰۳ھ/۱۴۰۰ء کو وفات پائی۔ اب ان دونوں میں تفریق یوں مشہور ہے کہ ایک برعی متقدم یا برعی یمانی اور دوسرے برعی متاخر یا برعی سوڈانی کہلائے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما



تاریخ تدوین فقہ

سید محمد عمیم الاحسان مجددی

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو اپنے استاد حماد کے انتقال کے بعد غالباً تدوین فقہ کا خیال پیدا ہو چکا ہوگا، جب کہ اسلامی مملکت کا رقبہ سندھ سے اندلس تک طولاً اور شمالی افریقہ سے ایشیائے کوچک تک عرضاً پھیلا ہوا تھا۔ اسلامی مدنیت میں بڑی وسعت آ چکی تھی، عبادات و معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو چکے تھے اور ہو رہے تھے کہ ایک مرتب قانون کے بغیر محض روایتوں اور وقتی طور پر واقعات و نوازل میں غور و فکر سے کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا۔ اس کے علاوہ سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے فقہی تعلیم و تعلّم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی، جس کا اب تک دستور تھا۔ ان حالات میں قدرتی طور پر اس خیال کا آنا ناگزیر تھا کہ فقہ کے جزئیات کو غور و فکر کے ساتھ اصول و ضوابط کے ماتحت ترتیب دے کر فن بنا دیا جائے اور اس فن کی کتابیں لکھی جائیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت ابتداء سے مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر مقنّنانہ واقع ہوئی تھی، علم کلام کے بحث و جدل نے اس کو اور جلا دے دی تھی۔

تجارت کی وسعت نے معاملات کی ضرورتوں سے بھی خوب مطلع کر دیا تھا، اطراف بلاد سے ہر روز سینکڑوں ضروری فتوے آتے تھے، جس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ملک کو اس کی کس قدر حاجت ہے۔ قضاۃ، احکام اور فیصلوں میں جو غلطیاں کرتے تھے، وہ بھی سامنے تھیں۔ غرض امام صاحب رضی اللہ عنہ ۱۳۲ھ میں بنی امیہ کے چنگل سے رہائی پاتے ہی اس طرف پوری طرح متوجہ ہو گئے۔

تدوین فقہ کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ عملی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب شریعت کے متعلق کتاب وسنت کی باتیں جو متفرق طور پر اہل علم میں شائع ہیں، ان میں ترتیب اور نظام قائم کر دیا جائے اور مسلمانوں کے عمل کے لیے آخری فیصلہ کن صورت متعین کر دی جائے، مگر چوں کہ شریعت محمدی ﷺ قیامت تک کے لیے ہے، نئے نئے حوادث و مسائل ہوتے رہیں گے، ان کے متعلق عین وقت پر کتاب وسنت سے حکم معلوم کرنے کے بجائے امکانی حد تک پہلے سوچ سمجھ کر تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے احکام معین کر دینا بھی اس کا ثانوی مگر اہم مقصد تھا، اس مقصد ثانوی کے لحاظ سے کوفہ تدوین فقہ کے مرکز ہونے کی بہت عمدہ صلاحیت رکھتا تھا۔ مختلف عربی اور عجمی تہذیبیں وہاں جمع تھیں، قسم قسم کے مسائل وہاں موجود تھے، اہل علم کا بھی کافی مجمع تھا، اس کے مقابلے میں عرب کے دوسرے شہروں کی تہذیب خالص عربی اور سادہ تھی۔

جامع فقہ کی تدوین کے لیے ایسے مقام کی ضرورت تھی جو ہر قسم کے مسائل کا جامع ہو۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس اعلیٰ پیمانے اور مضبوط طریقہ پر فقہ کی تدوین کرنا چاہتے تھے، وہ وسیع اور پُر خطر کام تھا، اس لیے انہوں نے اتنے بڑے کام کو صرف اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے چند نامور اشخاص چن لیے، جن میں سے اکثر خاص خاص علوم کے ماہر تھے، جن کی تکمیل فقہ کے لیے ضروری تھی۔ یہ حضرات استاذ زمانہ تسلیم کیے جا چکے تھے۔ مناقب موفق میں ہے:

فوضع ابو حنیفة مذهبه شوری بینهم لم یستبد فیه بنفسه دونهم ---- [مناقب موفق، جلد۲، صفحہ۱۲۳]

"تو امام ابوحنیفہ نے اپنے مذہب کو باہمی مشورہ پر مبنی کر دیا، مجلس شوریٰ سے الگ ہو کر فقہ کی تدوین کو صرف اپنی ذات سے وابستہ نہیں رکھا" ----

امام طحاوی[۱] نے بسند متصل اسد بن فرات تلمیذ امام مالک ؒ سے نقل کیا ہے کہ:

"اراکین مجلس تدوین فقہ چالیس تھے، سب کے سب فقہ میں درجۂ اجتہاد تک پہنچ چکے تھے، ان میں دس ممتاز ترین اہل علم پر مشتمل ایک خاص مجلس بھی تھی، جس کے رکن امام ابویوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمر، یوسف بن خالد اور یحییٰ بن ابی زائد وغیرہ

[۱] الجواہر المفید، جلد۱، صفحہ۱۴۰

رحمہم اللہ تعالیٰ تھے"-----

مجلس تدوین فقہ کے متعلق وکیع بن الجراح مشہور محدث کا قول ہے:

کیف یقدر ابوحنیفة ان یخطی و معه مثل ابی یوسف و زفر و محمد فی قیاسهم و اجتهادهم و مثل یحی بن زائدة و حفص بن غیاث و حبان و مندل فی حفظهم للحدیث و معرفتهم به و القاسم بن معن یعنی ابن عبد الرحمن بن عبد اللّٰه بن مسعود فی معرفته باللغة العربیة و داؤد بن نصیر الطائی و فضیل بن عیاض فی زهدهما و ورعهما فمن کان اصحابه هؤلاء و جلسائه لم یکن لیخطی لانه ان اخطأ ردوه الی الحق-----[جامع المسانید، صفحہ ۳۳ وخطیب]

"امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے کام میں غلطی کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ جب واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے لوگ قیاس واجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل جیسے ماہرین ان کی مجلس میں شریک تھے اور لغت وعربیت کے ماہرین میں قاسم بن معن یعنی عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود کے صاحب زادے جیسے حضرات شریک تھے اور داؤد بن نصیر طائی اور فضیل بن عیاض جیسے لوگ تقویٰ و ورع اور زہد و پرہیزگاری رکھنے والے موجود تھے تو جس کے رفقاء کار اور ہم نشین اس قسم کے لوگ ہوں، وہ غلطی نہیں کرسکتا، کیوں کہ غلطی کی صورت میں صحیح امر کی طرف یہ لوگ یقیناً واپس کردیتے ہوں گے"-----

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے طریقہ استنباط یہ رکھا کہ پہلے جواب مسئلہ کو کتاب اللہ سے استنباط کی کوشش کی جاتی، اگر اس میں کامیابی ہوجاتی، خواہ کتاب اللہ کی عبارت النص سے ہو یا دلالۃ النص سے یا اشارۃ النص سے یا اقتضاء النص سے، تو اسی کو متعین فرمادیتے، اگر کسی نہج سے کتاب اللہ سے براہ راست اس کا سراغ نہیں ملتا یا فیصلہ نہیں ہوسکتا تو پھر احادیث نبویہ میں تفتیش فرماتے۔ آخری بات جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، امام صاحب کی نظر اس پر رہتی تھی اور اسی کو اختیار کرتے تھے۔ اگر حجازی اور عراقی صحابہ کی مرفوع حدیثوں میں اختلاف ہوتا تو بنا بر فقہ راوی، افقہ کی روایت کو ترجیح دیتے۔ اگر احادیث نبویہ سے فیصلہ نہ ہوسکتا تو اہل افتاء صحابہ اور تابعین کے

اقوال اور فیصلے تلاش فرماتے، اجماع کی طرف رجوع کرتے، ایسے موقع پر اہل عراق صحابہ اور تابعین کے مذہب کو اختیار فرماتے، اگر یہاں بھی جواب نہ ملتا تو قیاس[۱] واستحسان[۲] سے مسئلہ کا حل فرماتے۔ مسئلہ پر غور کرتے ہوئے یہ بھی دیکھتے تھے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص کی حیثیت تشریعی یا غیر تشریعی ہے۔ اس ضمن میں مسائل کے اصول طے کرنے کی بھی ضرورت پڑتی تھی۔

نصوص میں ضابطہ کلیہ اور واقعات جزئیہ میں اگر تعارض ہوتا تو ضابطہ کی نص کو ترجیح دیتے اور واقعہ جزئی کی توجیہ کرتے۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا، اب تک اہل افتاء اور قضاۃ کا یہی دستور تھا کہ واقعہ ہو جانے کے بعد جواب سوچتے تھے، کوئی مدون قانون جو کتاب وسنت سے ماخوذ ومرتب ہو، ان کے سامنے نہیں تھا، بلکہ وقوع سے پہلے شرعی حکم سوچنے کو معیوب جانتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اس دستور کے خلاف تھے، فرماتے تھے:

''اہل علم کو چاہیے کہ جن باتوں میں لوگوں کو مبتلا ہونے کا امکان ہے، ان کو سوچ لینا چاہیے تاکہ اگر واقع ہو جائیں تو انہیں انوکھی بات نظر نہ آئے، جس سے لوگ پہلے سے واقف نہ ہوں، بلکہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان امور میں کسی کو مبتلا ہونا پڑے تو شرعاً ابتلا کے وقت کیا کرنا چاہیے اور مبتلا ہونے کے بعد شریعت نے ان کے لیے کیا صورت بتائی ہے'' ----- [مناقب موفق، صفحہ ۶۰]

قیس بن ربیع مشہور محدث کا قول ہے:

کان ابو حنیفة اعلم الناس بما لم یکن ----- [موفق]

''امام ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) ان مسائل کو جو واقع نہ ہوئے ہوں، سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے'' -----

اسی بنا پر مجلس تدوین فقہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان تمام فقہی مسائل پر بہ تفصیل غور فرمانا شروع کیا، جن کا واقع ہونا ممکن تھا۔

مجلس تدوین کا یہ طریقہ تھا کہ امام صاحب کے اردگرد اراکین مجلس (تلامذۂ امام) بیٹھ جاتے،

---

[۱] یعنی حمل النظیر علی النظیر یا نص کے مناط حکم کے دریافت کے بعد اس سے جواب مسئلہ استخراج کیا جاتا اور اس پر تفریع کی جاتی۔

[۲] یعنی قیاس کے مقابل کسی چیز سے قیاس خفی یا ضرورت یا عرف وتعامل وغیرہ سے مسئلہ حل فرماتے۔

امام صاحب ایک ایک کو بہ صورت[۱] سوال اور لوگوں کے خیالات کو الٹتے پلٹتے جو کچھ مجلس کے اراکین کی معلومات ہوتیں، سنتے، جو اپنا خیال ہوتا، ظاہر فرماتے، اگر تمام اراکین جواب مسئلہ میں متفق ہو جاتے تو اسی وقت قلم بند کر لیا جاتا۔ خدمت کتابت اسد بن عمر، یحییٰ بن زکریا بن ابی زائد اور امام ابو یوسف سے متعلق تھی۔ اختلاف کی صورت میں نہایت آزادی کے ساتھ بحثیں شروع ہو جاتیں اور یہ بحث کبھی مہینوں تک جاری رہتی۔ تلامذۂ امام، اپنے اپنے علم اور معلومات کے اعتبار سے بحث کرتے، ردو قدح جاری رہتی، امام ابو حنیفہ خاموشی سے سب کی تقریریں اور دلائل سنتے، البتہ بیچ بیچ میں آپ کی زبان سے بے ساختہ یہ آیت ''فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ وَ یَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ'' جاری ہو جاتی[۲] جب باتیں شروع ہو کر بہت بڑھ جاتیں تو امام صاحب اپنی تقریر فرماتے، بالآخر امام صاحب ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا اور مسئلہ کا ایک پہلو متعین ہو جاتا اور لکھ لیا جاتا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی بعض اراکین اپنی اپنی رائے پر قائم رہتے تو سب کے اقوال قلم بند کر لیے جاتے۔ اس کا بھی التزام تھا کہ جب تک شوریٰ کے تمام ارکین خصوصی جمع نہ ہو جائیں، کوئی مسئلہ طے نہ کیا جائے۔ یہ بھی دستور تھا کہ جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بحث مباحثے کے بعد آخری فیصلہ کن صورت اختیار کرتا تو ارکین شوریٰ:

---

[۱] امام شافعی کے مشہور تلمیذ امام ابن سریج کے سامنے کسی نے امام ابو حنیفہ کی برائی بیان کی، امام ابن سریج نے اس سے خفا ہو کر فرمایا: یا ھذا تقع فی رجل ''اے فلانے! ایسے شخص پر طعن کرتا ہے''-----

[۲] امام شافعی کے مشہور تلمیذ امام سریج کے سامنے کسی نے امام ابو حنیفہ کی برائی بیان کی، امام ابن سریج نے اس سے خفا ہر کر فرمایا:

یا ھذا فی رجل سلم له، جمیع الامة ثلثة ارباع العلم و هو لا یسلم لهلم الربع قال و کیف ذاک فقال العلم قسمان سوال و جواب و انه وضع المسائل فسلم له النصف ثم اجاب فیها فوافقوه فی النصف او اکثر فسلم له، لاربع و انما خالفوه فی الباقی و هو لا یسلم لهم ذٰلک فبقی الربع متنازعا فیه بینه و بین الکل -----[بزوری، صفحہ ۱۶]

''اے فلانے! ایسے شخص پر طعن کرتا ہے جس کے لیے امت نے تین چوتھائی علم مسلم رکھا اور ان کے لیے ایک ربع بھی مسلم نہیں رکھے۔ کہا کیسے؟ ابن سریج نے جواب دیا کہ علم کی دو قسمیں ہیں، سوال اور جواب۔ امام ابو حنیفہ نے سوالات وضع کیے تو نصف ان کے لیے مسلم ہو گیا، باقی نصف جواب کے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے نصف جواب کی موافقت امت نے کی تو ایک چوتھائی اور ان کے لیے مسلم ہو گیا، باقی چوتھائی میں مخالفت کی مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک مخالفت قابل تسلیم نہیں، تو چوتھائی علم بھی متنازع فیہ رہا''-----

کبروا جمیعا قالوا اللہ اکبر ----[موفق، صفحہ ۵۴، جلد۲]

''سب کے سب نعرہ تکبیر بلند کرتے اور اللہ اکبر کہتے'' ----

تقریباً بائیس برس کی مدت میں امام صاحب ﷺ کی مجلس تدوین فقہ کا مجموعۂ فقہی تیار ہو کر ''کتب ابی حنیفہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ مجموعہ تراسی ہزار دفعات پر مشتمل تھا، جس میں اڑتیس ہزار مسائل، عبادات سے متعلق تھے، پینتالیس ہزار دفعات کا تعلق، معاملات اور عقوبات سے تھا۔ اس میں انسان کے دنیوی کاروبار کے متعلقہ آئین و دستور اور معاشیات، سیاسیات اور منزلیات کے متعلقہ قوانین سب ہی تھے۔ انہی مسائل کے ضمن میں دقائق، نحو اور حساب کے ایسے ایسے دقیق مسائل بھی تھے، جن کے سمجھنے کے لیے عربیت اور جبر و مقابلہ کے ماہرین کی ضرورت ہو۔ اس مجموعہ کی ترتیب اس طرح تھی کہ اول باب الطہارۃ، پھر عبادات کے دوسرے ابواب ان کے بعد معاملات وعقوبات کے ابواب تھے، آخر میں باب المیراث تھا۔

یہ مجموعہ ۱۴۴ھ سے قبل مکمل ہو چکا تھا، مگر بعد میں بھی اضافے ہوتے رہے کیوں کہ بغداد جانے پر جیل خانے میں بھی یہ سلسلہ قائم رہا۔ امام محمد ﷺ کا تعلق امام صاحب ﷺ کی مجلس سے وہاں ہی ہوا۔ اضافہ کے بعد اس مجموعہ کے مسائل کی تعداد پانچ لاکھ[۱] تک پہنچ گئی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول ہے:

کتبت کتب ابی حنیفۃ غیر مرۃ کان یقع فیھا زیادات فاکتبھا ----[موفق، صفحہ ۶۸/۲۷]

''میں نے امام ابوحنیفہ (ﷺ) کی کتب کو متعدد بار لکھا، ان میں اضافے بھی ہوتے رہے، ان اضافات کو بھی لکھ لیا کرتا'' ----

[۱] خوارزمی کا بیان ہے:

قد قیل بلغت مسائل ابی حنیفۃ خمسمائۃ الف مسئلۃ و کتبہ و کتب اصحابہ تدل علی ذلک مع ما تضمن مذھبہ من المسائل الغامضۃ المشتملۃ علی دقائق النحو و الحساب ما یتعب استخراجھا العلماء بالعربیۃ و الجبر و المقابلۃ و فنون الحساب ----[جامع المسانید، صفحہ ۳۵]

''کہا گیا ہے کہ مسائل ابی حنیفہ کی تعداد پانچ لاکھ تک پہنچی ہے۔ امام صاحب اور ان کے تلامذہ کی کتابیں اس پر شاہد ہیں۔ اس کے ساتھ جو مسائل غامضہ مثلاً دقائق نحو، حساب، جبر و مقابلہ اور ادیب کے متعلقات اس میں ہیں، وہ اس پر مزید ہیں'' ----

اس مجموعہ نے امام صاحب ﷺ کے زمانے میں قبولیت حاصل کر لی اور جس قدر اجزاء تیار ہوتے تھے ساتھ ہی ساتھ ملک میں اس کی شاعت ہو جاتی تھی۔ اس کے باوجود آج ایک بھی نسخہ موجود نہیں۔

جب یہ مجموعہ مکمل ہو چکا تو امام ابوحنیفہ ﷺ نے اپنے تلامذہ کو جمع ہونے کا حکم دیا، کوفہ کی جامع مسجد میں ایک ہزار اہل علم شاگرد جمع ہوئے، جن میں سے چالیس وہ تھے جو مجلس تدوین کے رکن اور درجۂ اجتہاد تک پہنچے ہوئے تھے۔ امام صاحب ﷺ نے انہیں اپنے قریب بٹھایا اور اس طرح تقریر فرمائی:

"میرے دل کی مسرتوں کا سارا سرمایہ صرف تم لوگوں کا وجود ہے، تمہاری ہستیوں میں میرے حزن وغم کے ازالے کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ فقہ (اسلامی قانون) کی زین تم لوگوں کے لیے کس کر میں تیار ہو چکا ہوں، اس کے منہ پر تمہارے لیے لگام بھی چڑھا چکا ہوں، اب تمہارا جس وقت جی چاہے، اس پر سوار ہو سکتے ہو۔ میں نے ایسا حال پیدا کر دیا ہے کہ لوگ تمہارے نقش قدم کی جستجو کریں گے اور اسی پر چلیں گے۔ تمہارے ایک ایک لفظ کو لوگ اب تلاش کریں گے۔ میں نے گردنوں کو تمہارے لیے جھکا دیا اور ہموار کر دیا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم سب علم کی حفاظت میں میری مدد کرو، تم سب میں سے چالیس آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک عہدۂ قضا کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور ان میں دس آدمی ایسے ہیں جو صرف قاضی نہیں بلکہ قاضیوں کی تربیت و تادیب کا کام بھی بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ میں تم سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں اور علم کا جو حصہ آپ لوگوں کو ملا ہے، اس کی عظمت و جلالت کا حوالہ دیتا ہوں، میری تمنا ہے کہ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچاتے رہنا اور تم میں سے کسی کو قضا کی ذمہ داریوں میں مبتلا ہونا پڑے تو میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ایسی کمزوریوں کا، جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں، جان بوجھ کر اپنے فیصلوں میں جو لحاظ کرے گا، اس کا فیصلہ جائز نہ ہوگا۔ نہ اس کے لیے خدمت قضا حلال ہے، نہ اس کی تنخواہ لینا درست ہے۔ قضا کا عہدہ اسی وقت تک صحیح اور درست ہے، جب تک کہ قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو، اسی قضا کی تنخواہ حلال ہے۔ بہر حال ضرورت کو دیکھ کر اس عہدے کی ذمہ داریوں کو تم میں سے جو قبول کرے، میں وصیت کرتا ہوں کہ خدا کی عام مخلوق اور اپنے درمیان روک ٹوک کی چیزوں کو مثلاً دربان، حاجب وغیرہ کو حائل ہونے نہ دے، پانچ وقت کی نماز مسجد میں پڑھے، ہمیشہ

لوگوں کی حاجتیں پوری کرنے کو تیار رہے، امام یعنی مسلمانوں کا امیر، اگر مخلوق خدا کے ساتھ کسی غلط رویہ کو اختیار کرے تو اس امام سے قریب ترین قاضی کا فرض ہوگا کہ اس سے باز پرس کرے'' ------[معجم المصنفین، صفحہ ۵۵، جلد ۲ وغیرہ]

اس تقریر کے بعد فقہی مجموعہ کی اہم حیثیت واضح ہوگئی، ملک میں شہرت عام ہوگئی، غالباً اسی کے بعد خلیفہ منصور نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو بغداد طلب کیا اور عہدہ قضا پیش کیا۔ مگر امام صاحب نے قبول نہیں کیا، جس کی تفصیل گزر چکی۔

خلافت راشدہ میں عدلیہ ہمیشہ خلافت کے دباؤ سے آزاد [۱] رہا۔ قضا کا تقرر، عمل، علم وفضل، تقویٰ ودیانت اور فہم وفراست کی بنیاد پر ہوتا تھا۔

اموی اور عباسی عہد میں قضاء کی یہ دونوں خصوصیتیں ختم ہوچکی تھیں، عدلیہ خلیفہ اور اس کے درباریوں کے [۲] دباؤ میں آچکا تھا۔

---

[۱] حموی حاشیہ الاشباہ میں لکھتے ہیں:

و قد صح ان عمر لما كثر اشتغاله قلد القضاء ابا الدرداء و اختصم اليه رجلان فقضى لاحدهما ثم اتى المقضى اليه عمر فساله عن حاله؟ فقال قضى على فقال لو كنت انا مكانه لقضيت لك. فقال له ما يمنعك عن القضاء. فقال له ليس هناك نص و الرائے مشترک-----

''یہ امر بسند صحیح ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ملکی مشاغل جب بڑھ گئے تو انہوں نے قضا حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا۔ انہی دنوں میں دو آدمی جھگڑتے ہوئے پہنچے، حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ایک کے حق میں فیصلہ دیا، پھر جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حال پوچھا، اس نے جواب دیا، میرے خلاف فیصلہ ہوا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر میں فیصلہ کرتا تو تمہارے حق میں فیصلہ کرتا۔ اس شخص نے کہا، آپ تو خلیفہ ہیں کیوں اپنی رائے کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس مسئلہ میں شریعت کی جانب سے کوئی صراحت نہیں اور عقل اور رائے مشترک چیز ہے یعنی ہر شخص کی علیحدہ ہوسکتی ہے'' -----

[۲] فصل قضایا میں خلفاء کی دخل اندازی اور بے جا طرف داری اور پھر قاضی نے اگر حق سمجھتے ہوئے خلفاء یا ان کے درباریوں کے خلاف کیا یا رعایت نہ کی تو ذلت کے ساتھ قاضی کی معزولی کے واقعات بنی امیہ اور خلفاء عباسیہ کے یہاں ہارون الرشید تک مسلسل ملتے ہیں۔ منصور کے زمانہ میں قاضی شریک کا حشر گزر چکا، اب منصور کے بیٹے خلیفہ مہدی کی حکومت کا واقعہ سنئے:

مہدی نے بصرہ کا قاضی عبیداللہ بن حسن کو مقرر کیا، ان کی عدالت میں ایک تاجر نے مہدی کے ایک فوجی آفیسر کے خلاف مقدمہ دائر کیا، ادھر دارالامارہ سے مہدی کا یہ پیغام پہنچا: [بقیہ اگلے صفحہ پر]

اسی طرح علم و دیانت کی رعایت [۱] بھی ختم کی جا چکی تھی، جس کی وجہ سے قاضیوں کے فیصلوں میں غلطیاں اور کمزوریاں [۲] عام تھیں۔

پہلی وجہ کا علاج تو صرف یہی تھا کہ خلفاء بے جا رعایتیں چھوڑ دیں۔ قولاً، فعلاً، قاضیوں کو فیصلہ کی آزادی دیں اور دوسری وجہ کے اصلاح کی صورت یہ تھی کہ کوئی مدون اسلامی قانون ہو جس کے مطابق قاضی فیصلہ کریں تاکہ غلطیوں کا امکان کم ہو جائے۔

اہل علم و فضل صرف دوسری وجہ کی اصلاح کے ذمہ دار تھے۔ امام اعظم ابوحنیفہ ؓ نے تدوین فقہ سے اس فریضہ کو پورا کر دیا اور جب اسلامی قوانین مرتب ہو گئے تو انہوں نے اپنے شاگردوں کو عہدۂ قضا قبول کرنے کی اجازت دے دی، بشرطیکہ اس بات کی ضمانت ہو کہ خلفاء کی طرف سے بے جا طرفداری اور غلط دخل اندازی نہ ہو، عدلیہ آزاد رہے۔

امام صاحب کے عہد میں یہ آزادی مفقود تھی، اس لیے انہوں نے خود عہدۂ قضا قبول نہیں کیا اور اسی آزادی کی جدوجہد میں وہ شہادت سری کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔

امام ابوحنیفہ ؓ کے بعد جب عدلیہ کو آزادی میسر ہوئی، امام صاحب ؓ کے تقریباً پچاس

[از صفحہ گزشتہ]

نظر الی الارض التی یخاصم فیھا' فلان التاجر و فلان القائد فاقض بھا للقائد------

''دیکھو! فلاں تاجر اور فلاں فوجی افسر کے درمیان جس زمین کا جھگڑا ہے، اس مقدمہ میں فیصلہ قائد کے حق میں دو''-----

مگر قاضی صاحب نے اس فرمان کی پروانہ کی، چوں کہ تاجر قاضی کے یہاں حق پر ثابت ہوا، اس لیے تاجر کے حق میں فیصلہ دیا، نتیجہ کیا ہوا:

فعزلہ المھدی----[تاریخ خطیب، صفحہ ۳۰۹، جلد ۱۰]

''تو خلیفہ مہدی نے قاضی کو معزول کر دیا''-----

[۱] مثلاً اموی عہد کے اوائل میں مصر کے قاضی عابس کے نام ملتا ہے، جو لکھنا جانتا تھا، نہ پڑھنا، نہ اس نے پورا قرآن پڑھا تھا، نہ وہ علم فرائض سے واقف تھا، مگر وہ پورے مصر کا قاضی تھا۔ یہ اس صلے میں یزید کی بیعت کے لیے مصر میں اس نے بڑا کام کیا تھا [حسن المحاضرہ] یہ تو صرف ایک مثال ہے، ورنہ قاضیوں کے تقرر میں جو بے اعتنائی برتی جاتی تھی اور جس خود غرضی کا مظاہرہ کیا جاتا تھا، اس کی داستان طویل ہے۔ مشہور عابد، فقیہ، تلمیذ امام مالک و من خواص اصحاب ابی یوسف یعنی بشیر بن ولید کا قول فہرست ابن ندیم صفحہ ۲۸۷ میں ملاحظہ فرمائیے۔

[۲] عباسی عہد کے بعض قضاۃ کے فیصلے اور امام ابوحنیفہ ؓ کی ان پر بے لاگ تنقیدیں سیرۃ النعمان (علامہ شبلی) اور امام ابوحنیفہ ؓ سیاسی زندگی (علامہ گیلانی) میں ملاحظہ فرمائیے----۱۲

شاگردوں نے مختلف وقتوں میں عہدۂ قضا قبول کیا اور وہ امام صاحب ﷺ کے فقہی مجموعہ کے مطابق فیصلہ کرنے لگے۔

ہارون الرشید کے عہد میں امام ابو یوسف ﷺ قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، مملکت عباسیہ میں مغرب سے مشرق تک قاضیوں کا تقرر انہی کے ہاتھوں انجام پانے لگا۔ امام ابوحنیفہ ﷺ کی مدون کردہ فقہ کا نام فقہ حنفی ہوا جو سارے ملک میں پھیل گئی۔ یحیٰ بن آدم کا قول ہے:

قضی بہ الخلفاء و الائمۃ و الحکام و استقر علیہ الامر ----- [موفق، صفحہ ۴، ۲۷]

''خلفاء، ائمہ اور حکام، امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ کے مدونہ قوانین پر فیصلہ کرنے لگے اور بالآخر اسی پر عمل قائم ہو گیا'' -----

امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ کی فقہ کو دنیا میں جو حسن قبول حاصل ہوا، وہ محتاج بیان نہیں۔ تیسری صدی سے دنیائے اسلام میں اس کو عام مقبولیت حاصل ہونے لگی، اس کے بعد عموماً ہر زمانے میں حکومت اور عوام کی اکثریت کا مذہب یہی رہا، دنیا کی دو ثلث آبادی اسی فقہ کی پیرو ہے۔

شیخ محمد طاہر فتنی صاحب مجمع البحار (متوفی ۹۸۶ھ) بحوالہ محدث کرمانی شافعی شارح بخاری (متوفی ۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

''اگر اس مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز نہ پوشیدہ ہوتا تو نصف یا اس کے قریب مسلمان اس مذہب کے مقلد نہ ہوتے۔ ہمارے زمانے تک جس کو امام صاحب ﷺ سے تقریباً ساڑھے چار سو برس کا عرصہ ہوتا ہے، ان کی فقہ کے مطابق اللہ وحدہٗ کی عبادت ہو رہی ہے اور ان کی رائے پر عمل ہو رہا ہے۔ اس میں اس کی صحت کی اول درجہ دلیل ہے'' ----- [المغنی، صفحہ ۸۰]

ملا علی قاری (متوفی ۱۰۱۴ھ) دسویں صدی کے آخر، گیارہویں صدی کے شروع میں لکھتے ہیں:

الحنفیۃ ثلثی المؤمنین.......... ----- [مرقات، صفحہ ۲۴، ۳۴]

''حنفیہ کل مسلمانوں کے دو تہائی ہیں.......... ممکن ہے اب کچھ زیادہ ہی ہوں۔

و اللہ تعالیٰ اعلم'' ----

فقہ حنفی کی مقبولیت کی وجہ اس کی یہ چند اہم خصوصیتیں ہیں:

1 اس کے مسائل حکم و مصالح پر مبنی اور رعایت روایت کے ساتھ اصول درایت کے عین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

مطابق ہیں۔

2 فقہ حنفی دوسری تمام فقہوں کی بہ نسبت نہایت آسان اور یسیر العمل ہے۔

3 فقہ حنفی میں معاملات کے حصہ میں وسعت، استحکام اور باقاعدگی، جو تمدن کے لیے بہت ضروری ہے، تمام فقہوں سے زیادہ ہے۔

4 فقہ حنفی نے غیر مسلم رعایا کو نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے، جس سے نظم مملکت میں بڑی سہولت ہوتی ہے۔

5 احکام منصوصہ میں امام ابوحنیفہ ﷺ نے جو پہلو اختیار کیا ہے، عموماً وہ نہایت قوی او مدلل ہوتا ہے۔

ان خصوصیات کی تفصیل کے لیے سیرۃ النعمان، علامہ شبلی، حصہ دوم ملاحظہ فرمائیے۔



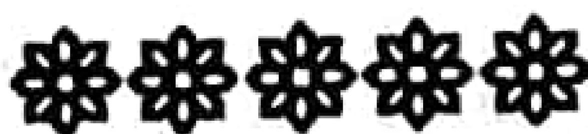
دینی مدرسہ

مدرسہ ہے علم کی بارش کے تالابوں کا نام
مدرسہ صفحاتِ دل پہ پھیلتی تحریر ہے
کعبۂ افکار کا میزاب کیا ہے؟ مدرسہ
مدرسہ تو خشک سالی کے لیے اِک جھیل ہے
عہد نبوی کی ہوا کا بس یہ روشن دان ہے
قدسیوں کے روپ میں انسان ڈھلتے ہیں یہاں
تازہ ہر دم جذبۂ ایمان ہوتا ہے یہاں
ظلمتوں کے غول میں ہے مدرسہ راہ نجات
چاند جن سے چمک مانگے یہ ان ہیروں کا صدف
مدرسہ ہے جسد ملت کے لیے تاب و تواں
کون کہتا ہے مقفل ہو سکے گا مدرسہ
مدرسہ کوئی اینٹ گارے کے ستوں کا نام ہے؟

مدرسہ ہے فیض کے پُر کیف سیلابوں کا نام
مدرسہ تعمیر سیرت کے لیے اکسیر ہے
قبلۂ افکار کا محراب کیا ہے؟ مدرسہ
مدرسہ تو مقصدِ انسان کی تکمیل ہے
اس کے موسم کی فضا قرآن ہی قرآن ہے
لشکر اسلام کے تو شیر پلتے ہیں یہاں
کہکشاں کے نور کا سامان ہوتا ہے یہاں
تلخی ہائے مرگ میں ہے مدرسہ آبِ حیات
تاروں سے کم تر نہیں اس کی مٹی کے خذف
مدرسہ ہے حسن ظاہر، مدرسہ سوز نہاں
جب تلک ہے روح ملت اس وقت تک ہے کھلا
مدرسہ تو ایک جذبہ اور جنوں کا نام ہے

قلم آصف کی سیاہی شبنمِ تدریس ہے
راہ روِ منزل کا اب تک مرحلۂ تاسیس ہے

علامہ محمد آصف اشرف جلالی



جمالِ آرزو

میرے اللہ! مدینے کا سفر مانگتا ہوں
اور وہاں رہنے کو اک چھوٹا سا گھر مانگتا ہوں

جس میں سودائے محمد ہو وہ سر مانگتا ہوں
ذوق نظارہ ہو جس کو وہ نظر مانگتا ہوں

جو شب و روز رہے ہجر نبی میں پُرنم
تیری سرکار سے وہ دیدۂ تر مانگتا ہوں

ہے تری ذات سمیع اور مجیب الدعوات
آہ میں سوز، دعاؤں میں اثر مانگتا ہوں

میرے معبود! تری شان کریمی کے طفیل
دردِ دل، حسن نظر، سوز جگر مانگتا ہوں

ہو مقدر میں مرے شہر مدینہ کا قیام
سبز گنبد پہ عقیدت کی نظر مانگتا ہوں

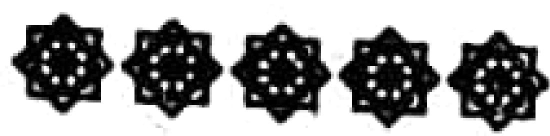
دل وہ کر مجھ کو عطا جس کو لگن ہو تیری
جو ترے در سے نہ اٹھے میں وہ سر مانگتا ہوں

خالق نور! سیہ خانۂ دل کی خاطر
تجھ سے میں روشنئ شمس و قمر مانگتا ہوں

باب رحمت سے ترے مجھ کو ہے امید کرم
اس لیے تجھ سے میں بے خوف وخطر مانگتا ہوں

جیتے جی مجھ کو مدینے کی زیارت ہو نصیب
اے قمرؔ! میں یہ دعا شام و سحر مانگتا ہوں

قمر یزدانی



گزشتہ دنوں وابستگان دارالعلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف میں سے:
مولانا محمد عارف نوری، سبزہ زار سکیم لاہور کی ماں صاحبہ---
مولانا الحاج نذر محمد نوری، چک 187/E.B گگو منڈی کی ہمشیرہ صاحبہ---
حافظ باغ علی نوری، چک 165/E.B شہزادہ آباد عارف والا کی والدہ صاحبہ---
قاری اللہ دتہ نوری، اوکاڑا کے سسر حاجی محمد علی---
مولانا قاری محمد حسن، حسن علویہ اکیڈمی حویلی لکھا کے چچا جان---
حافظ فلک شیر نوری، مدرس شعبۂ حفظ دارالعلوم ہذا کی نانی صاحبہ---
مولانا عبدالغفور نوری، بستی سیدن سائیں دیپال پور کی نانی جان---
چودھری محمد صدیق ڈار نوری، میاں چنوں کی ہمشیرہ صاحبہ---اور
خطیب شہیر مولانا حافظ محمد فاروق خان سعیدی، ملتان کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئے---

انا للہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے----

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ

مقالاتِ حکمت

14-اگست

ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہ

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیک و علیٰ آلک وسلم!

آج ۱۴/اگست ہے--- آج کے دن بھٹنڈا سے لے کر راج پورہ تک مسلمانوں کا قتلِ عام جاری تھا اور میں موجود تھا--- میں کیسے بتاؤں اور کیا بتاؤں کہ اس وقت کیا ہو رہا تھا--- وحشت و درندگی کے ایسے مناظر تاریخ نے اس سے پہلے کم ہی دیکھے ہوں گے--- فاتحانہ قہقہوں کے ساتھ معصوم شیر خوار بچوں کو نیزوں پہ اچھالا گیا، جیسے خون خوار درندہ اپنے شکار کو اچھالتا ہے اور اسے بے بس پا کر اس سے کیا کیا کھیل کرتا ہے--- پردہ دار خواتین جنہوں نے کبھی گھر کی دہلیز سے قدم باہر نہ رکھا تھا، کتنی بے چارگی کے عالم میں گھر سے بے گھر ہوئیں--- راج پورہ سے امرتسر تک ہر ریلوے اسٹیشن پر شہید کی جانے والی عزت مآب بیٹیوں کے کٹے ہوئے، لٹکتے ہوئے سر، انہیں کے بالوں کے ذریعے درختوں پہ آویزاں کیے گئے اور ان کے کٹے ہوئے، لٹکتے ہوئے ماتھوں پہ خون سے ”جے ہند“ کے الفاظ لکھے گئے--- یہ انسانی وحشت و درندگی کی انتہا تھی---

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیک و علیٰ آلک وسلم!

کسی کی عزت محفوظ رہی نہ آبرو--- انسانی عصمت، انسان نما درندوں کی ہوس کا شکار ہو گئی--- اس وقت غیرت مند قوم کی بیٹیوں نے اپنی عصمت بچانے کے لیے جو کچھ کیا اس کے

تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں--- کسی نے اپنے آپ کو چھری مار کر ختم کر ڈالا اور کسی نے پتھر سے اپنے ہاتھوں اپنا سر کچل لیا--- اور کچھ نہ ہو سکا تو ساگ چیرنے والی درانتیوں سے ہی اپنے گلے کاٹ ڈالے--- پناہ گاہ نہ ملی تو کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں اور نہروں میں ڈوب گئیں--- چھتوں سے کود کر اپنی زندگی کا چراغ بجھا دیا، لیکن دامنِ عصمت کو داغ دار نہ ہونے دیا--- باپ کی عزت اور بھائی کی غیرت نے خود کو مجبور پایا تو اپنی ہی بہنوں اور بیٹیوں کو اپنے ہی ہاتھوں ختم کر ڈالا اور غیرت کی موت کو بے غیرتی کی زندگی پر ترجیح دی---

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیک وعلیٰ آلک وسلم!

اس وقت اس امت پہ کڑا وقت طاری تھا--- ہندوستان بھر میں مسلمانوں پر ان کے اپنے ہی وطن کی سرزمین تنگ ہو گئی تھی--- جن گلی کوچوں میں وہ پلے اور بڑھے تھے، کس مپرسی کے عالم میں آج وہ ان سے نکلنے پہ مجبور تھے--- لٹے پٹے قافلوں کی صورت میں سفر کے دوران بھی موت ہر کہیں ان کا پیچھا کر رہی تھی--- زندوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی اور بے گور و کفن لاشیں خاک و خون میں لت پت، ادھر ادھر بکھری پڑی تھیں--- بے بسی اور بے کسی کے اس عالم میں کوئی کسی کا پرسان حال نہ تھا---

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیک وعلیٰ آلک وسلم!

چاروں طرف آگ بھڑکی ہوئی تھی، جس میں زندہ جانیں صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے جلائی جا رہی تھیں--- آگ لگانے اور بھڑکانے والے ہزاروں تھے، بجھانے والا کوئی نہ تھا--- میں یہ دردناک منظر دیکھ رہا تھا اور میری آنکھیں ان مظلوموں کے حال زار پر آنسو بہا رہی تھیں--- اس دن ہی کے روح فرسا منظر کو دیکھ کر زندگی نے دنیا کو اپنے لیے حرام قرار دیا---

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیک وعلیٰ آلک وسلم!

آپ صلی اللہ علیک وعلیٰ آلک وسلم کے پروانوں نے اس بے کسی کی حالت میں بھی غیرت کے کیا کیا نمونے پیش کیے--- ہجرت کے دوران سدھواں جگراؤں، ضلع لدھیانہ میں مہاجرین کا کیمپ تھا، ایک دن چند ڈوگرے سپاہی گنیں لیے کیمپ میں آ دھمکے--- ایک بوڑھے مسلمان کی نوجوان لڑکی کو بازو سے پکڑ لیا اور اپنے ساتھ چلنے پہ مجبور کرنے لگے--- ابھی وہ دو ہی قدم چلے ہوں گے کہ ایک نوجوان جو پولیس کی تین فیتے والی قمیص پہنے بیٹھا کھانا پکا رہا تھا، لپک کر اٹھا، ادھر ادھر دیکھا، کوئی ہتھیار نظر نہ آیا، چولہے سے جلتی ہوئی ایک کھلپاڑی ہی کھینچ لی اور اس جوش سے ان

کے سر پہ جا دھمکا کہ ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ ہکا بکا اسے تکتے رہ گئے --- اس نے آگے بڑھ کر ایسے زور سے وہ کھلپاڑ ایک ڈوگرے سپاہی کے سر پہ ماری کہ اس کا سر لکڑی کی طرح پھانک پھانک ہو گیا اور وہ زمین پہ گرنے سے پہلے ہی جہنم میں جا پہنچا ---

اگرچہ اس سپاہی کے ایک ساتھی کی گولی سے وہ غیرت مند جوان شہید ہو گیا، لیکن ایسی دھاک بیٹھ گئی کہ پھر کسی ڈوگرے کو کیمپ میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہو سکی، جب کہ یہ کیمپ کئی ماہ تک وہاں رہا --- ایک شہادت کی برکت وعظمت پورے کیمپ کی عصمت کی پاسبان بن گئی ---

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیک و علیٰ آلک وسلم!

میں اپنے ہم وطن ان بچوں کے جذبۂ ایمانی کو سلام کرتا ہوں، جنہوں نے راہ حق میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ملت کو ہمیشہ کے لیے سر بلند کر دیا --- ان عفت مآب خواتین اسلام کو سلام پیش کرتا ہوں، جنہوں نے اپنی جانوں پہ کھیل کر ملت کی آبرو کو بے آبرو نہ ہونے دیا --- ان باہمت نوجوانوں اور جواں ہمت بوڑھوں کو سلام کرتا ہوں، جنہوں نے اپنا سب کچھ قربان کر کے ملی غیرت وحمیت اور حریت کے جذبے کو ہمیشہ کے لیے مٹنے سے بچا لیا ---

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیک و علیٰ آلک وسلم!

کسی پہ اپنی پیاری چیز کو قربان کرنا وفا کی حد اور اپنی جان تک قربان کر دینا فدا کی حد ہے --- آپ صلی اللہ علیک و علیٰ آلک وسلم کی امت کے ان سب باوفا شہیدوں کو ہم خاک نشینوں کا انتہائی محبت وعقیدت بھرا اسلام قبول ہو ---

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیک و علیٰ آلک وسلم!

یہ قربانی اسلام کے لیے دی گئی، قبول فرما کر اس کا بول بالا فرمائیں۔ آمین

بے شک جانیں قربان کرنے والے اور اسلام کی خاطر اپنے گھر بار چھوڑنے والے یہ اہل اسلام اگر اسلام سے منہ موڑ لیتے اور بتوں سے رشتہ جوڑ لیتے اور "لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ" کی بجائے "ہری اوم ہری اوم" کے کلمات ان کی زبانوں پہ جاری ہو جاتے تو اپنے ہی وطن کی سرزمین ان پہ یوں تنگ نہ کی جاتی --- مبارک ہو ان سب کو، جو شعلوں سے ٹکرا گئے، مگر ایمان کی دولت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا --- جنہوں نے مظلومیت کی موت قبول کر لی لیکن کفر کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا --- حق کی خاطر بے گھر ہونے والوں اور راہ حق میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والوں کو قرآن کریم کا یہ مژدۂ جاں فزا مبارک ہو:

"سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور قتل کیے گئے، میں ضرور ان سے ان کے گناہوں کو دور کروں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں، یہ جزا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ ہی کے پاس اچھا اجر ہے" --- [آل عمران: ۱۹۰]

میرے آقا روحی فداہ صلی اللہ علیک و علی آلک و سلم!

یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ یہ خون رنگ نہ لائے؟ ضرور لائے گا، لا کر رہے گا اور کبھی رائیگاں نہیں جائے گا، ان شاء اللہ --- ہجرت کے بعد نصرت اور شکست کے بعد فتح، مومن کے ایمان کا وہ جزو ہے جسے کوئی کبھی نہیں جھٹلا سکتا ---

یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم یا حی یا قیوم!

تیرے لطف و کرم سے تیرے اس ملک کے دشمنان و حاسدان اور بدخواہان پہ تیرا رعب طاری ہو اور تیری جلالت ان کے ناپاک عزائم کو ناکام کر دے، ان کے منصوبوں کو مسترد کر دے، ان کے اقدام ڈگمگا دے، ان میں پھوٹ ڈال دے اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے --- یا حی یا قیوم آمین حٰمٓ O لا ینصرون ---

یا اللہ! تو اپنی عظمت کے نور کے صدقے ہمارے دشمنان و حاسدان کے شیرازے بکھیر دے، ان کی بندھی ہوئی صفوں کو توڑ دے، ان کی تجاویز رد کر دے، ان سب پہ اپنی دہشت غالب کر دے، ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دے --- یا حیُّ یا قیُّوم

یا اللہ! تیری رحمت جوش میں آئے اور ہم مسلمانوں کو ہمارا کھویا ہوا اتحاد پھر سے عنایت ہو ---

یا اللہ! ہم جیسے بھی ہیں، تیرے ہیں، اپنے حبیب اقدس ﷺ کے صدقے ہم پہ اپنی رحمت نازل فرما اور ہمیں ہر میدان میں فتح و کامرانی بخش --- آمین

تیرے لطف و کرم سے تیری اس مملکت سے اسلام کا بول بالا ہو اور پوری آب و تاب سے ہو --- آمین یا حیُّ یا قیُّوم

حضرت سرکار فیض عالم سید علی ہجویری داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فیض سرمدی سے فیض کے جو چشمے اس ارض مقدس پہ ابل رہے ہیں، دعا ہے یہ چشمے قیامت تک جاری و ساری رہیں، کسی دشمن کو کسی بھی حرکت پہ کوئی جرأت نہ ہو --- آمین یا حیُّ یا قیُّوم



C:\FAIZ\SAFAR22.INP

سفرِ محبّت

۲۲ ویں قسط

بغدادِ معلّٰی میں پانچواں دن

شیخ حسین بن منصور حلّاج قدس سرہ العزیز

(صاحبزادہ) محمد محبّ اللہ نوری

مقابر غزالی کی حاضری کے بعد ہم شیخ حسین بن منصور حلاج کے دربار پر حاضر ہوئے----- یہ وہی بزرگ ہیں، جنھوں نے ایک خاص وجدانی کیفیت میں انا الحق کا نعرہ لگایا----- جس کی پاداش میں آپ کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا----- (اب آپ آگے پڑھیے)

حضرت شیخ ابو المغیث حسین بن منصور حلاج کے بارے میں اہل طریقت و شریعت کے ہاں دو قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں اور دونوں میں بُعد المشرقین ہے----- بعض حضرات نے آپ کو طبقۂ صوفیاء اور اولیاء میں شمار کیا ہے، جب کہ بعض دیگر حضرات نے انہیں ولی تو کیا شعبدہ باز، ساحر اور زندیق قرار دیا ہے----- (۱)

جو حضرات انہیں صاحب مرتبہ مانتے ہیں، وہ غلبۂ حال میں آپ کی زبان و قلم سے

نکلے ہوئے الفاظ کو قابل تاویل اور قائل کو معذور تصور کرتے ہیں-----وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ اہل ابتلاء میں سے ہیں-----اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی بلندی درجات کے لئے انہیں طرح طرح کی آزمائشوں میں مبتلا فرماتا ہے' جس طرح حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر اکابر اہل علم کو حاسدین' بدخواہوں اور ظالم حکمرانوں کی ناعاقبت اندیشی کی بنا پر مصائب کا سامنا کرنا پڑا' اس طرح شیخ حسین بن منصور حلاج کو بھی امتحان کی بھٹی سے گزرنا پڑا-----

آپ کی قبولیت عامہ اور علم و فضل کی وجہ سے حاسدین کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا-----وزیر مملکت حامد بن عباس کو آپ سے خواہ مخواہ کی عداوت ہو گئی' جس کی بنا پر اس نے قاضی وقت اور علماء کو ان کی تکفیر پر مجبور کیا اور ناحق آپ کو تختہ دار پر لٹکایا گیا-----حضرت مولانا روم قدس سرہ العزیز مثنوی شریف میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

چوں قلم در دست غدارے فتاد
لا جرم منصور بر دارے فتاد

ولادت

آپ کی ولادت فارس کے ایک بڑے شہر بیضاء میں "طور" نامی علاقہ میں ہوئی-----کہتے ہیں کہ یہ شہر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنوں نے سفید پتھروں سے تعمیر کیا' اسی لئے اسے بیضاء کہتے ہیں-----یہ شہر اپنی آب و ہوا اور زرخیزی و شادابی کے اعتبار سے بہت خوش گوار ہے-----یہاں سانپ' بچھو وغیرہ موذی جانور نہیں پائے جاتے-----یہاں کے انگور اتنے بڑے تھے کہ ایک ایک دانہ

دس مثقال (چھیالیس گرام) وزنی ہوتا تھا اور سیب کی گولائی دو بالشت کی مقدار تھی-----(۲)

نام و لقب

آپ کا نام حسین ہے، مگر عوام بلکہ کسی قدر خواص میں بھی منصور کے نام سے مشہور ہیں، جب کہ منصور دراصل آپ کے والد کا نام تھا----- آپ کی کنیت ابو المغیث تھی اور بعض نے ابو عبداللہ بیان کی ہے-----(۳)

آپ کا لقب حلاج تھا-----اس کا سبب یہ ہے کہ آپ ایک روئی دھننے والے کی دوکان پر پہنچے، آپ نے اسے کسی کام سے بھیجنا چاہا، دھنیے نے کہا، مجھے فرصت نہیں ہے-----آپ نے فرمایا، تو میرا کام کر دے، میں تیرا کام کرتا ہوں-----چنانچہ وہ چلا گیا، واپس لوٹا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ دوکان میں ذخیرہ کی ہوئی تمام روئی دھنی جا چکی تھی (جسے ایک مدت میں دھننا دشوار تھا)-----اسی وجہ سے آپ کا لقب حلاج مشہور ہو گیا-----(۴)

خطیب بغدادی نے لقب حلاج کی ایک اور وجہ بھی تحریر کی ہے اور وہ یہ کہ آپ لوگوں کے دلوں کے بھید بیان کر دیا کرتے تھے، ان کے مخفی اسرار کو ظاہر کر دیتے، اس بنا پر لوگ آپ کو حلاج الاسرار کہتے (۵) رفتہ رفتہ اختصار کے پیش نظر آپ کو حلاج کہا جانے لگا-----

طلبِ علم اور سیاحت

آپ کی نشو و نما اور ابتدائی تعلیم و تربیت "تستر" میں ہوئی-----دو سال تک سہل بن عبداللہ تستری کی صحبت میں رہے، پھر بغداد کا رخ کیا-----آپ کی زندگی

میں بہت سے نشیب و فراز آئے اور معمولات زندگی تبدیل ہوتے رہے ----- کبھی ٹاٹ کا لباس زیب تن کرتے، کبھی دو ان سلی چادریں پہن لیتے ----- بعض اوقات لمبا چولا اور عمامہ استعمال کرتے اور کبھی سپاہیوں جیسا لباس اختیار فرماتے ----- ایک عرصہ تک عمر بن عثمان مکی اور حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں رہے، پھر مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور ایک سال یہاں ٹھہرنے کے بعد بغداد آ گئے ----- اس اثنا میں آپ کی شہرت کافی پھیل گئی، مداحین کے ساتھ ساتھ حاسدین بھی بڑھتے گئے ----- بالآخر آپ نے صوفیانہ لباس اتار دیا اور اہل دنیا کے ہم نشیں ہو گئے ----- پھر پانچ سال تک غائب رہنے کے بعد دوبارہ تصوف کی جانب مائل ہوئے ----- اس زمانہ میں چند کتب بھی تصنیف کیں ----- (٦)

مجاہدات

آپ نے اپنی زندگی سخت مجاہدوں میں گزاری ----- جب آپ خراسان سے عراق اور وہاں سے مکہ مکرمہ آئے تو سال بھر تک حطیم ہی میں بیٹھے رہے اور سوائے وضو اور طواف کے اپنی جگہ سے نہ ہٹتے ----- نہ دھوپ کی پروا نہ سردی کی فکر ----- ہمیشہ روزہ سے رہتے، روزانہ مغرب کے بعد چند گھونٹ پانی اور ایک روٹی سے صرف تین لقمے کھاتے اور باقی واپس کر دیتے اور پھر اگلی شام تک کچھ نہ کھاتے ----- (٧)

ریاضت و مجاہدہ میں اس قدر محو رہتے کہ کپڑے صاف کرنے کی بھی فرصت نہ تھی ----- ایک مرتبہ آپ کی پیوند زدہ گدڑی کو دیکھا گیا تو وہ نصف دانق وزنی، موٹی موٹی جوؤں سے بھری ہوئی تھی ----- (٨)

جب آپ کو قید کیا گیا تو ٹخنوں سے گھٹنوں تک لوہے کی بیڑیاں ڈالی گئیں' اس کے باوجود آپ روزانہ ایک ہزار رکعت نوافل پڑھتے-----(۹)

کرامات

آپ کے ہاتھوں خرق عادت واقعات اور کرامات کا بکثرت ظہور ہوا-----آپ گرمی میں سردی کا اور سردی میں گرمی کے موسم کا پھل پیش کرتے----فضا میں ہاتھ لمبا کرتے اور جب واپس لاتے تو درہموں سے بھرا ہوتا' جن پر قل ھو اللہ احد لکھا ہوتا-----آپ انہیں دراہم قدرت کا نام دیتے-----(۱۰)

ابن خفیف کہتے ہیں کہ جیل خانہ میں آپ نے وضو کیا' چالیس ہاتھ کے فاصلہ پر تنی ہوئی رسی پر ایک کپڑا پڑا تھا' اچانک وہ کپڑا آپ کے ہاتھوں میں دیکھا' جس سے آپ چہرہ صاف کر رہے تھے-----پتا نہیں وہ اڑ کر آپ کے پاس پہنچا' یا آپ نے ہاتھ بڑھا کر پکڑ لیا تھا----(۱۱)

بیڑیاں ٹوٹ گئیں' جیل کی دیوار پھٹ گئی

ابن حنیف بیان کرتے ہیں' میں قید خانہ میں آپ کی ملاقات کے لئے گیا اور آپ کا حال پوچھا' آپ نے فرمایا:

میرے ظاہر و باطن پر اللہ تعالیٰ کی (بے انتہا) نعمتیں ہیں-----پھر میں نے عرض کی کہ آپ سے تین مسائل دریافت کرنا چاہتا ہوں' کہا پوچھو:

میں نے پوچھا' صبر کسے کہتے ہیں؟-----آپ نے کہا' صبر یہ ہے کہ اگر میں ان بیڑیوں کی طرف نظر کروں تو وہ ٹوٹ جائیں' ابن حنیف کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر آپ نے بیڑیوں کی طرف دیکھا تو وہ سب ٹوٹ کر کھل گئیں اور قید خانہ کی دیوار پھٹ گئی' سامنے

دریائے دجلہ نظر آنے لگا (اس قدر تصرف کے باوجود آپ جیل سے فرار نہ ہوئے)' آپ نے فرمایا یہ صبر ہے----

میں نے کہا' فقر کیا ہے ؟----- آپ نے وہاں پڑے ہوئے ایک پتھر پر نظر ڈالی تو وہ سونا اور چاندی بن گیا----- فرمایا' اس قدر تصرف کے باوجود ایک پیسہ کا محتاج ہوں' جس سے (گھر کے لئے) تیل خرید لوں-----

میں نے کہا' فتوت و مردانگی کیا ہے ؟----- فرمایا' اس سوال کا جواب تمہیں کل مل جائے گا' ابن حنیف کہتے ہیں' رات کو میں نے خواب دیکھا' گویا قیامت برپا ہے' ایک منادی پکار رہا ہے' حسین بن منصور حلاج کہاں ہیں ؟----- چنانچہ انہیں بارگاہ خداوندی میں پیش کیا گیا' ان سے کہا گیا تجھ سے محبت رکھنے والا جنتی ہے اور بغض و عداوت رکھنے والا جہنمی ہو گا----- ابن منصور حلاج نے عرض کی' باری تعالیٰ! بلکہ سب کو بخش دے' پھر (خواب ہی میں) میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا' یہ ہے فتوت و جواں مردی----- (۱۲)

فرد جرم

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا' غلبہ حال کی بنا پر شیخ ابن منصور سے چند ایسے کلمات کا صدور ہوا' جو ظاہراً خلاف شرع تھے' تاہم محتاط مشائخ نے ان میں تاویل کی یا ان کی خاص کیفیت کے پیش نظر انہیں معذور سمجھا' مگر چونکہ وزیر مملکت حامد بن عباس ننگی مخالفت پر اتر آیا تھا' اس نے آپ کو جیل میں مقید کر دیا' پھر آپ کے خلاف فتویٰ مرتب کرایا----- خلیفہ وقت مقتدر باللہ سے سزا کی منظوری لی اور پھر کوتوال کو حکم دیا کہ ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں اور بعد ازاں سولی پر چڑھا دیا جائے-----

صبر و استقامت

قید خانہ میں آپ کو بیڑیوں میں مقید کیا گیا' طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں مگر راہ حق میں آنے والے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے' عبادت اور معمولات میں فرق نہ آنے دیا' ہزار ہزار رکعتیں روزانہ پڑھتے-----ایک بار ایسے جیل خانہ میں بند کیا گیا' جہاں آپ کے علاوہ اور بھی تین سو قیدی موجود تھے' آپ نے ان سے فرمایا' قیدیو! تمہیں آزاد کر دوں؟-----وہ بولے' تم تو خود قید میں ہو' ہمیں کیسے رہا کرو گے؟----- پہلے اپنی رہائی کی فکر کرو' آپ نے فرمایا' ہم خدا کی قید میں ہیں' شریعت کا پاس کرتے ہیں' اس لئے خود رہا نہیں ہوتے' البتہ اگر چاہوں تو ایک اشارے سے تمہاری بیڑیاں کھول دوں----- چنانچہ انگلی کا اشارہ کیا' تو سب کی بیڑیاں گر پڑیں-----قیدیوں نے کہا' دروازہ بند ہے' کیسے باہر نکلیں؟-----آپ نے اشارہ کیا تو دیوار میں دریچے کھل گئے' فرمایا' اب چلے جاؤ-----قیدیوں نے کہا' آپ کیوں نہیں آتے؟----- فرمایا' ہمارا خدا کے ساتھ ایک راز ہے (جو بجز سولی چڑھے نہیں کہا جا سکتا)----- صبح افسران جیل نے پوچھا' قیدی کہاں گئے؟----- فرمایا' ہم نے سب کو رہا کر دیا اور خود اس لئے ٹھہر گئے ہیں کہ ہم پر اپنے آقا کا عتاب ہے (وہ پورا ہو جائے کہ) محبوب کے عتاب سے بھاگنا' عشق و محبت کے خلاف ہے-----(۱۳)

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

سزا کے حکم پر عمل درآمد کے لئے ۲۳/ ذیقعد ۳۰۹ھ بروز منگل آپ کو قید

خانہ سے باہر نکال کر ایک ہزار کوڑے لگائے گئے' پھر ایک ایک کر کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے' پھر گردن تن سے جدا کی گئی' بعد ازاں جسم کو جلا دیا گیا----- سر اور ہاتھ پاؤں کو جیل خانہ کی دیوار کے باہر آویزاں کر دیا گیا-----(۱۴)

دوسری روایت میں ہے کہ دجلہ کے پل پر سر کو لٹکایا گیا' دو دن بعد سر کو اتار کر امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر اقدس کی طرح حسین بن منصور کے سر کو خراسان اور گردونواح کے مختلف علاقوں میں پھرایا گیا-----(۱۵)

رقت آمیز کلمات

شیخ حلاج کو جب جیل سے باہر نکالا گیا تو آپ بڑے ناز و ادا کے ساتھ چلتے ہوئے سوئے مقتل روانہ ہوئے' زبان پر یہ کلمات تھے:

حسب الواحد افراد الواحد له-----(۱۶)

"(مصائب اور مشکلات میں) تنہا شخص کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ تنہا (یکتا) خدا اس کا ہے"-----ہاں! یکتا کی محبت بھی یکتا بنا دیتی ہے-----

یہ کلمات سنتے ہی وہاں موجود مشائخ پر رقت طاری ہو گئی-----اس موقع پر ایک لاکھ افراد کا جم غفیر تھا-----(۱۷)

تب آپ عشق اور وارفتگی کی عجیب کیفیت سے سرشار تھے اور زبان حال سے یوں گویا تھے:

بہ جرم عشق تو ام می کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آ کہ خوش تماشائیست

اس موقع پر آپ نے یہ اشعار بھی پڑھے:

اقتلونی یا ثقاتی ان فی موتی حیاتی
و مماتی فی حیاتی و حیاتی فی مماتی
و الذی حیّ قدیم غیر مفقود الصفات
و انا منه رضیع فی حجور المرضعات (۱۸)

"دوستو! مجھے قتل کر دو' کیوں کہ موت ہی میری حیات ہے' (دنیوی) زندگی میں میری موت ہے' میری زندگی موت میں ہے' وہ ذات جو زندہ و جاوید ہے' اس کی صفات معدوم نہیں ہوتیں اور میں اس سے تربیت یافتہ ہوں اور تربیت کرنے والوں کی گود میں پرورش پائی ہے"۔۔۔۔

گویا یہ اعلان کیا کہ قتل سے میری معرفت و محبت اور روح فنا نہ ہو گی بلکہ اسے دوام اور بقا نصیب ہو گی۔۔۔۔ مولانا روم علیہ الرحمہ نے انہیں اشعار کی تضمین کی:

اقتلونی اقتلونی یا ثقات ان فی موتی حیاة فی حیات
اقتلونی اقتلونی لائما ان فی قتلی حیوتی دائما (۱۹)

حضرت شیخ عطار لکھتے ہیں' شیخ ابن منصور کو جب کوڑے لگائے جانے لگے تو ہر ضرب پر غیب سے آواز آتی:

یا ابن منصور لا تخف۔۔۔۔

"اے ابن منصور! خوف نہ کر"۔۔۔۔

شیخ حلاج کوڑے کھاتے جاتے اور حق حق اور انا الحق کہتے جاتے۔۔۔۔ (۲۰)

انا الحق

اور یہ انا الحق کہنا خدائی کا دعویٰ نہ تھا بلکہ اپنے وجود کی نفی کا اظہار تھا۔۔۔۔

دراصل آپ فنافی اللہ ہو چکے تھے اور عشق و محبت اور بحر توحید میں اس حد تک مستغرق ہو گئے تھے کہ اپنی ذات کو بھلا کر ہمہ اوست کے جلووں میں محو ہو گئے ----- چنانچہ جب آپ پر فرد جرم عائد کر دی گئی تو لوگوں نے سمجھایا 'انا الحق نہ کہو' ہو الحق کہو' آپ نے فرمایا' ہاں سب وہی ہے' مگر تم اسے غائب سمجھتے ہو' جب کہ حسین کہتا ہے کہ میں غائب ہوں' بحر محیط بھی کہیں غائب یا کم ہوا کرتا ہے ----(۲۱)

شیخ عطار فرماتے ہیں :

تعجب ہے کہ ایک درخت سے "انی انا اللہ" کی آواز آئے اور اس میں درخت کا کچھ دخل نہ ہو' یہ کیوں کر ممکن نہیں کہ ابن منصور کی زبان سے انا الحق کے کلمات کہلوا دیئے جائیں' جس میں ان کا کچھ دخل نہ ہو' جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر حق تعالیٰ نے تکلم کیا تھا' اسی طرح حسین بن منصور کی زبان پر بھی تکلم فرمایا ہو -----(۲۲)

انا الحق کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی براءت کا اظہار کر رہے ہوں کہ میں مجرم نہیں' حق پر ہوں -----

تختۂ دار پر

آپ کوڑے پر کوڑا کھا رہے تھے اور کمال استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اف تک نہ کی ----- ابو العباس بن عبد العزیز کا بیان ہے کہ میں آپ کے بہت قریب تھا' آپ ہر کوڑے پر احد احد کی صدا بلند کرتے -----(۲۳)

تختہ دار پر کھڑے ہوئے تو اسے بوسہ دیا' پوچھا گیا' کیا حال ہے ؟----- فرمایا' پھانسی مردوں کی شان ہے' پھر قبلہ رو ہو کر کہا' میں نے جو کچھ طلب کیا تھا' پا لیا

ہے-----اس اثنا میں مریدین نے پوچھا' آپ اپنے معتقدین اور منکرین (جو آپ کو ایذا پہنچا رہے ہیں) کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟-----فرمایا:

ان کو دو ثواب ملیں گے اور تمہیں ایک-----کیوں کہ تمہیں مجھ سے حسن ظن ہے' جب کہ وہ لوگ توحید کی قوت اور شریعت پر کاربند ہیں' شریعت میں توحید اصل ہے اور حسن ظن فرع-----(۲۴)

اب لوگوں نے (حکمرانوں کے اشارہ پر) سنگ سار کرنا شروع کیا' پھر آپ کے ہاتھ کاٹے گئے' تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

لوگوں نے ظاہری ہاتھ قطع کر دیئے' لیکن باطنی ہاتھوں (کی قوت) کو کیسے سلب کریں گے؟-----جب پاؤں قطع کیے گئے تو فرمایا' گو ظاہری پاؤں کاٹ دیئے گئے لیکن ابھی وہ باطنی پاؤں باقی ہیں' جن سے دونوں عالم کا سفر کر سکتا ہوں-----پھر کلائیوں سے بہتے ہوئے خون سے اپنے چہرے کو آلودہ کرتے ہوئے کہا' میری سرخ روئی کا اچھی طرح مشاہدہ کر لو' خون جوان مردوں کا غازہ ہوتا ہے-----پھر فرمایا' نماز عشق کے لئے خون ہی سے وضو کیا جاتا ہے-----جب آنکھیں نکال کر زبان کاٹنے کا قصد کیا گیا تو فرمایا' ایک بات کہہ لینے دو' پھر کہا:

"اے اللہ! میرے ہاتھ تیرے راستہ میں قطع کر دیئے گئے' آنکھیں نکال دی گئیں' اب سر بھی تن سے جدا کر دیا جائے گا لیکن میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے مجھے ثابت قدم رکھا' تجھ سے درخواست کرتا ہوں' جو دولت مجھے عطا فرمائی ہے' ان حاضرین کو بھی اس سے بہرہ یاب فرما"-----

جب آپ کے اعضاء کاٹے جا رہے تھے تو زمین پر گرنے والے خون کے قطرہ قطرہ سے اللہ اللہ کی صدا بلند ہوئی' کٹے ہوئے ہر ہر عضو سے انا الحق کی آواز آنے لگی'

چنانچہ آپ کے جسم کو جلادیا گیا کہ کہیں مزید فتنہ نہ کھڑا ہو جائے-----(۲۵)

تدفین

آپ کے جسم کو جلا کر راکھ دریائے دجلہ میں ڈال دی گئی' سطح آب پر راکھ جدھر جاتی' حق حق کا شور برپا ہونے لگتا-----اچانک دریا میں تلاطم پیدا ہو گیا' خادم کو آپ کی وصیت یاد تھی' آپ نے فرمایا تھا کہ جس وقت میری راکھ دریائے دجلہ میں پھینکی جائے تو پانی میں ایسا طوفان برپا ہو گا' جس سے پورا بغداد ڈوب جائے-----جب یہ کیفیت ظاہر ہونے لگے تو دجلہ کو میری گدڑی دکھا دینا' چنانچہ خادم نے حسب وصیت گدڑی دکھائی' دجلہ کا پانی تھم گیا' تمام راکھ مجتمع ہو کر ساحل پر آگئی' جسے لوگوں نے نکال کر دفن کر دیا-----(۲۶)

افشائے راز

منقول ہے کہ حضرت شیخ شبلی علیہ الرحمہ تدفین کے بعد ساری رات آپ کی قبر کے پاس بیٹھے رہے اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ یہ ایک مومن' موحد اور عارف و محبّ تھا' اسے عذاب میں کیوں مبتلا کیا گیا؟-----دعا کرتے کرتے آپ کو اونگھ آئی' دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے' ہم نے ابن منصور کے ساتھ یہ معاملہ اس لئے کیا تھا کہ وہ ہمارے راز کو غیروں (نااہلوں) پر ظاہر کر دیتا تھا-----(۲۷)

اہل تحقیق

آپ کی شخصیت اور مقام و مرتبہ کے بارے میں ہر چند بہت اختلاف ہے مگر بقول امام یافعی' محققین آپ کو معذور تصور کرتے ہیں اور آپ کے کلمات کو قابل تاویل سمجھ کر ان کے جوابات دیتے ہیں-----ایسے ہی محققین میں وہ جلیل القدر ہستی بھی شامل

ہے، جن کے قدم کے نیچے حاضر و غائب سب اولیاء نے اپنی گردنیں جھکا دیں:

(الذی خضعت لقدمه رقاب کل ولی من باد و حاضر)(۲۸)----- یعنی سیدنا غوث اعظم نیز شیخ شہاب الدین سہروردی اور حجۃ الاسلام امام غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ محققین کا بھی یہی موقف ہے-----(۲۹)

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حسین بن حلاج کے زمانہ میں اگر میں ہوتا تو ضرور ان کی دستگیری کرتا اور انہیں پھسلنے نہ دیتا----- و انا لکل من عثر مرکوبه من اصحابی و مریدی و محبی الی یوم القیامة-----(۳۰)

"اور میں قیامت تک اپنے رفقا، مریدین اور محبین میں سے ہر ایک کی دستگیری کرتا رہوں گا"-----

ایک روایت میں فتویٰ قتل پر دستخط کرنے والوں میں حضرت جنید بغدادی قدس سرہ العزیز کا نام بھی آتا ہے، مگر یہ بات تاریخی طور پر درست نہیں ہے، کیوں کہ شیخ ابن منصور حلاج کا سانحہ قتل ۳۰۹ھ میں ہوا، جب کہ سیدنا جنید بغدادی اس واقعہ سے کم و بیش چھ سال پہلے (۲۹۷ھ میں) وصال فرما چکے تھے-----

مزار مبارک

جس مقام پر آپ کو سولی دی گئی، وہیں آپ کا روضہ ہے----- سادہ سی عمارت میں قبر ہے، جس پر غلاف چڑھائے گئے ہیں----- اس صاحب حال کے مزار پر فاتحہ خوانی کی تو آپ کے صبر و استقامت کے واقعات ایک ایک کر کے نگاہوں کے سامنے

آتے گئے۔----

وہ خود تو فنا ہو گئے مگر ان کی شہرت جریدۂ عالم کے صفحات پر دوام پا گئی-----

دیر تک یہاں حاضری رہی' زبان پر بے ساختہ یہ شعر آگیا-----

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہاں کی حاضری کے بعد طریقت و تصوف کی ایک اور جلیل القدر شخصیت حضرت سیدنا بشر حافی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے----(جاری ہے)

حوالہ جات

۱...... تاریخ بغداد' جلد ۸' صفحہ ۱۱۲ / تاریخ کامل' جلد ۸' صفحہ ۱۲۶

۲...... تاریخ قزوینی' بحوالہ القول المنصور' صفحہ ۲۷۴

۳...... تاریخ بغداد' جلد ۸' صفحہ ۱۱۲

۴...... تاریخ بغداد' جلد ۸' صفحہ ۱۱۴ / وفیات الاعیان' جلد ۸' صفحہ ۱۱۴

۵...... تاریخ بغداد' جلد ۸' صفحہ ۱۱۴

۶...... تاریخ بغداد' جلد ۸' صفحہ ۳-۱۱۲

۷...... تاریخ کامل' جلد ۸' صفحہ ۱۲۶

۸...... تاریخ بغداد' جلد ۸' صفحہ ۱۱۸

۹...... تاریخ بغداد' جلد ۸' صفحہ ۱۳۱

۱۰...... جامع کرامات اولیاء ' جلد ۲ ' صفحہ ۴۴

۱۱...... جامع کرامات اولیاء ' جلد ۲ ' صفحہ ۴۴

۱۲...... جامع کرامات اولیاء ' جلد ۲ ' صفحہ ۴۴

۱۳...... تذکرۃ الاولیاء ' قلمی ' باب ہفتادم

۱۴...... تاریخ بغداد ' جلد ۸ ' صفحہ ۱۲۷

۱۵...... تاریخ بغداد ' جلد ۸ ' صفحہ ۱۴۱

۱۶...... تاریخ بغداد ' جلد ۸ ' صفحہ ۱۳۲ ' ۱۲۱

۱۷...... تذکرۃ الاولیاء ' قلمی ' باب ہفتادم

۱۸...... تاریخ قروینی ' بحوالہ القول المنصور

۱۹...... مثنوی مولانا روم

۲۰...... تذکرۃ الاولیاء ' باب ہفتادم

۲۱...... تذکرۃ الاولیاء ' باب ہفتادم

۲۲...... تذکرۃ الاولیاء ' باب ہفتادم

۲۳...... تاریخ لغداد ' جلد ۸ ' صفحہ ۱۳۱

۲۴...... تذکرۃ الاولیاء ' باب ہفتادم

۲۵...... تذکروالاولیاء ' باب ہفتادم

۲۶...... تذکرۃ الاولیاء ' باب ہفتادم

۲۷...... تذکرۃ الاولیاء ' بابہفتادم

۲۸...... مرآۃ الجنان ' جلد ۲ ' صفحہ ۲۵۳

۲۹...... مرآۃ الجنان ' جلد ۲ ' صفحہ ۲۵۳

۳۰...... مرآۃ الجنان ' جلد ۲ ' صفحہ ۲۵۴

INPAGE\SAFAR14.INP

سفرِ محبّت

چودھویں قسط

قاضی امام ابویوسف

قدس سرہ العزیز

(صاحبزادہ) محمد محب اللہ نوری

حضرت امام ابو یوسف کا شمار بجا طور پر ان عظیم المرتبت شخصیات میں ہوتا ہے، جن کی دینی و ملی خدمات پر ملت اسلامیہ کو ناز ہے، آپ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید اور تربیت یافتہ ہیں، فقہ حنفی میں امام اعظم کے بعد آپ کا مقام و مرتبہ مسلّم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی کی کتب میں جب شیخین کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، تو اس سے علی الاطلاق امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف (رحمہما اللہ) مراد لئے جاتے ہیں۔۔۔۔

آپ کا اسم گرامی یعقوب تھا، مگر اپنے صاحبزادے کی نسبت سے ابو یوسف کنیت کے ساتھ شہرت پائی، خاندانی تعلق انصار مدینہ سے تھا۔ آپ کے جد اعلیٰ

حضرت سعد بن حبتہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی رسول تھے' غزوۂ احد میں شریک ہونا چاہتے تھے مگر سرکار دوعالم ﷺ نے صغر سنی کی وجہ سے واپس بھیج دیا-----(۱)

ابتدائی حالات

آپ کی ولادت ۱۱۳ھ میں ہوئی (۲)----- بچپن ہی میں سایہ پدری سر سے اٹھ گیا' تنگی معاش کی بنا پر والدہ نے ایک دھوبی کے سپرد کیا مگر آپ کو فطری طور پر حصول علم سے بڑا لگاؤ تھا' چنانچہ آپ امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں شامل ہونے لگے' والدہ کو پتہ چلا تو اس نے سختی سے منع کیا' چند روز بعد آپ دوبارہ درس میں شریک ہوئے' امام اعظم نے غیر حاضری کی وجہ پوچھی' آپ نے صورت حال بیان کی' تو امام صاحب نے ایک تھیلی دی اور فرمایا! اس سے کام چلاؤ' جب یہ ختم ہو جائیں تو مجھے آگاہ کرنا' امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ گھر جا کر دیکھا تو اس میں سو دینار تھے' گھر کا خرچہ چلتا رہا اور دینار ختم نہیں ہوئے تھے کہ امام صاحب نے مزید رقم عطا فرمائی اور پھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ آپ خود ہی رقم عنایت فرما دیتے' مجھے عرض کرنے کی نوبت نہ آتی' والدہ کا خیال تھا کہ امام صاحب کے ہاں مال و دولت کی وسعت ہے' مگر میرا بیٹا کوئی ہنر سیکھ جائے تو بہتر ہے۔ اسی خیال سے وہ آپ کو پھر دھوبی کے ہاں چھوڑ جاتیں مگر آپ پھر حلقہ درس میں جا شامل ہوتے۔ آخر ایک روز والدہ نے امام صاحب سے کہا آپ میرے بچے کے حال پر رحم کریں اور اسے کام سیکھنے دیں آپ نے فرمایا:

هو ذايتعلم اكل الفالو ذج بذهن الفستق-----

"تیرا بیٹا تو یہاں روغن پستہ سے بنا ہوا فالودہ کھانا سیکھ رہا ہے"

آپ دل جمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کرتے رہے پھر وہ وقت آیا کہ آپ قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوئے' اس اثنا میں اکثر خلیفہ ہارون رشید کے ساتھ کھانا کھانے کا موقع ملتا رہا' ایک بار دستر خوان پر فالودہ آیا' ہارون نے کہا' یہ روغن پستہ میں تیار کیا ہوا فالودہ ہے' جو ہمارے لئے بھی کبھی کبھی بنتا ہے۔ یہ سن کر آپ تعجب سے مسکرا دیئے' ہارون نے مسکرانے کا سبب پوچھا' تو آپ نے تمام واقعہ بیان کیا اس پر ہارون رشید نے کہا:

"علم واقعی دین و دنیا کی سر فرازی کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ ابو حنیفہ پر رحم فرمائے: كان ينظر بعين عقله ما لا يراه بعين رأسه-----(۳)

"آپ اپنی عقل و بصیرت سے ان حقائق کا ادراک کر لیتے تھے' جنہیں ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا"

علم و فضل

امام ابو یوسف علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے' اگرچہ آپ کی شہرت زیادہ تر فقہ کے حوالے سے ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ آپ کو دیگر علوم و فنون میں بھی بڑی دسترس اور مہارت حاصل تھی-----

ابن خلکان ہلال بن یحیٰ کا قول نقل کرتے ہیں:

کان ابویوسف یحفظ التفسیر و المغازی و ایام العرب و کان اقل علومه الفقه و لم یکن فی اصحاب ابی حنیفة مثل ابی یوسف-----(۴)

"امام ابو یوسف تفسیر' مغازی اور تاریخ عرب کے حافظ تھے' فقہ ان کے لئے معمولی سا علم تھا' امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں ان جیسا دوسرا نہ تھا"

علم حدیث میں اس قدر ید طولیٰ رکھتے تھے کہ احناف کے بارے میں "اصحاب الرائے" کی پھبتی کسنے والے بھی آپ کے علم حدیث کے معترف تھے۔ علامہ ذہبی نے حفاظ حدیث میں آپ کا شمار کیا ہے-----(۵)

یحیٰ بن معین کہتے ہیں' احناف میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص کثیر الحدیث اور ثقہ نہیں ہے-----(۶)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حافظہ اس غضب کا عطا فرمایا تھا کہ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں :

کان یحضر المحدث و یحفظ خمسین ستین حدیثا ثم یقوم فیملیها و کان کثیر الحدیث-----(۷)

"ابو یوسف حدیث پڑھنے کے لئے محدث کے پاس جاتے تو ایک ہی مجلس میں پچاس ساٹھ حدیثیں کھڑے کھڑے یاد کر لیتے اور پھر دوسروں کو املاء کرا دیتے' واقعی آپ کثیر الحدیث تھے"

علم حدیث میں آپ کی ثقاہت کا یہ عالم تھا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ

عنہ ایسے عظیم محدث اور فقیہ نے جب علم حدیث حاصل کرنا چاہا تو سب سے پہلے آپ کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔

حضرت قاضی ابو یوسف کا اپنے استاذ گرامی کی نظر میں بڑا خاص مقام تھا' ایک مرتبہ شدید بیمار پڑ گئے اور بظاہر جاں بر ہونے کی امید باقی نہ رہی' امام اعظم عیادت کے لئے گئے' واپس ہوئے تو ان کی دہلیز پر کھڑے ہو کر فرمایا:

"خدانخواستہ یہ نوجوان وفات پا گیا تو پھر روئے زمین پر اس جیسا بڑا عالم نہ ملے گا"-----(۸)

منصب قضا

خلیفہ مہدی (م ۱۶۹ھ) نے آپ کو قاضی مقرر کیا' مہدی کے جانشین ہادی (م ۱۷۰ھ) نے انہیں ان کے منصب پر بحال رکھا۔ ہادی کے بعد ہارون رشید نے آپ کی قابلیت و لیاقت سے متاثر ہو کر آپ کو قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز کیا-----(۹)

امام ابو یوسف تاریخ میں وہ پہلے شخص تھے' جو قاضی القضاۃ کے لقب سے ملقب ہوئے' آپ کو قاضی القضاۃ الدنیا بھی کہا جاتا ہے' کیوں کہ آپ خلافت کے حلقہ نیابت میں آنے والے تمام بلاد اسلامیہ کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) تھے(۱۰)----- ابو عمر کہتے ہیں کہ آپ کی قضا کا دائرۂ اثر شرق تا غرب تمام آفاق عالم تک کو محیط تھا-----(۱۱)

آپ نے ہمیشہ عدل و انصاف سے کام لیا اور قرآن و سنت کے منافی کوئی فیصلہ

نہ کیا' خطیب بغدادی اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ بوقت وصال آپ بارگاہ خداوندی میں یوں عرض گزار ہوئے :

"الٰہی تو جانتا ہے کہ میں نے عمداً کوئی فیصلہ خلاف واقع نہیں کیا' میری کوشش یہی رہی ہے کہ تیری کتاب اور تیرے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں اور جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو امام اعظم ابو حنیفہ کو واسطہ بناتا اور ان کے فتویٰ پر عمل کرتا رہا' کیوں کہ میرے خیال کے مطابق وہ تیرے احکام کا صحیح فہم رکھتے تھے اور عمداً راہ حق سے باہر نہ نکلتے تھے-----(۱۲)

قرب شاہی کے باوجود آپ نے حق کے دامن کو کبھی نہ چھوڑا' ہارون رشید ایسے مطلق العنان اور جاہ و جلال والے حکمران کے دربار میں جرأت و حق گوئی سے کام لیتے' ہارون رشید کی خواہش پر آپ نے کتاب الخراج تصنیف فرمائی' مسائل کی اس کتاب میں آپ نے حکومت کی غلط روش پر جابجا نہایت جرأت و دلیری سے تنقید کی ہے' کتاب کے آغاز میں آپ نے فکر آخرت اور عدل و انصاف کے حوالے سے احادیث اور خلفاء راشدین کے اقوال و واقعات کی روشنی میں خلیفہ وقت کو نہایت بلیغ اور حکیمانہ انداز میں پند و نصائح فرمائے' جو قابل مطالعہ ہیں-----

آپ نے علماء کرام کے وقار کو بلند کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا' چنانچہ اپنے دور قضا میں علماء کے لئے مخصوص وضع کا لباس تجویز فرمایا' جو آج تک چلا آرہا ہے' ورنہ اس سے پہلے اس قسم کا امتیاز نہ تھا-----(۱۳)

عبادت و ریاضت

قاضی امام ابو یوسف نہایت متقی، پرہیز گار اور عبادت گزار تھے، درس حدیث، فقہی و اجتہادی خدمات اور منصب قضا کی اہم ترین ذمہ داریوں اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود عبادت و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ کان ابویوسف بعد ما ولی القضاء یصلی فی کل یوم مائتی رکعة-----(۱۴)

"عہدۂ قضا پر فائز ہونے کے بعد بھی روزانہ دو سو رکعت نوافل ادا کرتے"

آپ نے اپنے دامن کو گناہ آلودہ ہونے اور پیٹ کو لقمہ حرام سے محفوظ رکھا، وقت وصال آپ کی زبان پر جو کلمات تھے، ان میں یہ بھی تھا:

اللھم انك تعلم انی لم آکل درھما حراما قط و انا اعلم-----(۱۵)

"بار الہا! تو تو جانتا ہے کہ میں نے دانستہ حرام کی کمائی کا کبھی ایک درہم بھی نہیں استعمال کیا"

سفر آخرت پر روانگی کے وقت جب کہ جھوٹ کی گنجائش نہیں ہوتی، کہے گئے یہ کلمات آپ کے تقویٰ و طہارت کی زبردست دلیل ہیں-----

امام ابو یوسف بڑے مال دار، مگر بہت سخی تھے، مرتے دم وصیت فرمائی کہ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ اور بغداد کے مستحقین کو ایک ایک لاکھ دیے جائیں (۱۶)

وصال

قاضی امام ابو یوسف ۱۶۰ھ میں قاضی مقرر ہوئے اور بڑی شان و شوکت اور

عزت و وقار کے ساتھ ۱۶ سال تک منصب قضا کو رونق بخشی، بالآخر ۵ / ربیع الاول ۱۸۲ھ کو ۶۹ سال کی عمر میں جان جانِ آفرین کے سپرد کی-----(۱۷)

آپ کے مقام و مرتبہ کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ طریقت و شریعت کے امام حضرت سیدنا معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کا تذکرہ آگے آئے گا) نے آپ کے جنازے میں عدم شمولیت پر بے حد تأسف فرمایا-----

ہوا یہ کہ حضرت معروف کرخی کو جب آپ کی شدت مرض کا پتا چلا تو آپ نے خادم سے فرمایا، جا کر ان کی عیادت کرو اور اگر وصال فرما جائیں تو مجھے مطلع کرنا، خادم جب امام ابو یوسف کی رہائش گاہ کے قریب پہنچا تو آپ کا جنازہ لے جایا جا رہا تھا، چنانچہ یہ سوچ کر کہ اب حضرت معروف کرخی کو اطلاع دینے کا تو موقع نہیں رہا، خود جنازہ میں شامل ہو گیا اور واپسی پر حضرت کی خدمت میں صورت حال عرض کی، آپ بار بار انا لله و انا اليه راجعون پڑھتے اور جنازہ میں شامل نہ ہو پانے پر شدید دکھ کا اظہار فرماتے۔ خادم نے اس قدر افسوس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا:

میں نے خواب میں ایک نہایت عمدہ محل دیکھا، جسے اعلیٰ قسم کے پردوں اور نقش و نگار سے مزین کیا گیا تھا، مجھے بتایا گیا کہ یہ قاضی ابو یوسف کا محل ہے، میں نے انہیں اس قدر عالی شان محل ملنے کی وجہ پوچھی تو جواب ملا:

بتعليمه الناس الخير و حرصه على ذلك و باذى الناس له-----(۱۸)

"وہ لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتے اور خود بھی ان کی خیر خواہی پر

بہت حریص تھے اور (ان کے منصب اور عز و شان کی وجہ سے حسد میں مبتلا ہو کر) لوگوں نے انہیں تکلیفیں بھی بہت پہنچائیں لہذا اس کے صلہ میں انہیں جنت کا بہترین محل عطا کیا گیا"

جامع ابو یوسف کے امام و خطیب نے آپ کے مزار مبارک کی جالی کھول کر اندر حاضری کا موقع دیا' فقہ و معرفت کے امام کی بارگاہ میں نہایت پر لطف حاضری رہی' خطیب صاحب نے ہمیں مزار مبارک کی چادر بھی عنایت فرمائی' جو ہمارے لئے نادر تحفہ کی حیثیت رکھتی ہے----

جُمّار' جُمّار

سیدنا امام موسیٰ کاظم' امام تقی اور قاضی امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزارات پر حاضری دے کر باہر نکلے تو سامنے بازار میں ایک انوکھی چیز بکتے دیکھی' ایک ریڑھی والا "جُمّار' جُمّار" کی صدائیں لگا رہا تھا۔ اس سے پہلے کتب حدیث میں یہ لفظ پڑھ رکھا تھا اور اس کا مفہوم سمجھنے کی بھی اپنی سی کوشش کی تھی' مگر :

"شنیدہ کے بود مانند دیدہ"

عام طور پر بڑی کھجوروں کے دامن میں کھجور کے چھوٹے چھوٹے پودے اگ آتے ہیں' جب یہ بڑے ہوتے ہیں تو انہیں جڑ سے اکھیڑ لیا جاتا ہے' اوپر سے موٹے اور کھردرے چھلکے کو علیحدہ کرنے کے بعد درمیان سے دودھیا رنگ کی نرم سی "گلی" نکلتی ہے' جو قدرے میٹھی اور مزیدار ہوتی ہے۔ دیہات میں رہنے والوں کو عام طور پر یہ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہو گا کہ سرکنڈوں کو جب بور لگتا ہے' تب

انہیں نیچے سے توڑیں تو اندر سے نرم و نازک سی گلی نکلتی ہے، جسے دیہاتی بڑے شوق سے کھاتے ہیں، عرب میں چونکہ کھجوریں کثرت سے ہوتی ہیں اور ان کی کانٹ چھانٹ بھی کرنا پڑتی ہے لہذا "جمار" بھی بکثرت دستیاب ہوتا ہے۔ ایسا ہی جمار ایک دفعہ حضور ﷺ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا، سرکار ﷺ اور صحابہ کرام نے اسے تناول فرمایا----(۱۹)

مجلس اقدس میں سیدنا ابو بکر صدیق، سیدنا عمر فاروق اور دیگر صحابہ کرام حاضر تھے، آقا ﷺ نے ایک علمی "پہیلی" پوچھی:

ایک پودا ایسا بھی ہے، جو مومن کے ساتھ بہت زیادہ مماثلت و مشابہت رکھتا ہے، پتے اس کے نہیں گرتے اور وہ ہے بھی بہت نفع بخش، بتائیں وہ کون سا درخت ہے؟----(۲۰)

صحابہ کرام کا ذہن اس انوکھے درخت کی تلاش میں جنگلوں اور وادیوں کی طرف منتقل ہو گیا، جب کہ اس وقت مجلس میں موجود حضرات میں سب سے کم عمر نوجوان حضرت عبداللہ بن عمر کے ذہن میں اس کا جواب آگیا، مگر ادب و حیا کی وجہ سے خاموش رہے۔ آخر کار سرکار ﷺ نے خود ہی جواب مرحمت فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے----(۲۱)

اولاً تو اسے انسان سے بہت زیادہ مشابہت ہے، جس طرح انسان کا سر کاٹ دیں تو وہ مر جاتا ہے، یونہی کھجور کو اوپر سے کاٹ دیں تو خشک ہو جاتی ہے۔ نیز کھجور کا درخت انسان کی پھوپھی کی مانند ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس خمیر سے بنایا گیا، اسی بچی ہوئی مٹی سے کھجور پیدا ہوئی (۲۲)، پھر مسلمانوں

سے اسے بطور خاص نسبت ہے-----

جس طرح ایمان زندگی اور موت دونوں حالتوں میں باعث خیر ہے' اسی طرح کھجور بھی نفع بخش ہے' اس کا تنا' شاخیں' پتے' پھل اور گٹھلیاں سب کارآمد ہیں-----

جمار بجتے دیکھا تو اس سنت پر عمل کرنے کا ایک موقع دیکھ کر سو دینار کا خرید لیا۔ ریڑھی والے نے نہایت سلیقے کے ساتھ چھری سے کاٹ کر کاغذ پر رکھ دیا' احباب کو جب اس کا پس منظر بتایا تو سب نے شوق سے اسے چکھا اور سنت مصطفوی ﷺ کی ادائی پر اللہ کا شکر ادا کیا-----

کاظمین کے بازار

"جمار" کھانے کے بعد طے پایا کہ نماز مغرب آستانہ غوثیہ میں اور نماز عشاء آستانہ امام اعظم میں ادا کی جائے گی۔ قافلہ کے دیگر افراد ہوٹل واپس روانہ ہو گئے مگر چوہدری محمد اسحاق نوری' صاحبزادہ محمد فیض المصطفیٰ نوری اور راقم تھوڑی دیر کے لئے وہیں کاظمین میں رک گئے' جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ آستانہ کاظمیہ کے گردونواح میں بڑی بڑی مارکیٹیں ہیں' سوچا کہ ان کا ایک چکر لگا لیا جائے تاکہ جنگ خلیج کے بعد عراق کی اقتصادی صورت حال اور بازاروں کی رونق کا اندازہ کیا جا سکے۔ سب سے پہلے ہم نے آستانہ عالیہ کی دائیں جانب کے بازار کا چکر لگایا۔ یہاں دیگر ضروریات زندگی کے علاوہ سبزی اور فروٹ کی دکانیں بکثرت ہیں' مختلف انواع واقسام کی سبزیاں اور پھل دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ ایک جگہ

سے انگور' مالٹا اور اور کچھ سلاد کی چیزیں خرید کیں-----

پھر آستانہ کے بائیں جانب آئے' یہاں لاہور کے ڈبی بازار کی طرح پیچوں پیچ گلیوں میں دکانیں ہیں' یہاں ملکی سے زیادہ غیر ملکی مصنوعات' خاص طور پر ایرانی اور جاپانی کپڑوں کی بہتات تھی' ہم نے خریدنا تو کچھ نہیں تھا" ونڈو شاپنگ" پر ہی اکتفا کیا۔ ہمارا تاثر یہ تھا کہ اب عراق جنگ کے اثرات سے کافی حد تک نکل چکا ہے۔ اگرچہ ۱۹۸۸ء' ۱۹۸۹ء میں جو رونقیں ہم نے یہاں دیکھی تھیں' وہ صورت تو ابھی پیدا نہیں ہوئی' تاہم اب بھی حال یہ ہے کہ دکانوں پر موجود سامان کو دیکھ کر باڑہ مارکیٹوں کا گمان ہوتا ہے-----

بازار میں سامان تعیش کی بھر مار دیکھ کر حیرت ہوئی اور معاشرتی طبقات کا تضاد واضح طور پر دکھائی دیا' ایک جانب یہ فراوانی اور دوسری جانب وہ مفلوک الحال طبقہ جنہیں دو وقت کی روٹی اور ڈھنگ کا لباس بھی میسر نہیں۔ وہ ادوایات اور دیگر ضروریات زندگی کو ترس رہے ہیں-----

ویسے جنگ کا ایک فائدہ ضرور ہوا ہے کہ یہاں کے کلچر میں یہ تبدیلی دیکھی۔ اور خدا کرے یہ محض معاشی مجبوری نہ ہو' حقیقی تبدیلی ثابت ہو۔ کہ یہاں جگہ جگہ "بار" آباد تھے اور شراب خانہ خراب اتنی عام تھی کہ سادہ پانی اور سوڈا واٹر کی دکانیں اس کے مقابلہ میں نہ ہونے کے برابر تھیں-----

۱۹۸۸ء میں ہم لندن سے واپسی پر عراق آئے تھے اور ایک اسلامی ملک کا یہ حال دیکھ کر ہمیں بہت زیادہ تعجب ہوا تھا' تب عراق معاشی لحاظ سے نہایت مضبوط تھا۔ جب دولت آتی ہے تو وہ تمام تر خرابیاں بھی ساتھ لاتی ہے' یہ بہت

بڑی آزمائش ہے، دولت کا نشہ اتنا خطرناک ہوتا ہے کہ انسان مقصد زیست کو بھول کر احکام خداوندی سے روگردانی کرتا ہے، لیکن اسی دولت کو اگر اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق خرچ کیا جائے، تو یہ رحمت ہے ورنہ زحمت۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو اس کے شر سے محفوظ رکھے-----

غروب آفتاب میں چند منٹ ہی باقی رہ گئے تھے، ہم نے ایک ٹیکسی لی اور دربار غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حاضر ہو گئے، نماز مغرب کے بعد حاضری دی-----

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ، وہ کریم بارگاہ ہے، جہاں ہر دفعہ نیا سرور اور نئی لذت و حلاوت ایمانی نصیب ہوتی ہے، کیوں نہ ہو کہ آپ اپنے جد کریم ﷺ کے مظہر اتم اور نائب و وارث ہیں صلی اللہ علی جدہ و علیہ و بارک و سلم-----

کھانا

کافی دیر تک یہاں حاضری رہی، اس اثنا میں قافلہ کے دیگر افراد بھی جمع ہو گئے۔ یہاں سے "اعظمیہ" روانہ ہوئے، نماز عشاء جامع مسجد امام اعظم میں ادا کرنے اور مزار پر انوار پر حاضری دینے کے بعد گاڑی میں سوار ہوئے تو ہمارے "وزیر خزانہ" محترم حافظ فیاض احمد نے اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے کسی اچھے ہوٹل میں کھانے کا مژدہ سنایا۔ صبح کے ناشتے کے بعد کھانے کا موقعہ نہ مل سکا تھا، تاہم بھوک کا زیادہ احساس نہ ہوا، لیکن جب گاڑی ایک خوب صورت ریسٹورنٹ کے باہر رکی اور کھانوں کی خوشبو نے بھرپور استقبال کیا تو اچانک بھوک چمک

اٹھی-----

شہر کی گنجان آبادی سے نکل کر ہم "پوش علاقے" میں پہنچ چکے تھے' ریستورانوں کی قطار اور رنگارنگ کھانوں کی بہار دیدنی تھی۔ یہاں ایک لحاظ سے "بوفے" قسم کا کھانا تھا' جسے بیرے سرو کر رہے تھے اور ہر آنے والے کی میز پر تمام آئٹمز سجا دیئے جاتے' کوئی آٹھ دس قسم کا تو سلاد تھا----- پیاز' کھیرے' پتے' آلو' چھولے' دہی' پاپڑ' عمدہ اور میٹھے انار کے دانے' پودینہ کی چٹنی' سرکہ میں بنا ہوا سبزیوں کا اچار' چنوں اور تلوں وغیرہ کا زیتون کے تیل میں بنا ہوا حلیم' تکے' کباب اور مرغ روسٹ وغیرہ انواع و اقسام کے کھانے چن دیئے گئے۔ کھانا متنوع اور لذیذ تھا کہ سب نے شوق سے کھایا۔ کھانا کھا چکے تو ننھے منے "جھاڑووں" سے بھری پلیٹ سامنے رکھ دی گئی' یہ دراصل کسی پودے کا شگوفہ تھا' جسے خلال (Tooth picks) کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ہلکے پھلکے' خوش ذائقہ' قدرتی اور فطرتی خلال بہت پسند آئے۔ اب ذائقے اور خوشبو سے لبریز قہوے کے فنجان (Cups) آئے' مگر ساتھ ہی بتا دیا گیا کہ یہ مینو میں شامل نہیں اور اس کے لئے الگ ادائیگی کرنا ہوگی۔ فارغ ہوئے تو کھانے اور قہوے کا بل آ گیا۔ تیرہ افراد کے کھانے کا بل بتیس ہزار دینار (۳۲۰۰۰) بنا' ستائیس ہزار کھانے کا اور پانچ ہزار دینار کولڈ ڈرنک کا بل تھا' علاوہ ازیں تین ہزار دینار بیروں کو ٹپ دی گئی۔ فیاض صاحب نے ہزاروں روپے کا بل خندہ پیشانی سے ادا کر کے فیاضی کا حق ادا کر دیا-----

قارئین آپ حیران نہ ہوں' ہم خوش ذوق ضرور ہیں' لیکن اتنے بھی فضول

خرچ نہیں، پینتیس ہزار دینار پاکستانی کرنسی کے حساب سے صرف تیرہ سو (۱۳۰۰) روپے بنتے ہیں، گویا سو روپے فی کس-----

کھانے سے فارغ ہو کر اپنے ہوٹل پہنچتے ہی ہم نے بستر سنبھالے اور سو گئے کہ صبح ہمیں کوفہ، نجف اشرف اور کربلا معلٰی کے سفر پر روانہ ہونا ہے-----

(جاری ہے)

حواشی

۱...... تاریخ بغداد، جلد ۱۴، صفحہ ۲۴۳
۲...... ایضاً
۳...... ایضاً، صفحہ ۵-۲۴۴
۴...... وفیات الاعیان، جلد ۶، صفحہ ۳۸۲
۵...... تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، صفحہ ۲۶۹ تا ۲۷۱
۶...... ایضاً
۷...... وفیات الاعیان، جلد ۶، صفحہ ۳۷۹
۸...... تاریخ بغداد، جلد ۱۴، صفحہ ۲۴۶
۹...... وفیات الاعیان، جلد ۶، صفحہ ۳۷۹
۱۰...... البدایہ والنہایہ، جلد ۱۰، صفحہ ۱۸۰
۱۱...... الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، شیخ محی الدین ابو محمد عبد القادر بن ابی الوفا مصری (م ۷۷۵ھ)، مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن، جلد ۲، صفحہ ۲۲۱
۱۲...... تاریخ بغداد، جلد ۱۴، صفحہ ۲۵۴
۱۳...... وفیات الاعیان، جلد ۶، صفحہ ۳۷۹
۱۴...... تاریخ بغداد، جلد ۱۴، صفحہ ۲۵۵ / تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، صفحہ ۲۷۰
۱۵...... تاریخ بغداد، جلد ۱۴، صفحہ ۲۵۵
۱۶...... الجواہر المضیہ، جلد ۲، صفحہ ۲۲۲
۱۷...... تاریخ بغداد، جلد ۱۴، صفحہ ۲۶۱
۱۸...... ایضاً
۱۹...... صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب بیع الجمار و اکلہ
۲۰...... صحیح بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الکبیر
۲۱...... صحیح بخاری، باب طرح الامام المسئلة علی اصحابه لیختبر ما عندهم من العلم
۲۲...... عمدۃ القاری شرح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۱۵

تاریخ الدولۃ المکیۃ

پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۸۵۶ء-۱۹۲۱ء) کی بلند پایہ تصانیف میں سے 'الدولۃ المکیۃ' کو جو اہمیت حاصل ہے، اسے عالم اسلام کے علمی اور اعتقادی حلقوں نے تسلیم کیا ہے۔ یہ کتاب حضور ﷺ کے لاتعداد علوم پر ایک بے مثال کتاب ہے۔ خصوصاً حضور ﷺ کو علوم غیبیہ کے بعض خصوصی علوم سے نوازا گیا تھا، اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ ایک مثالی دستاویز ہے، جسے مصنف علام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قیام مکہ کے دوران ۱۳۲۳ھ میں مرتب کیا تھا اور مکہ مکرمہ کے جلیل القدر علماء کرام کے سامنے پیش کیا اور ان کے تاثرات قلم بند کرائے، ان کی تقاریظ سے مزین کیا گیا، پھر اس کتاب کا پہلا ایڈیشن بریلی شریف میں ۱۳۲۸ھ میں زیور طباعت سے آراستہ کیا گیا۔ اس ایڈیشن کا اہتمام اور ترجمہ فاضل بریلوی کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد حامد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا۔

'تاریخ الدولۃ المکیۃ' کے فاضل مولف علامہ عبدالحق انصاری نے بڑی محنت اور تحقیق سے اپنی کتاب کو تصنیف، ترتیب، طباعت واشاعت اور حواشی وتعلیقات کے ذریعہ مختلف ادوار پر روشنی ڈالی ہے۔ الدولۃ المکیۃ کی تالیف کی ضرورت دیارِ حرم کے علماء کرام کی معرکہ آرائیوں کے مختلف مراحل کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ کتاب لکھتے وقت فاضل مولف کے سامنے 'الدولۃ المکیۃ' کے مختلف ایڈیشن موجود رہے ہیں، ان کی روشنی میں حواشی، تعلیقات، تراجم اور تقاریظ کو مرتب کیا گیا ہے۔ ایک ایک ایڈیشن کا تعارف کرایا گیا ہے، ہر ایڈیشن کے مرتب کی کوششوں کو سراہا گیا ہے، پھر مختلف ایڈیشنوں پر اپنی رائے دی گئی ہے۔ اس طرح انہوں نے حرمین الشریفین سے لے کر لاہور تک کے مکتبوں، پھر قارئین کے ذخائر کتب تک کی معلومات بہم فرمائی ہیں۔

'تاریخ الدولۃ المکیۃ' مرتب کرتے وقت فاضل مولف نے چار سو تین کتابوں کو سامنے رکھا ہے اور ۲۶۸ کتابوں کی نشان دہی کی ہے، جن میں ان معرکہ آرا کتابوں کا تذکرہ آیا ہے۔ فاضل مولف نے اپنی تحقیقات کی روشنی میں بتایا ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر حرمین شریفین میں موجود ۸۰ جید علماء کرام نے اپنی تقاریظ سے کتاب کی اہمیت پر مہریں ثبت کی ہیں۔ 'تاریخ الدولۃ المکیۃ' کے صفحات پر ان مقرظین کی فہرست دی گئی ہے جنہوں نے اس کتاب کو پڑھا اور اپنے

تاثرات دیے۔ جن حضرات نے اس کتاب کے مختلف ایڈیشن شائع کر کے عوام تک پہنچائے ہیں، ان کی خدمات کو بھی شان دار الفاظ میں ہدیہ تحسین پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتاب نہایت اہم ہے اور ہم علامہ عبد الحق انصاری کی تحقیق و تجسس کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں، فقیہ اعظم پبلی کیشنز بصیر پور اور بہاء الدین زکریا لائبریری چوا سیدن شاہ کی کوششوں کو داد دیتے ہیں کہ انہوں نے اس اہم کتاب کی اشاعت پر بڑے نفیس اور خوب صورت انداز میں قارئین کو دعوت مطالعہ دی ہے۔ ہم کتاب دوست اہل علم کو دعوت مطالعہ دیتے ہیں، خصوصاً نوجوان سنی علماء کرام کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ آگے بڑھیں اور اس کتاب کے مطالعہ سے اپنے دل و دماغ کو روشن کریں۔

محمد عالم مختار حق

'تاریخ الدولة المکیة' اپنی نوعیت کی غالباً پہلی کتاب ہے، جس میں کسی کتاب کے متعلق اتنی تفاصیل دی گئی ہیں، جن حالات میں کتاب معرض تحریر میں آئی، اس کا تجزیہ، پھر کتاب کے سلسلے کی شخصیات اور مقرظین کے حالات اور لطف یہ کہ حواشی میں ان شخصیات کے موضوع پر مآخذ کی نشان دہی، یہاں تک کہ کسی اردو رسالے میں متعلقہ شخصیت پر کوئی مضمون چھپا ہو تو اس کا ذکر، جس سے ان کی فقہی لٹریچر پر گہری نظر کی نشان دہی ہوتی ہے۔ میں عبد الحق انصاری صاحب کی پہلے بھی کتبی علماء اور عجیمی علماء پر تصانیف دیکھ چکا ہوں، مگر اس تحقیقی کتاب کا رنگ ہی الگ ہے۔ کاش کوئی اور شخص اٹھے اور اصل کتاب 'الدولة المکیة' کا ایک تحقیقی اور تنقیدی متن تیار کر دے۔ میں مصنف کو غائبانہ ہدیہ تبریک اور سلام پیش کرتا ہوں:

می بینم اش عیاں و دعا می فرستمش

اب چند معروضات:

صفحہ ۱۵ پر 'العباب الزاخر' کے متعلق عرض ہے کہ یہ ابھی مکمل نہیں چھپی، غالباً کسی فنی خرابی کے سبب اس کی طباعت معطل ہے، اس کی تین جلدیں ریلیز ہوئی تھیں۔

صفحہ ۲۳ پر 'کشف الاسرار' کا انتساب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے درست نہیں، اس پر حکیم محمد موسیٰ کشف المحجوب کے مقدمہ میں تفصیلی روشنی ڈال چکے ہیں۔

صفحہ ۳۵ پر 'تحفة المرجان فی آثار هندوستان' کا ایک ایڈیشن بہ تحقیق ڈاکٹر محمد فضل الرحمن ۱۹۷۶ء میں مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ سے بھی چھپا تھا۔

صفحہ ۱۷۴ پر شاہ اسماعیل دہلوی کے مشہور سوانح نگار مولانا غلام رسول مہر --- مولانا مہر کی بنائے شہرت سید احمد شہید پر تحقیق کے سلسلے میں ہے نہ کہ شاہ اسماعیل کے سبب۔



تمہید ابوشکور سالمی اور اس کے مصنف

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

تمہید ابوشکور سالمی علم عقائد و کلام کی قدیم ترین اور مستند کتاب ہے۔ بقولِ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ، امیر مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور اس کے مصنف حضرت قدوۃ الاولیاء شمع بزم ولایت داتا گنج بخش سید علی ہجویری ﷺ کے ہم عصر تھے، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اکابر علماء حنفیہ میں سے قرار دیا ہے۔

امام ربانی حضرت امیر معاویہ ﷺ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے، امام غزالی اور علامہ ابن حجر کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ کے ساتھ ان کا اختلاف خلافت کے سلسلے میں نہیں تھا، بلکہ حضرت سیدنا عثمان غنی ﷺ کے قصاص کے سلسلے میں تھا۔ ان اقوال کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

> ”شیخ ابوشکور سلمی (سالمی) نے جو کہ اکابر علماء حنفیہ میں سے ہیں، فرمایا کہ امیر معاویہ کا اختلاف امیر علی مرتضیٰ کے ساتھ خلافت کے سلسلے میں تھا، کیوں کہ نبی اکرم ﷺ نے معاویہ کو فرمایا تھا کہ جب تم لوگوں کے حکمران بنو تو ان پر نرمی کرنا۔ اس وقت سے معاویہ کو خلافت کی امید پیدا ہو گئی تھی، لیکن وہ اس اجتہاد میں خطا پر تھے اور حضرت علی مرتضیٰ حق پر تھے، اس لیے کہ ان کی خلافت کا زمانہ حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کے زمانے کے بعد تھا“۔۔۔

اس کے بعد امام غزالی، علامہ ابن حجر اور شیخ ابو شکور سالمی کے اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہوسکتا ہے ابتداءً منشا اختلاف قصاص کی تاخیر ہو، اس کے بعد خلافت کی طلب بھی شامل ہوگئی ہو، بہرحال اجتہاد اپنی جگہ واقع ہوا ہے اور مجتہد اگر خطا پر ہو تو اس کے لیے ایک درجہ ہے اور اگر حق پر ہو تو دو درجے بلکہ دس درجے ہیں'' ---[۱]

ایک دوسری جگہ ان کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''شیخ ابو شکور سلمی (سالمی) نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل سنت و جماعت اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت معاویہ اور صحابہ کرام جو ان کے ساتھ تھے، خطا پر تھے اور ان کی خطا اجتہادی تھی'' ---[۲]

اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف دیگر علوم کے ساتھ خود تمہید شریف پڑھی تھی، بلکہ اپنے اصحاب علم مریدین کو پڑھایا بھی کرتے تھے، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت سے علوم و فنون پڑھنے اور مقامات حریری کے چالیس مقامات اور حدیث شریف کی کتاب مشارق الانوار یاد کرنے کے بعد حضرت بابا صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے، قرآن پاک کے چھ پارے تجوید کے ساتھ، عوارف المعارف اور عقائد میں 'تمہید ابو شکور سالمی' سبقاً سبقاً پڑھیں۔

حضرت بابا صاحب نے حضرت محبوب الٰہی کو اجازت و خلافت سے نوازا اور اس موقع پر عربی زبان میں تفصیلی سند تحریر فرمائی، اس میں تمہید شریف کا بھی خصوصی طور پر ذکر کیا اور فرمایا:

''یہ کتاب (تمہید شریف) مجھ سے فرزند رشید، صائب الرائے امام، مقبول و برگزیدہ عالم، نظام الملۃ والدین محمد بن احمد نے سبقاً سبقاً پڑھی، جو علماء اور ائمہ کی زینت، جلیل القدر بزرگوں اور متقیوں کے لیے باعث فخر ہے، اللہ تعالیٰ انھیں مزید رضا مندی کی جستجو نصیب کرے، ان پر اپنی رحمت کی انتہا کرے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔

انھوں نے اوّل سے آخر تک مکمل تمہید شریف بڑے تدبر، یقین اور انتہائی توجہ سے سمجھ کر پڑھی، دورانِ تدریس مجھے ان کی علمی استعداد اور غیر معمولی صلاحیتوں کا علم ہوا، لہٰذا میں انھیں اجازت دیتا ہوں کہ یہ کتاب طالب علموں کو پڑھائیں، بشرطیکہ اس

کی تقریر و تحریر میں غلطی سے بچیں اور نسخے کی تصحیح اور غلطیوں سے پاک کرنے کی پوری کوشش کریں" ---[۳]

حضرت بابا فرید الملۃ والدین نے اسی سند میں تمہید شریف کے بارے میں یہ کلمات تحریر فرمائے:

و نعم الکتاب فی ھذا الفن تمھید المھتدی ابی شکور برد اللہ مضجعہ ---[سیر الاولیاء، صفحہ ۲۳۰]

"عقائد میں مہتدی ابو شکور کی تمہید بہترین کتاب ہے، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو ٹھنڈا کرے" ---[۴]

حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا علامہ ابو البرکات سید احمد قادری کو 'تمہید شریف' سے بڑی محبت تھی، ۱۹۷۲ء میں راقم ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا:

"گزشتہ دنوں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ کی وجہ سے دورۂ حدیث شریف کے اسباق جاری نہیں رہ سکے، کیوں کہ ان دنوں کرفیو نافذ ہوتا تھا، میں نے فرصت کے ان لمحات میں تمہید ابو شکور سالمی کا ترجمہ کر دیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس کا اصل کے ساتھ مقابلہ ہو جائے تو بہتر ہوگا" ---

سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"حضرت مصنف، حضرت داتا صاحب (قدس سرہما) کے ہم عصر معلوم ہوتے ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان سے ملاقات ہوئی یا نہیں" ---

پھر فرمانے لگے:

"حضرت امام ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر مسئلے میں اتنے مذاہب اور اقوال بیان کرتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، اتنی تفصیل کسی دوسری جگہ شاید ہی ملے، اشاعرہ کو بھی اہل سنت کے مقابل ذکر کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں:

قال اھل السنۃ کذا و قال الاشاعرۃ کذا---

راقم الحروف نے پوچھا کیا یہ ماتریدی ہیں؟ فرمایا:

"ہاں اسی لیے تو میں اسے زیادہ اہمیت دیتا ہوں، طالب علمی کے دور میں ہمیں اس کا ایک نسخہ بدایوں سے ملا تھا، جسے ہم نے نقل کر کے پڑھا تھا، پاکستان میں

سید صاحب نے ہی ' تمہید شریف ' شائع کی تھی اور دورۂ حدیث کے طلبہ کو فارغ اوقات میں پڑھایا کرتے تھے" ---[۵]

حضرت مولانا سید حبیب الرحمٰن شاہ مدظلہ العالی سابق رجسٹرار شریعت کورٹ، مظفر آباد نے ایک ملاقات میں بیان فرمایا کہ میں حضرت مولانا عبد القادر شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ ۱۹۵۲-۵۳ء میں فیصل آباد سے لاہور حاضر ہوا، داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پرانوار پر حاضری دینے کے بعد ہم (حزب الاحناف قدیم) دہلی دروازہ میں حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے، دوران گفتگو میں نے شرح عقائد خریدنے کی خواہش کا ذکر کیا تو حضرت نے فرمایا:

"تمہید ابو شکور سالمی علم عقائد کی مستند و معتبر کتاب ہے، یہ خرید لیں، یہ مستند ہونے کے ساتھ آسان اور عام فہم بھی ہے، فقیر کی خواہش ہے کہ علماء اہل سنت اس کو درسِ نظامی کے نصاب میں داخل کر کے شرح عقائد کی طرح سبقاً سبقاً پڑھائیں" ---[۶]

حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تمہید شریف عربی میں شائع کی تھی، اس میں بھی انھوں نے اپیل کی تھی کہ اس اہم کتاب کو نصاب میں داخل کیا جائے۔ الحمد للہ! تنظیم المدارس کے نصاب میں اسے شامل کر لیا گیا ہے۔ اس کتاب کا آغاز بسم اللہ شریف کے بعد ان الفاظ سے ہے:

الحمد لله ذی المن و الآلاء و العظمة و الكبرياء و الجود و الاعطاء و البهجة و البهاء---[۷]

اس کا نام خود حضرت امام سالمی نے یوں تحریر کیا ہے:

و سميته التمهيد فی بيان التوحيد

و هو هداية لكل مسترشد و رشيد [۸]

ظاہر ہے کہ کتاب کا نام صرف وہی ہے جو پہلی سطر میں ہے، دوسری سطر تو کتاب کا تعارف ہے، یعنی کتاب کا نام صرف اتنا ہے 'التمهيد فی بيان التوحيد' چناں چہ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اتنا ہی نام لکھا ہے۔[۹]

لیکن مشہور جرمن فاضل براکلمن نے گزشتہ دونوں سطروں کو نام قرار دے دیا ہے، انھوں نے

اس طرح نام لکھا ہے:

''کتاب التمهيد فى بيان التوحيد (و هداية لكل مسترشد و الرشيد)''---[۱۰]

اس میں چند تسامحات ہیں:

۱......لفظ'کتاب' نام کا حصہ نہیں۔

۲......بریکٹ میں لکھی ہوئی عبارت تعارفی جملہ تو ہے، لیکن نام کا حصہ نہیں۔

۳......ھدایہ سے پہلے ایک لفظ'ھو' نقل کرنے رہ گیا ہے، تمہید میں اس طرح ہے:(و هو هداية)

۴......الرشید میں لام زائد ہے، تمہید میں (لكل مسترشد و رشيد) ہے، یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں مسلک اہل سنت و جماعت یعنی اسلام کے اکثر و بیشتر عقائد بیان کردیے گئے ہیں، ہر باب کو متعدد اقوال (فصلوں) پر تقسیم کیا گیا ہے، ابواب کی مختصر فہرست درج ذیل ہے:

پہلا باب	عقل کے بارے میں اور اس میں ۹/اقوال ہیں۔
دوسرا باب	محسوس کے بارے میں اور اس میں ۷/اقوال ہیں۔
تیسرا باب	اثبات صانع کے بیان میں اور اس میں ۷/اقوال ہیں۔
چوتھا باب	اثبات صفات کے بیان میں اور اس میں ۱۰/اقوال ہیں۔
پانچواں باب	اسماء حسنٰی کے بارے میں اور اس میں ۶/اقوال ہیں۔
چھٹا باب	رسولوں پر وحی کے بھیجنے کے اثبات میں اور اس میں ۲۰/اقوال ہیں۔
ساتواں باب	معرفت اور ایمان کے بارے میں اور اس میں ۱۱/اقوال ہیں۔
آٹھواں باب	ایمان کی شرائط کے بیان میں اور اس میں ۱۹/اقوال ہیں۔
نواں باب	دین اور شرائع کے بیان میں اور اس میں ۳/اقوال ہیں۔
دسواں باب	تکلیف اور طاقت کے بیان میں اور اس میں ۷/اقوال ہیں۔
گیارہواں باب	خلافت و امارت کے بیان میں اور اس میں ۸/اقوال ہیں۔
بارہواں باب	اہل سنت و جماعت کے بارے میں اور اس میں ۱۶/اقوال ہیں۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے تمہید شریف

پر یہ نوٹ لکھا کہ اس کے مصنف حضرت داتا گنج بخش کے ہم عصر ہیں۔ دوسری بات یہ لکھی تھی کہ اگر کسی صاحب کو ان کے حالات معلوم ہوں تو ہمیں ان کی اطلاع دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں شائع کر دیے جائیں۔ آئندہ سطور میں جس قدر حالات میسر ہو سکے ہیں، تحریر کیے جاتے ہیں:

امام ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

انھوں نے 'تمہید' میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے:

"ابو شکور سالمی و هو محمد بن عبد السعید بن شعیب الکبشی"---[۱۱]

حاجی خلیفہ نے اس طرح ان کا نام لکھا ہے:

"ابو شکور محمد بن عبد السیّد بن شعیب الکشی السالمی الحنفی"---[۱۲]

۱) انھوں نے کنیت 'ابو الشکور' لکھی ہے، جب کہ وہ خود 'ابو شکور' لکھتے ہیں۔
۲) والد کا نام 'عبد السید' لکھا ہے، جب کہ تمہید میں 'عبد السعید' ہے۔
۳) نسب 'الکشی' لکھی ہے، جب کہ تمہید میں 'الکبشی' ہے۔

براکلمن نے ان کا نام اس طرح لکھا ہے:

"ابو شکور محمد بن عبد السید بن شعیب الکَسّی (ک س س ی) الحنفی السالمی"---[۱۳]

صرف نسبت میں اختلاف ہے۔

امام ابوشکور سالمی کی تاریخ پیدائش، جائے پیدائش اور تاریخ وفات کسی کتاب سے معلوم نہیں ہوتی، براکلمن نے اتنا بیان کیا ہے کہ مصنف پانچویں صدی ہجری کے دوسرے نصف میں تھا۔[۱۴]

پیر محمد حسن، سابق شیخ الادب جامعہ اسلامیہ بہاول پور راقم کے نام اپنے ایک مکتوب میں (تحریر ۲۴ر جولائی ۱۹۸۹ء) میں لکھتے ہیں:

"براکلمن کے اس قول سے آپ کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ مصنف سید علی ہجویری کے معاصرین میں سے تھا، مزید برآں ان کو حنفی اور سالمی لکھا ہے اور داتا صاحب بھی حنفی تھے"---

اس قول کی تائید خود امام سالمی کے ارشاد سے ہو رہی ہے، وہ فرماتے ہیں:

''میں نے شیخ امام زاہد ابوبکر محمد بن حمزہ، سمرقند کے خطیب ۴۶۰ھ کے بعد والی دہائی میں سنا، میں ان کے پاس علم فقہ پڑھ رہا تھا اور میں نے ان سے کتاب السرقہ وغیرہ کا درس لیا تھا'' ---[۱۵]

اس اقتباس سے ان کے ایک استاذ امام محمد بن حمزہ کا پتا چلتا ہے، دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ سمرقند میں پڑھتے رہے، تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہ ۴۶۰ھ کے بعد والی دہائی میں طالب علمی کے دور میں گزر رہے تھے، چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ انھوں نے فقہ کی کتاب السرقہ وغیرہ کا درس امام محمد بن حمزہ سے لیا تھا۔ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''میں نے بلخ میں شیخ الاسلام، امام الائمہ امام ابوسعید خلیل بن احمد بن اسماعیل سنجری کے اپنے قلم کا لکھا ہوا ایک فتویٰ کا جواب دیکھا'' ---[۱۶]

اس سے زیادہ ان کے اساتذہ اور تحصیل علم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، البتہ ان کی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے بڑے متبحر عالم اور امام تھے اور ہر فرقے کے علماء سے مناظرے کرتے اور انھیں لاجواب کرتے تھے۔ تمہید میں ایک جگہ فرقۂ معتزلہ کے عالم کے ساتھ مناظرے کا ذکر ہے (دیکھیے صفحہ ۴۲) ایک جگہ کرامیہ کے فرقۂ حشویہ کے عالم سے مناظرے کا ذکر ہے (دیکھیے صفحہ ۵۰) صفحہ ۵۲ پر ایک اشعری کے ساتھ مناظرے کا تذکرہ ہے، صفحہ ۵۳ پر ایک مجوسی کا ایک سوال اور اس کا جواب بیان کیا ہے، غرض یہ کہ ہر قسم کے فرق باطلہ کے ساتھ نبرد آزما رہتے تھے اور مسلک اہل سنت وجماعت کی حقانیت واضح کرتے تھے۔

حشویہ فرقے کے کسی عالم سے درج ذیل گفتگو ہوئی:

امام سالمی: اللہ تعالیٰ کی صفات فعلیہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

حشوی: حادث ہیں۔

امام سالمی: اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس صفت کے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ صفت کے لحاظ سے ناقص تھا؟ یہ باطل اور محال ہے

امام سالمی: وحی سے پہلے انبیاء کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

حشوی: وحی سے پہلے وہ نبی نہیں تھے اور منافی عدالت افعال سے معصوم بھی نہیں تھے۔

امام سالمی: اگر وہ ایسا کام کریں جو عدالت کے منافی ہو تو وہ فاسق ہو جائیں گے، اگر اس وقت اللہ تعالیٰ ان پر وحی نازل فرمادے تو یہ ایک فاسق شخص پر وحی ہوگی، اس سے اللہ کے رسول کا فاسق ہونا لازم آئے گا۔

امام سالمی: جو شخص کلمہ طیبہ 'لا الٰہ الا اللّٰہ' پڑھے اور نعوذ باللہ عقیدہ اس کے مخالف رکھے، اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟

حشوی: وہ مومن ہے۔

امام سالمی: تمہارا دین کیا ہوا؟ یہی ناں کہ رب کریم ناقص ہے، رسول فاسق ہے اور مومن منافق ہے۔

اس پر حشوی حیران رہ گیا اور اس کی زبان بند ہوگئی[۱۷] اس سے ان کی مناظرانہ قابلیت، قوت استحضار اور مد مقابل پر چھا جانے کی صلاحیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ایک دفعہ امام سالمی شیعوں کے نرغے میں آ گئے، انھوں نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل کون ہیں؟ فرماتے ہیں کہ مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ اگر میں نے تسلی بخش جواب نہ دیا تو یہ مجھ پر حملہ کرنے اور زد و کوب کرنے سے بھی باز نہیں آئیں گے، میں نے جواب دیا:

"صحابہ کرام میں سب لوگوں سے افضل ابو بکر صدیق ہیں اور اہل بیت میں سب سے افضل حضرت مرتضیٰ ہیں"---

اس جواب سے وہ خوش ہو گئے، کیوں کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ صحابہ میں سے نہیں بلکہ اہل بیت میں سے تھے اور اہل بیت صحابہ سے افضل ہیں، جب کہ میرا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ صحابہ میں سے بھی تھے اور اہل بیت میں سے بھی اور حضرت ابو بکر صدیق ان سے افضل تھے اور خلفاء راشدین اہل بیت سے افضل تھے۔[۱۸] (رضی اللہ عنہم)

ایک دفعہ امام سالمی کو نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی، فرماتے ہیں:

"خواب میں مجھے نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ کے کمرے کے گرد جالی لگی ہوئی تھی، آپ کی نورانیت اور ضیا باری کی فراوانی کی وجہ سے مجھے صرف آپ کے رخساروں کی سفیدی دکھائی دی"---[۱۹]

اس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ وہ سنی، حنفی اور ماتریدی تھے، سالمی کہلانے کی کیا وجہ تھی؟

ڈاکٹر پیر محمد حسن نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''سالمی کے لفظ سے ایک اور بات کی نشان دہی ہوتی ہے، وہ یہ کہ وہ سالمی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے، سالمی صوفیہ کا ایک فرقہ ہے جس کے بانی ابوالحسن احمد بن محمد بن سالم البصری (متوفی ۳۶۰ھ ان کے والد) محمد بن سالم البصری (متوفی ۲۹۷ھ) میں فوت ہوئے۔ دائرہ معارف اسلامیہ اردو میں جلد ۱۰، صفحہ ۶۱۴ سالمیہ پر ایک مقالہ ہے جو بہت حد تک گمراہ کن ہے'' ---[۲۰]

کسی تذکرے یا کسی دوسری کتاب سے نہ تو ان کی تاریخ وفات معلوم ہو سکی اور نہ ہی یہ خبر ملی کہ ان کا مزار کہاں ہے؟ مولانا محمد سعید شبلی نقشبندی قادری رضوی فیروز پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ساہیوال) نے اپنی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''حافظ محمد اسماعیل صاحب احقر کے دادا کے چچا زاد بھائی تھے اور وہ چھوٹی عمر میں پڑھنے کے لیے دہلی جا رہے تھے، اس زمانے میں ریل گاڑی نہیں تھی، وہ پا پیادہ چلتے ہوئے راستہ میں خواجہ ابوشکور سالمی سرسوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر رات بھر درود شریف یا بخلاف روایت الحمد شریف پڑھتے رہے، پچھلی رات روضہ سے آواز آئی:

اے لڑکے! جس ارادے سے دہلی جا رہا ہے، واپس اپنے گھر چلا جا، ترا مقصد گھر پر ہی حاصل ہو جائے گا'' ---

واپس (پہلے) استاذ سے پڑھنا شروع کیا، سال کے اندر قرآن شریف حفظ کر لیا اور باقی علوم عربی، فارسی وغیرہ روحانی کمالات اللہ کی عطا سے حاصل ہو گئے'' ---[۲۱]

مولانا محمد سعید شبلی ابتداءً فرید کوٹ کے رہنے والے تھے، ان کے دادا کے بھائی وہاں سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے، راستے میں خواجہ ابوشکور سالمی کا مزار تھا، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا مزار ہندوستان میں فرید کوٹ اور دہلی کے درمیان ہے، ان کے نام کے ساتھ 'سرسوی' کے ضمیمے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مزار سرسہ میں ہے، برادرم مولانا محمد عبدالغفار ظفر صابری مدظلہ (فیصل آباد) نے بتایا کہ سرسہ ریاست پٹیالہ میں ہے۔

حوالہ جات و حواشی

۱......احمد سرہندی، امام ربانی، شیخ، مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، حصہ چہارم فارسی، صفحہ ۷۰

۲......ایضاً، صفحہ ۶۷

۳......محمد محب اللہ نوری، علامہ، حضرت گنج شکر، صفحہ ۲۰، ۱۹ (بحوالہ سیر الاولیاء، صفحہ ۲۳۰)

۴......ایضاً، صفحہ ۶۰-۵۹

۵......محمد عبدالحکیم شرف قادری، عظمتوں کے پاسبان (المتاز پبلی کیشنز لاہور ۲۰۰۰ء) صفحہ ۵۸

نوٹ: عظمتوں کے پاسبان میں ہے کہ راقم ۱۹۷۱ء میں حضور مفتی اعظم پاکستان کی خدمت میں حاضر ہوا تو یہ گفتگو ہوئی، ظاہر ہے کہ یہ سہو ہے، یہ ملاقات ۱۹۷۲ء میں ہوئی تھی۔ [شرف قادری]

۶......ان کی یہ تحریر نورانی ڈائری میں نوٹ ہے اور اس پر ان کے دستخط ہیں۔ [شرف قادری]

۷......محمد بن عبدالسعید، امام ابوشکور سالمی، التمہید، مکتبہ اسلامیہ، پشاور، صفحہ ۲

۸......ایضاً، صفحہ ۳

نوٹ: کشف الظنون اور جرمن محقق کے یہ حوالے پیر محمد حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے راقم کے نام ایک مکتوب میں تحریر کیے تھے۔ [شرف قادری]

۹......حاجی خلیفہ، علامہ، کشف الظنون، جلد ۱، صفحہ ۴۸۴

۱۰......براکلمن، جرمن محقق، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، جلد ۱، صفحہ ۴۱۹

۱۱......محمد بن عبدالسعید، ابوشکور سالمی، التمہید، صفحہ ۲

۱۲......حاجی خلیفہ، علامہ، کشف الظنون، جلد ۱، صفحہ ۴۸۴

۱۳......براکلمن، جرمن محقق، تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، جلد ۱، صفحہ ۴۴۷

۱۴......ایضاً، صفحہ ۴۱۹

۱۵......محمد بن عبدالسعید، ابوشکور سالمی، التمہید، طبع پشاور، صفحہ ۱۹۳

۱۶......ایضاً، صفحہ ۱۰۰ ۱۷......ایضاً، صفحہ ۵۰

۱۸......ایضاً، صفحہ ۱۸۱ ۱۹......ایضاً، صفحہ ۱۶۶

۲۰......پیر محمد حسن، علامہ ڈاکٹر، مکتوب بنام راقم، تحریر ۲۴ رجولائی ۱۹۸۹ء

۲۱......محمد سعید شبلی، علامہ، فضائل درود و سلام، مطبوعہ مجلس رضا لاہور (۱۴۰۰ھ)، صفحہ ۸۶



شیخِ محقق، شارحِ مشکوٰۃ

مولانا محمد سہیل احمد سیالوی

پیشِ نظر مقالے میں ہمیں شیخ محقق کی شہرۂ آفاق کتاب 'اشعة اللمعات' پر مختلف پہلوؤں سے گفتگو کرنی ہے۔ مذکور کتاب حدیث پاک کی مشہور کتاب 'مشکوٰۃ المصابیح' کی شرح ہے، جسے حضرت شیخ نے فارسی میں قلم بند فرمایا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مشکوٰۃ المصابیح کے بارے میں کچھ جان لیا جائے۔

کچھ مشکوٰۃ المصابیح کے بارے میں

یہ بات بہت سے دلائل وشواہد سے ثابت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے مبارک زمانہ ہی سے تدوین وحفاظت حدیث کا اہم سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چناں چہ صحابہ کرام علیہم الرضوان، سرکار دو عالم ﷺ کے فرامین عالیہ کو بغور سنتے، سمجھتے اور پھر ان کی حفاظت کا بھی حتی الوسع اہتمام فرماتے، خود سرکار دو عالم ﷺ بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو احادیث محفوظ کرنے کا اشارہ دیتے رہتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ بھی سرکار ﷺ سے سنتا، اسے یاد کرنے کی نیت سے لکھ لیتا۔ قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم جو کچھ بھی آپ ﷺ سے سنتے ہو، لکھ لیتے ہو، حالاں کہ آپ ﷺ بشر ہیں اور بعض اوقات وہ خوشی اور غضب کی حالت میں بھی کلام

فرماتے ہیں۔ابن عمرو فرماتے ہیں، میں نے یہ بات سرکار ﷺ کو بتلائی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

اکتب فوالذی نفسی بیدہ ما خرج منہ الا حق ، و اشارت بیدہ الٰی فیہ---[۱]

اس خیرالقرون سے لے کر آج کے گئے گزرے دور تک، بحمداللہ تعالیٰ خدمت حدیث کا یہ زریں سلسلہ جاری و ساری ہے۔ ہر دور کے علماء کرام رحمہم اللہ نے فن حدیث میں نئی کتب لکھ کر، پہلی کتب کی شروح و حواشی تحریر فرما کر اور تعلیم و تعلم حدیث کے ذریعے اس مبارک فن کے خدمت گزاروں میں اپنا نام لکھوایا۔انھیں میں سے ایک نام امام حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی (م۵۱۲ھ) کا ہے۔آپ نے 'مصابیح السنۃ' کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی، جس میں چار ہزار سات سو انیس (4719) احادیث کو جمع کیا۔ان میں بعض احادیث ایسی تھیں جنھیں صرف امام بخاری نے روایت فرمایا تھا۔ایسی احادیث کی تعداد تین سو پچیس (325) تھی۔امام مسلم کے ساتھ مختص احادیث میں سے آٹھ سو پچھتر (875) احادیث اور ایک ہزار اکاون (1051) متفق علیہ احادیث کے علاوہ حدیث کی دوسری کتب سے بھی استفادہ کیا۔اس عظیم مجموعۂ حدیث میں امام بغوی نے اس بات کا التزام فرمایا کہ ہر حدیث کے بارے میں صحت، حسن، غرابت اور ضعف کی تصریح فرمائی اور منکر و موضوع احادیث کے ذکر سے اجتناب برتا۔چناں چہ مصابیح السنۃ کی علمی حلقوں میں بہت پذیرائی ہوئی، متعدد علمائے کرام نے اس پر حواشی اور شروح تحریر فرمائیں، ان میں سے چند علمائے اعلام کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱) الامام القاضی ناصر الدین عبد اللّٰہ بن عمر البیضاوی (م۶۸۵ھ)،امام بیضاوی نے اس شرح کو تحفۃ الابرار کے نام سے موسوم فرمایا۔

۲) الامام قاسم بن قطلو بغا الحنفی (م۸۷۵ھ)

۳) شھاب الدین فضل اللّٰہ بن الحسین التوربشتی الحنفی (م۶۰۰ھ)،آپ نے اپنی شرح کا نام المیسر رکھا۔

۴) الشیخ شمس الدین محمد بن مظفر الخلخالی (م۷۴۵ھ)،ان کی شرح کا نام التنویر ہے۔

۵) علاء الدین علی بن محمد الشھیر بمصنفک (م۸۷۵ھ)،اس شرح کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اس کو سرکار دو عالم ﷺ کے حکم پر ابن فرمان کے لیے ۸۵۰ھ میں قونیہ میں تحریر کیا۔

۶) غیاث الدین محمد بن محمد الواسطی (م۷۹۷ھ)

۷) شمس الدین محمد بن محمد الجذری، صاحب النشر فی القراء ات العشر (م۸۳۳ھ)، امام نے یہ شرح ماوراء النھر میں لکھی اور اسے تصحیح المصابیح کے نام سے موسوم کیا۔

۸) شمس الدین احمد بن سلیمان المعروف بابن کمال باشا (م۹۴۰ھ)

کتاب مصابیح السنۃ کی افادیت کے پیش نظر کچھ علماء نے اس کی تلخیص بھی فرمائی، چناں چہ:

۱) شیخ ابو النجیب عبد القاھر بن عبد اللّٰہ السھروردی (م۵۶۳ھ) نے اس کا اختصار کیا۔

۲) شیخ تقی الدین علی بن عبدا لکافی السبکی (م۷۵۶ھ) نے ضیاء المصابیح کے نام سے اس کی تلخیص کی۔

۳) مجد الدین ابو طاھر محمد بن یعقوب الفیروز ابادی نے التخاریج فی فوائد متعلقۃ باحادیث المصابیح کے نام سے اس کا اختصار کیا۔

اپنی گراں قدر خوبیوں کے باوجود مصابیح السنۃ کو کئی ایک تبدیلیوں اور اضافوں کی ضرورت تھی۔

۱)......امام بغوی نے ائمہ پر اعتماد کرتے ہوئے اسناد کو ذکر نہیں کیا تھا، اس طرح یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس حدیث کا مروی عنہ کون ہے؟

۲)......امام نے قارئین کے وسعت مطالعہ کے پیش نظر مآخذ کا ذکر کرنا بھی ضروری نہ خیال فرمایا، اس طرح یہ پتہ چلانا دشوار تھا کہ یہ حدیث کون سی کتاب سے ماخوذ ہے۔

۳)......ہر باب میں عنوان کی مناسبت سے مزید احادیث داخل کرنے کی گنجائش موجود تھی۔

اللّٰہ رب العزت نے یہ کام شیخ ولی الدین ابو عبد اللّٰہ محمد بن عبد اللّٰہ الخطیب سے لیا، انھوں نے:

(۱) رواۃ کے نام درج کر کے، (۲) مآخذ کی تعین فرما کر اور (۳) ہر باب اور فصل میں اسی عنوان کی صحیح اور حسن احادیث زیادہ کر کے مصابیح کو ایک مکمل تر کتاب بنا دیا۔ آپ ۷۳۷ھ کے رمضان المبارک کے آخری جمعۃ المبارک کو اس کام سے فارغ ہوئے اور آپ نے اس گنجینۂ جواہر کا نام "مشکوٰۃ المصابیح" تجویز فرمایا۔ اب یہ کتاب کئی اعتبار سے دوسری کتب احادیث سے فائق ہو چکی تھی۔[۲]

۱) اس میں متعدد کتب احادیث سے استفادہ کیا گیا تھا، گویا اس کتاب پر دسترس حاصل کرنے والے کو ان کتب کے اسلوب، طرزِ تحقیق اور اندازِ استدلال سے بھی واقفیت ہو جاتی تھی۔

۲) امام بغوی جن چیزوں کو ملحوظ خاطر نہیں رکھ پائے تھے ان کی بجا آوری نے کتاب کو ہر لحاظ سے ایک مکمل اور جامع کتاب بنا دیا تھا، اب ایک دفعہ پھر اس کتاب نے علماء کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی اور شروح وحواشی، اسماء الرجال کے حوالے سے اس کتاب پر کام کا ایک نیا دور شروع ہوا۔

کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے اس کے شارحین اور محشین کو بیان کرتے ہوئے درج ذیل اعلام کا ذکر کیا ہے:

۱) العلامة حسين بن عبد الله بن محمد الطيبي (م۷۴۳ھ)، ان کی ضخیم شرح کا نام 'الكاشف عن حقائق السنن' ہے۔

امام نے اس شرح کو تصنیف کرتے وقت 'شرح تور پشتی علی مصابیح السنة'، 'شرح قاضی بیضاوی'، 'مفردات الراغب' اور دیگر بلند پایہ کتب سے استفادہ کیا اور اپنی طرف سے بھی بے شمار نکات کا اضافہ کیا۔

۲) ابو الحسن علی بن محمد المعروف بعلم الدین السخاوی (م۶۴۳ھ)

۳) عبد العزیز بن محمد بن عبدالعزیز الابہری (م۸۹۵ھ تقریباً) اس شرح کا تاریخی نام 'منهاج المشكوٰة' ہے اور یہ امیر علی شیر کے لیے لکھی گئی۔

۴) العلامة الامام السيد الشريف الجرجانی نے مشکوٰۃ پر ایک مبسوط حاشیہ تحریر فرمایا۔

۵) الشيخ نور الدين علی بن سلطان محمد الهروی المعروف بالقاری (م۱۰۱۴ھ) اس کا نام 'مرقاة المفاتيح' ہے اور اس میں تمام سابقہ شروحات کے مضامین کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۶) ہمارے ممدوح شیخ محمد عبدالحق ابن سیف الدین دہلوی (م۱۰۵۲ھ) نے بزبان فارسی 'اشعة اللمعات' کے نام سے حاشیہ تحریر فرمایا۔

صاحب کشف الظنون نے مشکوٰۃ کے حواشی میں اس کا تذکرہ نہیں کیا، حالاں کہ شیخ کا وصال صاحب کشف الظنون سے پہلے ہوا ہے، ممکن ہے اس وقت تک یہ حاشیہ عام نہ ہوا ہو۔ تاہم اسماعیل پاشا البغدادی (م۱۳۳۹ھ) نے ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون میں اشعة اللمعات کو ذکر کیا ہے۔[۳]

اشعۃ اللمعات اور صاحب اشعۃ اللمعات

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں حضرت شیخ کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ ۹۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلی و نقلی کی ہر طرح تکمیل کر لی اور درس و تدریس میں مصرف ہو گئے۔ ۹۹۶ھ میں حرمین شریفین کے لیے روانہ ہوئے اور احمد آباد کے راستے سے بحری سفر طے کر کے اسی سال رمضان المبارک سے بہت پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ وہاں دس ماہ تک بعض محدثین سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا درس لیا، پھر شیخ علی متقی رحمہ اللہ تعالیٰ (م ۹۷۵ھ) کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ذکر کی تلقین اور اجازت حاصل کی۔ دوسرے سال مدینہ طیبہ میں حاضری دی اور قریب ایک سال کے قیام کے بعد مکہ معظمہ میں واپس ہوئے۔ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان آ کر پھر درس و تدریس میں مصروف ہوئے اور بلند پایہ کتابیں مرتب کیں'' ---[۴]

آپ نے تفسیر، تجوید، عقائد، فقہ، اخلاق، اعمال و اوراد، فلسفہ، منطق، تاریخ، نحو اور کئی دوسرے فنون پر ساٹھ کتب تصنیف فرمائیں۔[۵]

مشکوٰۃ المصابیح کے حوالے سے آپ کی دو کتابیں منصۂ شہود پر آ چکی ہیں۔

(۱) اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ (فارسی)

(۲) لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح (عربی)

مؤخر الذکر ابھی مکمل طور پر طباعت کے مراحل سے آشنا نہیں ہو سکی لیکن اشعۃ اللمعات بار بار چھپ کر اہل علم و فن سے داد تحقیق و تحسین وصول کر چکی ہے۔ اجلہ علمائے کرام نے اس پر اعتماد فرما کر اور اس کی تحقیقات کو اپنی تصنیفات میں مستدل بنا کر اس کی توثیق فرمائی ہے، چناں چہ:

۱...... فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز (م ۱۹۲۱ء) نے اپنے رسالہ مبارکہ 'فقہ شہنشاہ' میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ اپنے غلام اور لونڈی کو 'عبد' اور 'امۃ' کہا جا سکتا ہے یا نہیں، اشعۃ اللمعات کی ایک عبارت بطور دلیل پیش فرمائی:

وگفتہ اند کہ منع و نہی از اطلاق عبد و امۃ بر تقدیر است کہ بروجہ تطاول و تحقیر و تعفیر باشد و الا اطلاق عبد و امۃ در قرآن و حدیث آمدہ---[۶]

۲...... شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۱۹۸۱ء) اشعۃ اللمعات کو بہت پسند فرماتے تھے، آپ نے بوقت مطالعہ اس پر حواشی بھی تحریر فرمائے، جو آپ کی ذاتی لائبریری میں محفوظ ہیں۔ شیخ علیہ الرحمۃ نے 'اشعۃ اللمعات' کے مقدمہ میں

ان دونوں کا ذکر اس طرح فرمایا ہے:

بندۂ مسکین عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی المتوطن البخاری الاصل را بعد از رجوع از حرمین شریفین زادھما اللہ تشریفاً وتعظیماً وحصول اجازت روایت حدیث از مشائخ آں دیار شریف چوں توفیق وتایید الٰہی تعالیٰ دستگیری کرد ودر خدمت این علم شریف در مقام استقامت بنشاند خواست کہ کتاب 'مشکوٰۃ المصابیح' را کہ دریں روزگار بسمت تداول واشتہار موسوم است شرح کند.......... آں قدر کہ تسوید یافتہ بود بہ بیاض آورد ودر اتمام آنچہ باقی ماندہ بود شروع کرد و باللہ التوفیق و منہ الاتمام---[۷]

"حمد وصلوٰۃ کے بعد (میں کہتا ہوں کہ) بندۂ مسکین محمد عبدالحق بن سیف الدین متوطن دہلی بخاری الاصل کی حرمین شریفین سے واپسی اور اس دیار پاک کے مشائخ سے اجازت حدیث حاصل کرنے کے بعد جب توفیق وتایید الٰہی نے دستگیری فرمائی اور استقامت کے ساتھ اس علم شریف کی خدمت کے لیے بٹھایا تو اس (بندہ) نے چاہا کہ مشہور ومتداول کتاب 'مشکوٰۃ المصابیح' کی شرح کرے اور جو فوائد کتب علماء میں پائے، اپنے وقت کے مشائخ سے سنے یا اس کے دل میں پہنچے، طالبوں تک پہنچائے۔ بعض مخلص، چنے ہوئے ارباب محبت نے فرمایا کہ اگر اس کی شرح زبان فارسی میں ہو تو اس کا نفع زیادہ عام ہوگا۔ جب (یہ کام) شروع کیا تو دوران مطالعہ ایسی باتیں رونما ہوئیں جن کو فارسی شرح میں درج کرنا مناسب نہیں اور ترک کرنے کی بھی گنجائش نہ تھی، پس اسی کتاب کی عربی زبان میں شرح بھی شروع کی، یہاں تک کہ کچھ عرصہ دونوں شرحیں اکھٹی لکھی جاتی رہیں، آخر اس طرح ہوا کہ عربی شرح تازی گھوڑے کی طرح آگے چلی گئی اور مکمل ہوگئی اور فارسی آدھے راہ میں رہ گئی، جب عربی شرح پر نظر ثانی کی اور اس کی تمبیض ہوئی تو فارسی شرح کو چھوڑے ہوئے ایک لمبا زمانہ گزر گیا اور فارسی مسودہ نسیاً منسیا کے حکم میں ہو گیا، پھر حکم ہوا کہ فارسی کو بھی مکمل کیا جائے اور سواد سے بیاض میں منتقل ہو، تو 'المامور معذور' کے مطابق جس قدر کی تسوید ہو چکی تھی، بیاض میں لائی گئی اور جو باقی بچی تھی اس کے اتمام میں شروع ہوا، اللہ جل جلالہ کی طرف سے توفیق ہے اور اسی کی طرف سے اتمام"---

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد اب ہم اشعۃ اللمعات کی طرف آتے ہیں اور اس کے مختلف گوشوں سے پردہ ہٹانے کی سعی کرتے ہیں۔

'مشکوٰۃ المصابیح' کی جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، متعدد شروحات لکھی گئیں اور ان میں سے بعض تو بہت زیادہ ضخیم وطویل بھی ہیں، لیکن شیخ دہلوی کی شرح کا اعجاز یہ ہے کہ آپ نے اس مختصری شرح میں تمام پہلی شروح وحواشی کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ قاری کو جو مضامین ان ضخیم شروحات کے کئی اوراق گردانے کے بعد حاصل ہوتے ہیں، وہ یہاں چند سطروں میں موجود ہیں اور یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ 'مشکوٰۃ المصابیح' کو سمجھنے کے لیے 'اشعۃ اللمعات' ایک مکمل رہنما کا کام دے سکتی ہے۔ یہ ایک خصوصیت ہی اسے باقی شروحات سے ممتاز کرنے کے لیے کافی ہے، تاہم یہاں چند دوسری خصوصیات کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔

۱ حلِّ لغات

شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی نے اس گراں قدر شرح میں جس طرح الفاظ احادیث کی وضاحت فرمائی ہے، اس سے آپ کی علم لغت پر دسترس اندازہ کی جاسکتی ہے۔ آپ مشکل الفاظ کے معانی کی وضاحت کرنے کے ساتھ ساتھ اعراب کے ضبط کا بھی پورا اہتمام فرماتے ہیں، مآخذ ومراجع کا ذکر بھی فرماتے ہیں اور وہ لفظ جتنے معانی میں استعمال ہوتا ہو، ان معانی کے بیان کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

صاحب 'مشکوٰۃ' نے باب البیوع میں حضرت رافع بن خدیج ﷺ کی حدیث مبارک روایت فرمائی، جس میں ہے:

مهر البغي خبيث و كسب الحجام خبيث---

شیخ محقق حل لغات کے ضمن میں فرماتے ہیں:

۱......بغی: بفتح باء وکسر عین وتشدید یاء زانیہ از بغی بکسر باء بمعنی زنا۔

۲......خبیث: ضد طیب است، وطیب را گاہے اطلاق می کنند بر اخص از حلال، پس خبیث بمعنی حرام باشد۔ وگاہے اطلاق می کنند بر اخص از حلال کہ پاک بے شبہہ و بے کراہت بود، پس خبیث آنکہ در ادنی از حلال باشد وشامل مکروہ نیز باشد اگرچہ کراہت تنزیہی بود۔[۸]

اوّل الذکر کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ نے ماہرین لغت کے انداز میں لفظ کا معنی، مشتق منہ اور اس کے اعراب کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور لفظ خبیث اور طیب (جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں) کی لغوی تشریح درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ دونوں لفظوں کے دو دو معانی بیان کرنے کے بعد شیخ محقق، حدیث مبارک میں ان کو منطبق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

پس در مہر بغی مراد اوّل باشد از جہت بودن وے حرام قطعی و در اجرت حجام معنی

ثانی از جہت بودن آں حلال درمرتبہ ادنی۔[ایضاً]

"مهر البغی کو جو خبیث کہا گیا ہے وہ بمعنی اوّل ہے اور کسب الحجام پر لفظ خبیث کا اطلاق معنی ثانی کے اعتبار سے کیا گیا ہے"---

شیخ محقق کی اس لغوی وضاحت نے جہاں اصطلاحات میں ان کی کامل مہارت کا ثبوت مہیا کیا ہے، وہیں اس حدیث مبارک کے ادبی اور فنی عروج کو بھی بیان فرمادیا ہے کہ ایک ہی حدیث مبارک میں ایک ہی لفظ دو معنوں میں کس خوب صورتی سے افصح عالم ﷺ نے استعمال فرمایا ہے۔

۲ تفصیل رواۃ

شیخ محقق علیہ الرحمۃ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلی دفعہ جب کسی راوی کا نام آتا ہے تو اس کے متعلق مختصر انداز میں درج ذیل کوائف بیان فرماتے ہیں:

(۱)......اگر کنیت ذکر کی گئی ہو تو نام یا اس کے برعکس (۲)......مولد و مقام (۳)......مدفن (۴)......عمر (۵)......طبقہ (۶)......صحابی ہے یا تابعی یا تبع تابعی (۷)......اسماء میں اختلاف اور (۸)......جرح و تعدیل۔

اگر ان تراجم کو علیحدہ سے جمع کرلیا جائے تو ایک مستقبل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

کتاب العتاق میں ایک حدیث مبارکہ بایں سند ذکر کی گئی ہے:

عن ابی الملیح عن ابیه---

شیخ محقق فرماتے ہیں:

بفتح میم و کسر لام نام او عامر بن اسامہ و بعضے گفتہ اند زید بن اسامہ است ہذلی بصری تابعی ثقہ است از طبقہ ثالثہ از بسیارے از صحابہ شنیدہ---

ان دو سطروں میں آپ نے جس خوب صورتی سے مذکور راوی کے حالات کا احاطہ کیا ہے، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔

۳ اختلافات فقہاء کے عوامل کا بیان

مسائل فقہ میں فقہاء کی آراء عام طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ یہ اختلاف کسی نہ کسی دلیل پر قائم ہوتا ہے اور ہر فریق کے پاس اپنے اپنے دلائل موجود ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک مسئلہ میں فقہاء کی آراء مختلف ہوتی ہیں، لیکن دلیل ایک ہی ہوتی ہے، اس میں قابل غور پہلو یہ ہوتا ہے کہ وحدت دلیل کے باوجود یہ اختلاف کیوں رونما ہوا، اسی طرح کے ایک مسئلے کی وضاحت شیخ کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے:

کتا، چیتا اور دوسرے درندے جن سے کوئی منفعت حاصل کی جاسکتی ہے، ان کی بیع کے بارے میں فقہاء کرام علیہم الرضوان کا اختلاف ہے، لیکن دونوں کی دلیل ایک ہی حدیث ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت شیخ نے اس اختلاف کے سبب کو کس خوب صورت انداز میں بیان فرمایا ہے:

وثمن کلب مختلف فیہ است، پس امام ابوحنیفہ وامام محمد وبعضے ائمہ دیگر تجویز کردہ بیع کلب وبیع فہد وسائر درندگاں کہ دروے منفعت است معلم باشد یا غیر معلم ونزد امام ابو یوسف و دیگر ائمہ جائز نیست، بیع کلب عقور پس کسے کہ حرام دارد حمل بر معنی اوّل میکند وکسے کہ تجویز می کند حمل می کند بر ثانی از وجود دنائت فتدبر---[ایضاً]

"کتے کی قیمت کے حلال ہونے کے بارے میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ، امام محمد اور دوسرے بعض ائمہ کرام کے نزدیک کتے، چیتے اور دوسرے درندوں کی بیع جائز ہے، جو نفع مند ہوں۔ چاہے سدھائے ہوئے ہوں یا نہ اور امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ کے نزدیک کاٹنے والے کتے کی بیع جائز نہیں۔ جنھوں نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، انھوں نے لفظ خبیث کو پہلے معنی پر محمول کیا اور جنھوں نے جائز کہا ہے، انہوں نے لفظ خبیث کا دوسرا معنی مراد لیا ہے"---

۴ عقائد اہل سنت کی ترجمانی

حضرت شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے اشعۃ اللمعات میں جا بجا اہل سنت کے متفق علیہ دلائل کو بیان فرمایا ہے اور جس حدیث سے بھی کوئی کلامی مسئلہ ثابت ہوتا ہے اس پر مختصر اور جامع گفتگو فرمائی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱......باب فضائل سید المرسلین کی پہلی حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیے، سرکار ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت منه---

"مجھے میرے اس زمانے تک ہر زمانے کے بہترین طبقہ میں مبعوث کیا جاتا رہا"---

اس حدیث مبارک کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ محقق نے اہل سنت کے ایک مبرہن عقیدہ 'ایمانِ والدین مصطفیٰ ﷺ' کو کس خوب صورتی سے بیان فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

اما آبائے کرام آنحضرت ﷺ پس ہمہ ایشاں از آدم تا عبداللہ طاہر و مطہر اند از دنس کفر و رجس شرک چنانکہ فرمود بیروں آمدہ ام از اصلاب طاہرہ بارحام طاہرہ و

دلائل دیگر متاخرین علمائے حدیث آنرا تحریر وتقریر نمودہ اند..........وحاشاللہ کہ ایں نور پاک را در جائے ظلمانی پلید بہ نہند و در عرصات آخرت بہ تعذیب وتحقیر آباء اورا مخزی ومخذول گردانند---[۹]

''جہاں تک آپ ﷺ کے آباء کرام کا تعلق ہے تو وہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک سب کے سب کفر وشرک کی پلیدی سے دور تھے، جس طرح کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

''میں پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوا ہوں''---

اس کے علاوہ دوسرے دلائل بھی ہیں، جنھیں متاخرین علمائے حدیث نے رقم فرمایا ہے اور مجھے میری عمر کی قسم کہ یہ ایسا علم ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے متاخرین کو مخصوص ٹھہرایا ہے۔ متقدمین کے کلام سے اس کے خلاف بات سمجھ آتی ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہے عطا فرمائے اور جس کو چاہے اس کے ساتھ خاص ٹھہرائے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے شیخ جلال الدین سیوطی کو، جنھوں نے اس بارے میں رسائل تصنیف فرما کر خوب فائدہ پہنچایا ہے اور اس دعوے کو ظاہر و واضح کیا ہے۔ اللہ کی پناہ کہ اس نور پاک کو پلید اندھیری جگہ میں رکھا جائے اور بروز قیامت آباء کی تعذیب و تحقیر کے ذریعے اسے شرمندہ اور ذلیل کیا جائے''---

اس جگہ ایک بات قابل غور وفکر ہے، مولوی امیر علی نے حضرت شیخ محقق کی اس عبارت پر حاشیہ کی صورت میں اپنے خبث باطنی کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

طہارت اصلاب وارحام چیزے دیگر است وایمان واسلام امرے دیگر ومع ذلک اگر آبائے آں حضرت ﷺ بر ایمان مردہ اند چہ جائے خوشی وخرمی است لیکن دلائل قویہ مساعدت نمی کنند ناچار زبان در کام کشیدن اولیٰ باشد---

اس عبارت کا یہ ٹکڑا 'چہ جائے خوشی وخرمی است' انتہائی قابل غور ہے۔ کیا سرکار دو عالم ﷺ کے والدین جنتی ہونے سے اہل اسلام کو اور خود آں حضرت ﷺ کو خوشی ومسرت حاصل نہیں ہوگی اور بصورت دیگر غم اور پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا؟ جس کی طرف شیخ محقق نے 'ودر عرصات آخرت بہ تعذیب وتحقیر آباء اورا مخزی مخذول گردانند' کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے۔ اللہ رب العزت تعصب اور ہٹ دھرمی سے اپنی پناہ میں رکھے۔

۲ باب مناقب ابی بکر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث مبارک (جس میں ہے کہ عورت

نے آپ ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا، آپ ﷺ نے اسے دوبارہ آنے کا کہا، اس نے پوچھا، اگر میں دوبارہ آؤں اور آپ نہ ہوں تو! آپ ﷺ نے فرمایا:

فان لم تجدینی فاتی ابا بکر ---

''اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر سے مل لینا''---

کے تحت لکھتے ہیں:

ظاہر ایں حدیث اشارت بخلافت ابوبکر ست بعد از وے ﷺ ولیکن نص قطعی نیست و با وجود آن دلالت دارد بر فضل و منقبت او وصحت خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ باجماع صحابہ است---[۱۰]

''بظاہر یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد ابوبکر خلیفہ ہیں، لیکن یہ حدیث اس مسئلہ پر دلیل قطعی نہیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اجماع صحابہ سے ثابت ہے''---

اس عبارت سے جہاں خلافت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، وہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام کا تعین بھی ہو جاتا ہے اور ان کی ثقاہت وعدالت کا اظہار بھی کہ ان کا اجماع دلیل شرعی کی حیثیت رکھتا ہے۔

۳ باب فضائل سید المرسلین کی ایک حدیث مبارک میں سرکار دوعالم ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں تین چیزوں کی نشان دہی کرتے ہوئے فرمایا:

و ان لا تجتمعوا علی الضلالة---

''اور تم گمراہی پر اتفاق نہیں کرو گے''---

اس حدیث سے شیخ محقق نے اجماع کے حجت ہونے پر دلیل پکڑی ہے، فرماتے ہیں:

وایں دلیل است برآں کہ اجماع حجت است کہ عبارت است از اتفاق علمائے ہر عصر بر حکمے شرعی و مراد بعلماء مجتہدانند---[۱۱]

۴ انبیاء کرام کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ایک لحہ کے لیے ان پر موت طاری ہوتی ہے اور اس کے بعد وہی جسمانی زندگی عطا کر دی جاتی ہے۔ اس کو فاضل بریلوی نے بیان فرمایا:

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات مثل سابق وہی جسمانی ہے

باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ کی ایک حدیث مبارک، جس کے الفاظ ہیں:

ما من احد یسلم علی الا رد اللّٰہ علی روحی---

اس عقیدہ کے بظاہر متناقض تھی، شیخ محقق اس تعارض کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مضمون ایں حدیث مخالف حدیث حیات آنخضرت ﷺ است......تا......و جواب میدہند کہ مراد بعود روح نہ عوداوست ببدن بعد از مفارقت وتوجہ اوست بایں عالم......تا......پس باید کہ دائم در حیات باشد فافہم---[۱۲]

''یہ حدیث پاک اس حدیث کے مخالف ہے جس میں یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ عالم برزخ میں زندہ ہیں، اس لیے یہاں رد روح (روح کا لوٹایا جانا) سے مراد احوال ملکوت اور جمال رب العزت کے مشاہدہ سے افاقہ اور درود بھیجنے والے کی طرف توجہ کا پھیرنا ہے، کیوں کہ بار بار روح نکالنا اور لوٹانا بارگاہ رسالت کی عزت و کرامت سے خالی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ آپ ﷺ ہمیشہ زندہ ہوں''---

۵ عذاب قبور اور حیات موتی اہل سنت کا متفقہ نظریہ ہے اور اس کے برعکس نظریہ معتزلہ کا ہے، شیخ محقق نے باب الجہاد کی ایک حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے اس مسئلہ کو بڑے بسط سے بیان فرمایا ہے:

در حدیث مسلم آمدہ است کہ میت می شنود کوفتن نعال مردم......تا......زیرا کہ خطاب باکسے کہ نہ شنود و نہ فہمد معقول نیست---[۱۳]

۵ فقہ حنفی کی ترجیح

آپ نے جا بجا فقہی اختلافات کی صورت میں فقہ حنفی کے ترجیحی دلائل کا ذکر فرمایا ہے اور فقہ حنفی کی باقی فقہائے کرام کی آراء پر برتری کو بھی واضح فرمایا ہے۔ ایک مثال دیکھ لیتے ہیں:

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے جائز ہونے یا نہ ہونے کا مدار فقہاء احناف کے نزدیک بلوغ و صغر پر ہے، جب کہ شافعیہ کے نزدیک ثیابت و بکارت پر ہے۔ شیخ علیہ الرحمۃ اختلاف بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

قول آنخضرت ﷺ لا تنکح البکر حتی تستاذن حجت است بر شافعی کما لا یخفی---

یعنی سرکار دوعالم ﷺ کا قول مبارک (باکرہ جب تک اجازت نہ دے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا) امام شافعی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہماری دلیل ہے، کیوں کہ اس میں بکارت کو عدم ولایت والی کی

دلیل بنایا گیا ہے۔

۶ اصولِ حدیث کے قواعد کا بیان

دورانِ شرح شیخ محقق نے اصول حدیث کے قواعد وضوابط بیان فرما کر شکوک وشبہات کے ازالہ کی سعی فرمائی ہے۔ عام طور پر مراتب حدیث سے جہالت کی بنا پر فوراً حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے، خاص طور پر ایسے موقع پہ جب کوئی محدث کسی حدیث کی صحت کی نفی کر دے۔ حالاں کہ اہل علم جانتے ہیں کہ صحت اور وضع کے درمیان کئی مراتب ہیں اور صحت کی نفی سے حدیث کا ضعیف یا موضوع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

باب السلام کی فصل ثانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے بارے میں صاحب مشکوٰۃ نے امام ترمذی کا ایک قول نقل کیا کہ ھذا حدیث غریب و فی اسنادہ ضعف شیخ محقق اس کی شرح میں رقم طراز ہیں:

حدیث غریب در اصطلاح مشہور آنست کہ از یکے بیکے آمدہ باشد وایں منافات ندارد بصحت چنانکہ در محلش معلوم شدہ ونز د بعضے غریب بمعنی شاذ است کہ روایت است برخلاف ثقہ---[۱۴]

۷ قابل تاویل احادیث کی تاویل

قرآن وحدیث کی بہت سی نصوص ایسی ہیں جن کا شمار متشابہات میں ہوتا ہے اور جن کے ظاہری معانی مراد نہیں لیے جا سکتے، اس موقع پر مفسر اور شارح کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اس کی مناسب تاویل کرے۔ شیخ محقق اس ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہوئے ہیں، ذیل میں دی گئی مثال سے واضح ہوگا۔ کتاب الآداب کی فصل ثالث کی پہلی حدیث (جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت فرمایا ہے) کا خلاصہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو انہیں اپنی دو بند مٹھیوں میں سے ایک مٹھی میں بند چیز کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا: اخترت یمین ربی میں نے اپنے رب کا دایاں ہاتھ چنا"---[۱۵]

اس حدیث مبارک میں اللہ رب العزت کے لیے 'ید' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اب ظاہر ہے اس حدیث کی مناسب تاویل کرنا پڑے گی۔ شیخ محقق نے اس حدیث کی پانچ تاویلات ذکر کی ہیں:

اوّل آں کہ ثابت در حق تعالیٰ ید صفت است......تا......زیرا کہ وے عزیز و غالب است تصرف می کند در ملک خود وعلیم وحکیم است---[۱۶]

”پہلی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ید صفت ثابت کیا جا رہا ہے نہ کہ وہ ہاتھ جو کہ عضو ہے۔اس عبارت میں کنایہ کے طور پر اللہ تعالیٰ سے ید جارحہ کی نفی کی گئی ہے کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے ید جارحہ ہوتا تو دایاں بھی ہوتا اور بایاں بھی (حالاں کہ اس کے دونوں ہاتھوں کو یمین کہا گیا ہے) اور عبارت کے آخر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مراد یمن اور برکت والا معنی ہے، جو کہ یمین اور اس کے مادے کو لازم ہے۔

دوسری تاویل یہ ہے کہ بایاں ہاتھ قوت اور گرفت کے لحاظ سے کمزور تصور کیا جاتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھوں کا یمین ہونا اس بات سے کنایہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں نقصان نہیں پایا جا سکتا بلکہ اس کی تمام صفات درجہ کمال پر فائز ہیں۔

تیسری توجیہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی مراد اللہ جل جلالہ کی تمام نعمتوں پر شکریہ ادا کرنا ہے اور اس چیز کو بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی پہنچے وہ فضل و انعام ہے، کیا لطف اور کیا قہر، کیوں کہ جب اخترت یمین ربی کہا تو یہ وہم ہوا کہ صفات لطفیہ کو صفات قہریہ پر ترجیح دے رہے ہیں، تو اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا: کلتا یدی ربی یمین اور اپنی پسند کی قید سے باہر نکل آئے۔

چوتھی توجیہ یہ ہے کہ اس کلام سے مقصود اللہ تعالیٰ کو غایت جود و کرم کے ساتھ متصف کرنا ہے، کیوں کہ عرب ایسے شخص کے بارے میں جو علی الاطلاق نافع ہو، کہتے ہیں کلتا یدیہ یمین اور ایسا شخص جو علی الاطلاق مضر ہو، اسے کہتے ہیں کہ اس کے نصیب بائیں ہاتھ میں واقع ہوئے ہیں اور جو نافع ہو نہ مضر، اسے کہتے ہیں کہ اس کا نہ شمال ہے نہ یمین۔

پانچویں تاویل یہ ہے کہ ید کا اطلاق قدرت اور نعمت پر بھی ہوتا ہے، اگر یہاں قدرت مراد ہو تو مطلب ہوگا کہ ہدایت و ایمان اور کفر و ضلال اسی کی قدرت میں ہیں اور نعمت مراد ہونے کی صورت میں مراد یہ ہوگی کہ اہل ہدایت پر الطاف اور مہربانیاں اور اہل ضلال پر قہر اور شدت، سب اسی کی طرف سے ہے اور یہ سب عدل اور حکمت ہے، کیوں کہ وہ غلبے والا اور عزت والا ہے، اپنے ملک میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے“---

۸ قرآنی آیات کے ذریعے احادیث کی تائید

شیخ محقق کا ایک بہترین اسلوب یہ بھی ہے کہ حدیث کی تائید میں قرآن کریم کی آیات کو پیش کرتے ہیں، باب اللعان کی حدیث مبارک میں ہے:

من اجل ذلک بعث المنذرین و المبشرین---

"اللہ تعالیٰ نے اسی لیے ڈرانے والے اور خوش خبریاں سنانے والے بھیجے ہیں (کہ لوگوں کے لیے بعد میں کوئی بہانہ باقی نہ رہے)"---

شیخ محقق نے اس حدیث مبارک کی شرح میں فرمایا:

چناں کہ در قرآن فرماید: لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل---[۱۷]

اس اسلوب نے ان لوگوں کو ایک نئی فکر سے روشناس کیا ہے جو قرآن و حدیث کو جدا جدا پیغامات کا حامل بتاتے ہیں اور اس فکر کا پرچار کر رہے ہیں کہ حدیث کی حیثیت محض ایک تاریخی دستاویز کی ہے۔

۹ ترجمۃ الباب کی وضاحت

اس حقیر نے اشعۃ اللمعات کے مطالعہ کے دوران اس کی جو سب سے بڑی خوبی دیکھی، وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ جب کسی بھی باب کی شرح شروع فرماتے ہیں تو پانچ چھ سطروں میں اس پورے باب کا نچوڑ بیان فرما دیتے ہیں، اس سے ایک تو قاری کو پورے باب کا ایک عمومی ادراک حاصل ہو جاتا ہے اور دوسرا جب کسی مسئلے کے متعلق تمام ابتدائی معلومات فراہم ہو جاتی ہیں تو اس سے متعلق حدیث کی فقہ انتہائی آسان ہو جاتی ہے۔ بطور نمونہ باب النقیع و الانبذۃ کے متعلق حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے رشحات قلم ہمارے سامنے ہیں:

از جملہ مشروبات آں حضرت ﷺ نقیع و نبیذ است، نقیع آن بود کہ......تا......و مذہب حنفی اباحت و جواز است مالم یسکر و احادیث ناطق است بداں---[۱۸]

"نقیع اور نبیذ بھی ان مشروبات میں سے ہیں جنھیں سرکار دو عالم ﷺ نوش فرماتے تھے، نقیع اس صافی، لذیذ اور نافع بدن شربت کو کہتے ہیں جو منقیٰ یا کھجور کو پانی میں اتنے وقت بھگو کر کہ اس کی چاشنی باہر آ جائے بغیر پکائے کے بنایا جاتا ہے۔ کھجور کی نقیع نظام ہضم کے لیے، جب کہ منقا کی اخراجِ فضلات کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے۔ نبیذ بھی اسی طریقے سے بنائی جاتی ہے، لیکن اس کے لیے منقا یا کھجور کو زیادہ دیر پانی میں رکھا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس میں تیزی اور تغیر پیدا ہو جائے، لیکن اتنا زیادہ تغیر نہیں جو نشے کی حد تک پہنچ جائے۔ اسی لیے آں حضرت ﷺ تین دن بھگوئے جانے کے بعد اس کو نوش نہیں فرماتے تھے۔ یہ بھی نافع بدن ہے اور قوت حافظہ کے بڑھانے کے لیے فائدہ مند ہے۔ اگر نشے کی حد تک پہنچ جائے تو حرام ہے۔ نبیذ پینے اور اس کے ساتھ وضو کرنے میں احناف اور دیگر ائمہ کے درمیان اختلاف مشہور ہے اور مذہب حنفی یہ ہے

کہ جب تک مسکر نہ ہو تو پینا جائز اور احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے"---

اتنی تفصیل جاننے کے بعد قاری کو یقیناً ایسی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے جو اس کے لیے اس بات کے ما لہ و ما علیہ کا فہم آسان تر بنا دیتی ہے۔

قارئین کرام! حضرت شیخ محقق علوم و فنون کا ایک بحر زخار ہیں، میں نے اپنی بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے اشعة اللمعات کے چند گوشوں کی نقاب کشائی کی کوشش کی ہے، اہل علم سے گزارش ہے کہ اگر کسی جگہ غلطی دیکھیں تو آگاہ فرمائیں۔ اللہ رب العزت عالم اسلام کو حضرت شیخ کے فیوضات سے بیش از بیش مستفیض فرمائے۔ آمین

حوالہ جات

۱......مستدرک للحاکم، کتاب العلم، باب الامر بکتابة العلم

۲......مصابیح السنة، اس کی شروحات، حواشی اور مشکوٰۃ کے بارے میں تمام معلومات حاجی خلیفہ کی کتاب کشف الظنون، جلد۲، صفحہ۱۶۹۸، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت سے ماخوذ ہیں۔

۳......ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون، جلد۳، صفحہ۸۸، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت

۴......سال نامہ المصداق،۲۰۰۳ء-۲۰۰۴ء، صفحہ۴۳

۵......شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی--- حیات و خدمات، محررہ پروفیسر شاہ انجم بخاری مدظلہ، المصداق،۱۹۹۶ء، صفحہ۱۲۵

۶......الفتاوی الرضویہ، جلد۲۱، صفحہ۳۷۵، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۷......اشعة اللمعات، جلد۱، صفحہ۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

۸......ایضاً، جلد۳، صفحہ۵ — ۹......ایضاً، جلد۴، صفحہ۴۶۶

۱۰......ایضاً، جلد۴، صفحہ۴۳۷ — ۱۱......ایضاً، جلد۴، صفحہ۴۷۳

۱۲......ایضاً، جلد۱، صفحہ۴۰۷ — ۱۳......ایضاً، جلد۳، صفحہ۳۹۹

۱۴......ایضاً، جلد۴، صفحہ۱۲ — ۱۵......ایضاً، جلد۴، صفحہ۱۳

۱۶......ایضاً، جلد۴، صفحہ۱۴، ۱۳ — ۱۷......ایضاً، جلد۳، صفحہ۱۷۵

۱۸......ایضاً، جلد۳، صفحہ۵۲۸



سلسلۂ اشرفیہ کی عظیم روحانی شخصیت قطب ربانی

حضرت سید طاہر اشرف جیلانی

قدس سرہ العزیز

مخدوم زادہ سید محمد اشرف جیلانی

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہمیشہ ہی سے امت محمدیہ پر یہ کرم رہا ہے کہ وہ اس دنیا میں معصیت کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکنے کے لیے ایسی یگانہ روز ہستیاں بھیجتا رہا جنھوں نے لالچ، طمع، حرص و ہوس اور ان تمام چیزوں سے بالاتر ہو کر صرف اور صرف دین اسلام کی سربلندی کے لیے کام کیا اور شرار بولہبی کے مقابل چراغ مصطفوی کی لو کو بڑھایا۔ ان ہی ہستیوں میں سلسلہ اشرفیہ کی ایک عظیم علمی وروحانی شخصیت قطب ربانی حضرت ابو مخدوم شاہ سید محمد طاہر اشرف اشرفی الجیلانی قدس سرہ کی تھی، آپ مسلکاً حنفی، مشرباً چشتی اور مولداً دہلوی تھے، آپ صحیح النسب سید تھے، آپ کا سلسلہ نسب ۲۶ ویں پشت میں حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے اور ۳۹ ویں پشت میں سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ملتا ہے۔

ولادت باسعادت

حضرت قطب ربانی قدس سرہ کی ولادت ربیع الاول ۱۳۰۷ھ، مطابق ۱۸۸۹ء کو دہلی میں ہوئی، ابتدائی تعلیم والدہ محترمہ سے حاصل کی جو بڑی متقیہ و پرہیزگار خاتون تھیں، جب آپ کی عمر چار ماہ چار دن ہوئی تو بڑی دھوم دھام سے آپ کی تسمیہ خوانی کی گئی، بعد ازاں والد گرامی نے

اپنے مدرسہ حسین بخش میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ کے والد محترم کا نام حضرت سید حسین اشرفی الجیلانی قدس سرہ (متوفی ۱۳۱۸ھ) تھا، وہ اپنے وقت کے جید عالم دین اور صوفی باصفا تھے اور خانوادۂ اشرفیہ کی ایک محترم شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ آپ کیوں کہ مدرسہ حسین بخش میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے اس لیے آپ نے اپنے ہونہار فرزند کو بھی اسی مدرسہ میں داخل کروایا اور اپنی نگرانی میں تعلیم کا آغاز کروایا۔

حضرت قطب ربانی نے بڑے ذوق وشوق سے پڑھائی کا آغاز کیا اور چھ سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ مکمل کر کے قرأت سیکھنا شروع کی اور بہت جلد اس فن میں کمال حاصل کر لیا۔ آپ کی آواز اس قدر جاذب اور پر اثر تھی کہ جب کبھی آپ تلاوت فرماتے تو حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ اکثر بزرگان دین نے آپ کی کم عمری میں ہی آپ کے منازل سلوک پر فائز ہونے کی بشارت دی تھی، چناں چہ جب آپ کی عمر چھ سال تھی تو ایک روز اپنے والد محترم کے پاس تشریف فرما تھے کہ ایک درویش تشریف لائے، وہ پہلے تو آپ کو متجسس نگاہوں سے دیکھتے رہے، پھر انہوں نے آپ سے سورۂ یوسف سننے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے تلاوت شروع کی اس دوران وہ بزرگ کبھی روتے اور کبھی مسکراتے رہے، تلاوت ختم ہونے کے بعد انہوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا، والد گرامی نے جب اس مسکرانے اور رونے کی وجہ دریافت کی تو اس درویش بزرگ نے فرمایا، حضور مسکراتا تو یوں ہوں کہ آپ کا یہ نور العین افق ولایت پر آفتاب بن کر چمکے گا، لاکھوں انسان اس سے فیض پائیں گے اور روتا اس لیے ہوں کہ آپ اس کی بہار نہ دیکھ سکیں گے، یعنی اس دنیا میں نہیں ہوں گے۔ اس کے بعد درویش نے حضرت قطب ربانی قدس سرہ کی پیشانی کو ایک مرتبہ پھر بوسہ دیا اور غائب ہو گئے۔ اس کے بعد وہ درویش کبھی نظر نہیں آئے، لیکن یہ ضرور ہے کہ اس واقعہ نے حضرت سید حسین اشرف الجیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دل پر گہرا اثر کیا اور انہوں نے تعلیم کے ساتھ آپ کی روحانی تربیت بھی شروع کر دی، چناں چہ والد محترم نے آپ کو ۹ سال کی عمر میں سورۂ مزمل شریف کا چلہ کروایا، جو آپ نے دریا جمنا میں ناف تک پانی میں کھڑے ہو کر کیا۔ دوران چلہ ایک خون خوار مچھلی نے آپ کے پیر پر کاٹ لیا لیکن آپ نے اسی حالت میں بقیہ چلہ مکمل کیا۔ اس چلے کی پوری تفصیل حضرت قطب ربانی کی سوانح حیات میں موجود ہے۔

تحصیل علم

قرآن کریم تجوید کے ساتھ ناظرہ مکمل کرنے کے بعد والد محترم نے آپ کو عربی کی کتب خود

ہیں اور ان کے لیے الگ مارشل لاء زون اور انتظامیہ بھی قائم کر دی، اس پر بھارت نے شدید احتجاج کیا اور پھر سے کنفیوژن پیدا ہو گیا۔ دریں اثناء زمینی حالات کا جائزہ لینے کے لیے راقم نے شمالی علاقہ جات کا دورہ کیا تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا، میں نے دیکھا کہ وہاں شدید قسم کی Polarisation پیدا ہو رہی ہے، یعنی گلگت سے ہنزہ خنجراب تک کا علاقہ عملاً اسماعیلی آغا خانیوں کے سپرد کیا جا رہا ہے تو باقی ماندہ سکردو، بلتستان کا علاقہ ایک دوسرے فرقہ کے تصرف میں جا رہا ہے۔ مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ جو بات میرے جیسے عام شہری کو نظر آ رہی ہے، وہ ہماری مشہور زمانہ آئی ایس آئی اور دوسری ایجنسیوں کو کیوں نہیں دکھائی دیتی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایوب خانی دور سے لے کر ہماری ایجنسیاں اہم قومی امور سے صرف نظر کرتے ہوئے محض ڈکٹیٹروں کے دوام کے لیے ساری توانائیاں خرچ کرتی ہیں۔ چناں چہ اب جب کہ پانی سر سے اوپر ہو چکا ہے تو صدر صاحب کو بھی اعلان کرنا پڑا کہ شمالی علاقہ جات میں قیام امن کے لیے فوج نہیں استعمال کی جا سکتی۔ ظاہر ہے کہ اس اعلان سے امن کے دشمنوں کو تقویت مل گئی۔

چناں چہ ان زمینی حقائق کی بناء پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پرابلم کا صحیح حل یہ ہے کہ شمالی علاقہ جات کو صوبہ سرحد میں شامل کر دیا جائے۔ واضح رہے کہ انگریز فوج نے شمالی علاقہ جات فتح کر کے دشوار گزار پہاڑی علاقہ ہونے کے پیش نظر Administration ریاست کشمیر کے سپرد کر دی، بعد میں روس کی ہمسائیگی کی وجہ سے انگریزوں نے گلگت ایجنسی کا کنٹرول سنبھال کر گورنر سرحد کے ماتحت گلگت میں پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کر دیا۔ 1946ء کی عبوری گورنمنٹ میں جب پنڈت نہرو وائس رائے کی کونسل کا ممبر مقرر ہوا تو اسے پولیٹیکل اور امور خارجہ کا محکمہ دیا گیا، اس نے گورنر سرحد سے بالا بالا گلگت ایجنسی کو واپس کشمیر کے حوالہ کرنے کا حکم صادر کر دیا، کیوں کہ ان کے مستقبل کے بارے میں کچھ عزائم ہوں گے اور مہاراجہ کشمیر ہندو تھا۔ واضح رہے کہ انگریزوں نے برصغیر میں کئی دوسرے ریاستی علاقوں پر بھی باہمی معاہدوں کی رو سے قبضہ کیا ہوا تھا، ان میں ریاست حیدرآباد دکن کا نہایت زرخیز اور ساحلی صوبہ برار بھی تھا، لیکن پنڈت نہرو نے صرف گلگت کی واپسی کا خلاف قانون حکم صادر کیا، جسے پی اے گلگت ایجنسی اور عوام نے ماننے سے انکار کر دیا اور مہاراجہ کی فوجوں کو شکست دے کر کشمیری گورنر بریگیڈئر گھنشارا سنگھ کو قید کر دیا تو 14/ اگست 47ء یوم پاکستان پر گلگت کے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ میجر براؤن نے بذریعہ تار گورنر سرحد کو درخواست کی کہ گلگت میں نوزائیدہ حکومت کے نمائندے بھیج کر کنٹرول سنبھال لیا جائے۔ اس ساری بیک گراؤنڈ کے بیان کرنے کا مقصد قارئین کو یہ بتانا ہے کہ اگر ہماری ایجنسیاں اور تھنک ٹینک اپنے آپ کو شمالی علاقہ جات کے صحیح حالات سے

باخبر رکھتے اور حالات و واقعات کا صحیح نقشہ حکومت اور عوام کو پیش کرتے تو علاقہ کو موجودہ افسوس ناک حالات سے بچایا جاسکتا تھا۔ دنیا میں کہیں بھی ملک کے اس طرح حصے بخرے کر کے اقلیتوں کے حوالے نہیں کیے جاتے جس طرح شمالی علاقہ جات میں صورت حال ہے۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ ضیاء الحق دور میں امریکیوں نے ہزار کوشش کی کہ امریکی امداد براہ راست جہادی کمانڈروں کو دی جائے لیکن پاکستان نے یہ نہیں ہونے دیا، چناں چہ ساری امداد پاکستان کو دی جاتی اور پاکستانی حکومت اپنی صواب دید کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کرتی تھی، چناں چہ اگر آغا خانی جماعت گلگت ہنزہ وغیرہ میں کوئی رفاہی کام کرنا چاہتی ہے تو مناسب یہ تھا کہ تمام امریکی امداد اور دوسری امداد پاکستان کو دی جاتی اور پاکستانی حکومت اپنی ترجیحات کے مطابق خرچ کرتی۔ اس کے برعکس وہاں یہ احساس نشو ونما پاتا رہا کہ اگر علاقہ کی ترقی آغا خان فاؤنڈیشن نے کرنی ہے تو پھر حکومت پاکستان کے احکام وقوانین نافذ کرنے کا کیا جواز ہے اور اس کا نتیجہ قارئین نے دیکھ لیا۔ یہ بات تو بارہا اخباروں میں آچکی ہے کہ آغا خانی حلقے ایک عرصہ سے امریکی امداد کے سہارے پاکستان میں ویٹی کن قسم کا اپنا ریاستی مرکز قائم کرنا چاہتے ہیں، جس طرح کی خواہش ننکانہ صاحب میں ایک امریکی نژاد سردار گنگا سنگھ ڈھلوں رکھتے ہیں۔

ننکانہ صاحب نہ صرف ضلع بن چکا ہے، واہگہ سے براہ راست رابطہ سڑک بھی بن رہی ہے، خدانہ کرے کبھی ننکانہ یا گلگت "ویٹی کن" کا درجہ حاصل کرسکیں۔ چناں چہ پہلے تو انہوں نے گوادر خریدنے کی کوشش کی جو کہ ملک غلام محمد اور سیاست دان وزیر اعظم فیروز خان نون نے ناکام بنا دی، تو اب ہنزہ میں اپنی اسماعیلی آغا خانی ریاست کی داغ بیل ڈالی جارہی ہے۔ چناں چہ اب ہم قارئین کی دل چسپی کے لیے مختصر الفاظ میں بیان کریں گے کہ اسماعیلی آغا خانی لوگ کون ہیں، وہ کیا دعویٰ رکھتے ہیں اور ان کے عزائم کیا ہیں؟

امامیہ عقیدہ کے پیروکاروں میں اسماعیلی فرقہ پانچویں امام صاحب تک تو شیعہ مسلک کے ساتھ منسلک رہا لیکن چھٹی امامت میں اختلاف کی بناء پر امام موسیٰ کاظم اور امام اسماعیل کے پیروکار علیحدہ ہو گئے اور اس طرح اسماعیلی فرقہ کی ابتداء ہوئی۔ نویں صدی عیسوی کے اواخر میں اسماعیلیوں نے مصر میں اقتدار حاصل کر کے...... خلافت کی بنیاد رکھی، قاہرہ میں الازہر یونی ورسٹی فاطمی دور کی تابندہ یادگار ہے۔ اسی دوران فاطمی خلافت نے سندھ میں ملتان تک سیاسی رسائی حاصل کی، جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ گیارہویں صدی عیسوی میں فاطمی خلیفہ المستنصر باللہ کی جانشینی پر اختلاف کی بناء پر اس کا بیٹا المستعلی خلیفہ مقرر ہوا اور دوسرا بیٹا فرار نقل مکانی پر مجبور ہو کر

ایران آ گیا اور یہاں بدنام زمانہ حسن بن صباح کا قلعہ الموت ان کا مرکز بنا۔ آغا خانی اسماعیلی اسی نزاری شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ میں پہلی بار شیخ الجبال حسن بن صباح نے قلعہ الموت سے دنیا بھر میں Organised، خوف ناک، خودکش، دہشت گردی کو رواج دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں دنیا بھر کے حکمران الموتیوں کے نام سے لرزتے تھے اور مبینہ طور پر یورپ کے حکمران بھی جان کی سلامتی کے لیے الموتیوں کو خراج ادا کرتے تھے۔ برصغیر میں ملتان کے انہی نزاری اسماعیلیوں نے سلطان شہاب الدین محمد غوری کو جہلم کے قریب دھمیک کے مقام پر 1206ء/ 602ھ قتل کر دیا تھا، بالآخر 1258ء/ 654ھ میں چنگیز خانی تاتاریوں نے بدنام زمانہ قلعہ الموت کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور الموت کے آخری اسماعیل فزاری امام رکن الدین خیر شاہ کو قتل کر دیا۔
اس کے بعد بچے کھچے نزاری اسماعیلی اپنا مرکز تبدیل کرتے رہے اور اسی دوران ایران کی قاچاری حکومت کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن یہ اتحاد عارضی ثابت ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ بعد ایرانی حکومت نزاریوں سے شاکی ہو گئی تو نزاری امام حسن علی شاہ، جو بعد میں آغا خان اول بنا، کو 1842ء میں ایران چھوڑ کر سندھ کے حکمران میر نصیر خان کے پاس پناہ گیر ہونا پڑا لیکن اس سے قبل وہ افغان جنگ میں برطانوی جنرل ناٹ کے ماتحت قندھار میں خدمات انجام دینے کی وجہ سے برطانوی اعتماد حاصل کر چکا تھا، چناں چہ جب جنرل سر چارلس نے سندھ پر حملہ کیا تو آغا حسن علی نے میر نصیر خان کے خلاف برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ میجر جیمز اوٹرام کو جاسوسی امداد دی، جس کی بنا پر انگریزوں نے آسانی سے حیدر آباد فتح کر لیا تو میر شیر خان نے حسن علی شاہ اسماعیلی کو سزا دینے کے لیے شب خون مار کر اسماعیلی کیمپ کو تباہ کر دیا، جس میں 70 اسماعیلی قتل ہوئے اور خود آغا حسن علی نے شب خوابی لباس میں بھاگ کر جان بچائی۔
دوسری طرف 1172ء/ 567ھ کو مصر میں فاطمی خلافت ختم ہو گئی اور اسماعیلی مستعلیوں کو بھی مصر چھوڑ کر یمان اور بعد میں سندھ اور جنوبی ہند میں پناہ لینی پڑی اور یہ عجوبہ روزگار ہے کہ آج مصر میں ایک بھی اسماعیلی نہیں ملتا، البتہ ہمارے ملتان میں بہت مختصر اقتدار کے باوجود اب بھی اکا دکا اسماعیلی شمسی کے نام سے مل جاتے ہیں۔ یہ لوگ قلعہ ملتان کے قریب واقع حضرت شمس سبزواری متوفی 1276ء کے مزار کو پیر شمس رماحی نزاری کے نام سے اپنا متبرک مقام مانتے ہیں۔ بہر حال قندھار اور حیدر آباد میں برطانوی اقتدار کی گرم جوشی سے خوش گواری کے عوض انگریز حکومت نے آغا حسن علی کو تاحیات =/3000 روپے ماہوار وظیفہ عطا کیا جو جامعہ کے آغا خانی سربراہان کو منتقل ہوتا رہا۔
چناں چہ انگریز حکومت کی نوازشات کا اعتراف کرتے ہوئے آغا خان نے فرمان جاری کیا کہ:

''ہمارے روحانی بچوں کا مذہبی فرض ہے کہ پوری وفاداری اور پوری طاقت سے برٹش حکومت کی فرماں برداری کریں''۔

چناں چہ اب جب کہ آغاخانیوں کی وفاداری مسلمہ ہو چکی تھی، تو مزید انعام کے طور پر انگریز حکومت نے بمبئی کے جج آرنلڈ کے فرمان مجریہ 1866ء کے ذریعے آغاخان کو مذہبی پیشوا مقرر کر دیا اور بمبئی کے علاقہ گجرات کے تمام مسلم اوقاف، املاک، امام باڑے، جماعت خانے اور مزار وغیرہ آغاخان کے نام منتقل کر دیے اور ساتھ ہی ہز ہائی نس آغاخان کا خطاب بھی مرحمت فرما دیا۔ اب آغاخان راتوں رات دنیا کے امیر ترین افراد میں شامل ہو کر خطاب یافتہ ہز ہائی نس آغاخان بن گیا تو پھر آغاخان عالمی سیاسی لیڈر بننے کے لیے خواہش مند رہے۔ چناں چہ کچھ عرصہ بعد ہندوستان میں آل انڈیا مسلم لیگ سے وابستہ رہے، اس سے قبل 1899ء میں انگریزوں کے ایما پر ترکی میں خلیفہ سلطان عبدالحمید سے ملاقات کی اور فلسطین میں یہودی بستیاں آباد کرنے کی سفارش کی، جسے خلیفہ نے رد کر دیا تو آغاخان نے بیان دیا کہ یہ سلطان کی بہت بڑی غلطی تھی۔ اس کے بعد اسماعیلیوں نے وسط ایشیا میں برطانیہ کے لیے خفیہ خدمات سرانجام دیں، جن کی تفاصیل ابھی تک خفیہ رکھی جا رہی ہیں۔ آغاخان لندن میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شریک ہوئے تو پنڈت جواہر لعل نہرو نے بیان دیا کہ آغاخان سوم انگریزی حکومت کے مفادات کو بڑی گہرائی سے سمجھتے ہیں اور وہ RTC میں مسلمانوں کی بجائے انگریزی سامراج کا ایک لائق نمائندہ تھے۔ چناں چہ ان خدمات کے عوض دوسری RTC کے بعد آغاخان نے برطانوی حکومت سے درخواست کی کہ آغاخانیوں کو انڈیا میں ایک علاقائی ریاست دے کر HH آغاخان کو بھی ہندوستانی راجاؤں میں شامل کیا جائے، لیکن برطانوی وزیراعظم نے درخواست مسترد کر دی، اس کے بعد 23/جولائی 1934ء میں اس معاملہ کو برطانوی دارالعوام میں اٹھایا گیا، لیکن برطانوی حکومت نے پھر درخواست مسترد کر دی۔ انگریز مصنف ہنری گرین ول لکھتا ہے کہ اس ناکامی سے آغاخان مایوس نہیں پڑا بلکہ اس نے اور مابعد کے آغاخانیوں نے گوادر، چترال، ہنزہ وغیرہ میں آغاخانی ریاست کے قیام کی کوششیں تیز کر دیں اور ساتھ ہی مصنف نے بیان دیا کہ HH آغاخان نے دل و جان سے برطانیہ کی خدمت کی اور انگریز حکومت کے ساتھ روحانی تعلق کی بنا پر کبھی برطانوی مفاد کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ چناں چہ وقت گزرنے کے ساتھ آغاخانیوں پر انگریزوں کی نوازشات بڑھتی گئیں اور آغاخانی فرقہ یہودیوں کی طرح ایک متمول بین الاقوامی کمیونٹی بن گیا، جس کے لیڈر کو سونے اور ہیروں میں تولا جاتا رہا۔ واضح رہے کہ تول میں لگایا گیا سونا تو آغاخان

کی نذر ہو گیا تھا، جب کہ تولنے کے لیے ہیرے کرایہ پر لائے گئے تھے۔ بہر حال آغا خانیوں پر مغربی ممالک کی اور خصوصاً امریکا کی نوازشات اب بھی جاری ہیں۔ پچھلے ہفتہ راقم کی ایک پاکستانی سے ملاقات ہوئی، جو کابل میں پولٹری سپلائی کا کام کرتے ہیں، ان کے قول کے مطابق افغانستان میں Big Business اور بڑے بڑے ٹھیکے تو سب آغا خانیوں کو دے دیے گئے ہیں، جب کہ پاکستانی شمولیت صرف لیبر اور چھوٹے موٹے کاروبار تک محدود ہے۔ گویا امریکن بوٹ تو پاکستان کے لیے ہیں، جب کہ دولت ساری آغا خانیوں میں بانٹی جارہی ہے۔

آغا خانی عقائد و عبادات

اب ہم آخر میں قارئین کی دل چسپی کے لیے مختصراً آغا خانی عقائد کا ذکر کرتے ہیں تاکہ کچھ غلط فہمیاں دور ہو سکیں۔ چوں کہ ہندوستان میں اسماعیلی فرقہ کی بنیاد بمبئی کے جج آرنلڈ نے آغا خان کو مذہبی پیشواڈ کلیئر کر کے کی تھی، اس لیے قدرتی طور پر آغا خانی مرکز جنوبی ہند کے علاقہ گجرات میں قائم ہوا اور آغا خان نے گجراتی زبان اور رسم الخط ہی کو اپنی مذہبی رسومات کی ادائیگی کے لیے مذہبی تقدس عطا کیا، چناں چہ اکثر اسماعیلی دعائیں اور گنان (مذہبی گیت) مل کر گجراتی زبان ہی میں پڑھی جاتی ہیں، بلکہ ایک وقت میں لاک شام میں بھی اسماعیلی جماعت کو عربی کی بجائے گجراتی میں دعائیں پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اسی طرح اسماعیلی مذہبی تقرر مثلاً مکھی یعنی منیجر اور کامڑیا یعنی منشی یا محرر وغیرہ بھی گجراتی زبان میں ہی نافذ کی جاتی ہیں۔ اسماعیلی سلام، یاعلی مدد اور جواب میں مولاعلی مدد ہے، عبادات کے لیے مسجدوں کے بجائے جماعت خانے قائم ہیں، جہاں دن میں تین بار گجراتی میں دعا پڑھی جاتی ہے، وضو اور نماز کا کوئی تصور نہیں، عبادات میں قبلہ رو ہونے کا کوئی تصور نہیں، جب کہ دعا میں حاضر امام یعنی آغا خان کی تصویر کے آگے سجدہ کرنا لازمی ہوتا ہے۔ روزہ فرض نہیں اور اگر رکھا جائے تو کھانے پینے سے نہیں ٹوٹتا بلکہ صرف آنکھ، کان اور زبان کا روزہ سوا پہر یعنی صبح دس بجے تک کا خیالاتی روزہ ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کے بجائے آغا خان کو دسوند یعنی آمدن کا آٹھواں یا دسواں حصہ دینا لازمی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اکثر عبادات غیر حاضری یا دوسری غلطیاں اور گناہ بخشوانے کے ریٹ مقرر ہیں، جن کی ادائیگی پر ہفتہ وار، ماہوار، سالانہ یا زندگی بھر کے گناہ بخشوائے جاسکتے ہیں۔ معافی خریدنے کی مقررہ فیس ادا کرنے کے بعد مکھی یعنی منیجر دم کیا ہوا تبرک پانی کا چھینٹا دے کر گناہوں کو دھوڈالتا ہے۔

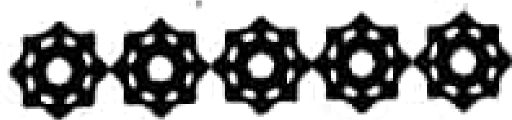
قرآن شریف کی بجائے حاضر امام کو بولتا قرآن کہا جاتا ہے، حج اور مکہ، مدینہ کی زیارات کی بجائے حاضر امام کے دیدار کو حج قرار دیا گیا ہے، جہاد کا تصور سرے سے ہی نہیں۔ آغا خانی

عبادات ورسومات کا یہ مختصر سا بیان ہم نے اسماعیلی فرامین اور کتابوں سے حاصل کیا ہے، ہوسکتا ہے مختلف مقامات پر کچھ اختلاف ہو، البتہ یہ مختصر ذکر صرف قارئین کی دل چسپی کے لیے کیا گیا ہے، البتہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں جو آغا خانی مذہبی کتابوں اور صحیفوں میں لکھا ہے۔ بہر حال اس مختصر بیان سے قارئین خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

تو اب جب کہ ہماری مرکزی حکومت نے آئندہ نسل کی تعلیم وتربیت آغا خانی فاؤنڈیشن کے سپرد کردینے کا فیصلہ کرلیا ہے تو قارئین خود ہی اندازہ لگالیں کہ ہمارے گھروں میں کس قسم کا روشن خیال انقلاب برپا ہونے والا ہے۔ جب سے عالم اسلام اقتدار سے محروم ہوا ہے، مغربی دانش ور بڑے دل چسپ نکتے نکالتے رہتے ہیں، مثلاً چند برس پہلے راقم لندن میں مقیم تھا تو سنڈے ٹائم میں ایک انگریز دانش ور نے بڑے لمبے چوڑے مضمون میں واضح کیا کہ...... مسلمانوں کے زوال کا سبب پورنوگرافی پر کھلے بندوں اظہار خیال پر پابندی کی وجہ سے ہے۔ اب ان نام نہاد دانش ور صاحب کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کے زوال کے وقت اور مابعد بھی لکھنؤ کے معاشرہ اور لٹریچر میں جو کھلی پورنوگرافی اور فحاشی رائج تھی اور جس کی ایک جھلک امراؤ جان ادا کی آپ بیتی میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس لحاظ سے تو لکھنؤ اپنے وقت کی پورنوگرافی کا امام تھا، تو پھر عالم اسلام کو لکھنؤ سے شروع کر کے اب تک امریکہ سے بھی بڑی سپر پاور ہونا چاہیے تھا۔ ترقی کی دوڑ کی ایک جھلک اب آغا خانی بورڈ کے زیر اہتمام نصاب میں شامل سعادت حسن منٹو قسم کی پورنو شاہکار سٹوری ''کھول دو'' میں دیکھی جاچکی ہے اور پھر سکولوں اور کالجوں میں جس قسم کے جنسیت زدہ سوال نامے...... [تفصیل کے لیے دیکھیں ماہنامہ آئین لاہور، مئی 2005ء، صفحہ 201-200] کیے گئے، بلکہ اب بھی تقسیم کیے جارہے ہیں، اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اب ہم ترقی اور روشن خیالی کی دوڑ میں جیٹ سپیڈ سے شامل ہورہے ہیں۔

البتہ حکومت نے ابھی تک یہ واضح نہیں کیا کہ ہمارے نصاب اور امتحانی نظام میں کیا خرابی ہے، جسے ہم خود دور نہیں کرسکتے اور جس کے لیے آغا خانی بورڈ سے درخواست کرنی پڑی ہے کہ وہ از راہ کرم اس کا مداوا کریں اور چوں کہ عوام کو اس بات میں پوری معلومات حاصل نہیں ہیں، اس لیے ملک میں کئی قسم کی چہ میگوئیاں ہورہی ہیں۔ اب حال ہی میں ماہنامہ خیر البشر لاہور نے جناب سلیم منصور خالد صاحب کا آغا خان بورڈ کے بارے میں بڑا تفصیلی مضمون چھاپا ہے، ہم قارئین سے سفارش کریں گے کہ اس سلسلہ میں ہماری جانکاری حاصل کرنے کے لیے جناب سلیم منصور خالد صاحب کا مضمون پڑھیں۔

[بشکریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور، مورخہ ۲۸-۲۹/ جون ۲۰۰۵ء]



خاورِ تصوف کے رخشندہ آفتاب

سید خورشید احمد گیلانی

اولیاء وصوفیہ کی پوری جماعت میں سب سے زیادہ محبوبیت اور شہرت جس مرد خدا کے حصہ میں آئی ہے، وہ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیا عوام اور کیا خواص، دونوں طبقوں میں آپ کو یکساں اور لازوال عزت حاصل ہے۔ آپ کو زمانے بھر کے علماء اور صلحاء نے جو مختلف القاب دیے ہیں، ان میں ایک معروف لقب ''محی الدین'' ہے۔ بلاشبہ اس لقب کی قبائے زیبا آپ کی قامت رعنا پر راست آئی ہے۔ شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام کا قول ہے:

''آپ کا وجود اسلام کے لیے ایک باد بہاری تھا، جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی''---

جس زمانے میں آپ وارد بغداد ہوئے، یہ وہ دور تھا جب بغداد کی فضا پر علم کی خشکی کا لیپ چڑھا ہوا تھا، بحث ومناظرہ کا بازار گرم تھا، نئے فرقے وجود میں آرہے تھے اور نئے نکتے برآمد ہو رہے تھے۔ ہر شخص کتاب خواں تھا مگر صاحب کتاب سے نسبت کی فکر نہ تھی، الفاظ وحروف کا ایک ذخیرہ تھا، جس میں ہر ایک گم تھا، کسی کو سراغ زندگی پانے کا شوق نہ تھا، لغت ہائے حجازی کے قارون بہت تھے، مگر گدائے کوئے حجاز کوئی نہ تھا۔ ہر طرف کتابوں کے انبار لگے تھے لیکن دل کا

ورق الٹنے کی کسی کو توفیق نہ تھی۔

مناظرے کی محفلیں طلوعِ صبح تک رہتیں مگر شبِ تارزیست محرومِ سحر تھی، مسند تدریس پر ترش رو معلم فروکش تھے، جب کہ ضرورت نہاں خانہ دل میں اتر جانے والے مرد خلیق کی تھی، محراب و منبر پر شعلہ بیان قابض تھے، جب کہ اہل بغداد شیریں مقال واعظ کے منتظر تھے۔ اسی کشیدہ وکبیدہ ماحول سے، بالآخر امام غزالی رضی اللہ عنہ تنگ آکر جامعہ نظامیہ کو خیر باد کہتے ہوئے شہر سے نکل کھڑے ہوتے ہیں، یہ ٹھیک وہی سال تھا کہ امام غزالی علم کی کرسیِ فخر چھوڑتے ہیں اور شیخ جیلانی رضی اللہ عنہ مسند فقر پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ امام غزالی رضی اللہ عنہ نے جس منصب کو خوشی خوشی چھوڑا، لوگ گھل گھل کر اس کی آرزو کرتے تھے۔ صرف چونتیس برس کی عمر میں غزالی بغداد کی جامعہ نظامیہ کے سربراہ مقرر ہوتے ہیں، یہ ایک عالم کے لیے سب سے خوب صورت لمحہ اعزاز اور سب سے بڑا نکتہ کمال تھا۔ امام کے ایک معاصر عبدالغافر فارسی کے بقول:

> ''ان کی علمی صلاحیت کے سامنے امراء، وزراء تو کیا، بارگاہ خلافت کی شان وشوکت ماند پڑ گئی تھی''---

قدرت کا اپنا نظام العمل ہوتا ہے کہ امام غزالی ''شہر بغداد کو دولت علم سے تونگر بنا گئے اور شاہِ جیلاں فضائے بغداد کو بوئے فقر سے معطر کرنے کے لیے تشریف لے آئے''، آپ بغداد میں پہنچے تو شہر کا رنگ یکسر بدل گیا، ''سوزِ دماغ'' کی جگہ ''سوزِ جگر'' نے لے لی، لوگ دماغ جلانے کے بجائے سراغ پانے میں لگ گئے، علم کی شعبدہ بازی چھوڑ کر طریق شہبازی سیکھنے لگے، علم کو منزل نہیں چراغِ راہ سمجھنے لگے۔ ''مکتب کی کرامت'' کا دھیان کم ہوا اور ''فیضانِ نظر'' کا رجحان بڑھ گیا۔ دنیا نے امام غزالی کا جاہ وجلال دیکھا تھا، اب انہیں سرکار بغداد کا نظارۂ جمال کرنا تھا، غزالی نے نظامیہ یونی ورسٹی کی پرشکوہ فضا میں خلیفۂ وقت کو آنے پر مجبور کیا، مگر حضرت شیخ کی گھاس پھونس کی کٹیا، تاج وتخت اور لشکر وسپاہ کو مات دے گئی۔ آپ کے وجود سے جس قدر اسلام اور اہل اسلام کو عزت اور تقویت ملی، اس کا مقابلہ ہزاروں لاکھوں انسانی نفوس نہیں کر سکتے۔

قدرت نے اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانے کے لیے آپ کا خاص طور پر انتخاب فرمایا اور آپ نے جس قدر قدرت کے ارادوں کو مکمل کیا، قدرت کو بجا طور پر اپنے انتخاب پر ناز رہے گا۔ سیاسی سطح پر خلافت عباسیہ مرکز گریز رجحانات کے باعث پریشان تھی، آل سلجوق اپنی حکومت الگ سے

قائم کر چکے تھے، باطنیہ فرقے کی ریشہ دوانیاں اور تشدد آمیز کارروائیاں اپنے عروج پر تھیں، ایسے میں روحانی استقلال کا تو مذکور کیا؟ عباسی شہنشاہ اپنے تمام تر ملکی اور ریاستی وسائل سے جو مرکزیت حاصل نہ کر سکے، حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کی ذات فقر و فاقہ کے باوجود مرکزی حیثیت کی حامل بن گئی۔ آپ کی حیات مبارکہ میں پانچ عباسی خلفاء گزرے، آپ نے اور دنیا نے خلیفہ مستظہر باللہ کو مسند اقتدار پر دیکھا، پھر خلیفہ مسترشد باللہ کو سریر آرائے سلطنت ہوتے دیکھا، اس کے بعد خلیفہ راشد باللہ آیا، بعد ازاں خلیفہ مقتفی لامر اللہ آتا ہے اور پھر خلیفہ مستنجد باللہ تخت حکومت پر متمکن ہوا۔ یہ لوگ آئے اور چلے گئے، اہل اسلام جس مصیبت میں تھے، اسی میں پھنسے رہے۔ کشتیٔ اسلام جس منجدھار میں تھی، وہیں ہچکولے کھاتی رہی۔ نہ خلفاء کا ادل بدل کام آیا اور نہ ہی حکومتی وسائل بلاؤں کو ٹال سکے۔ ایک آپ کا وجود مسعود تھا، جس نے لوگوں کی مایوسی کو خوش امیدی بخشی اور سفینۂ اسلام کو ساحل عافیت پر لگا دیا۔ مسلمان، جو سیاسی افراتفری اور ملوکانہ مہم جوئی کا شکار تھے، انہیں روحانی مرکزیت نصیب ہو گئی۔

حضرت شیخ رضی اللہ عنہ کو قدرت نے حلقہ صوفیہ میں جامعیت کے مقام پر فائز کیا تھا، حسب و نسب کے اعتبار سے آپ حسنی سید تھے، مسند رشد و ہدایت پر بطور مرشد کامل تشریف فرما تھے، قلم و قرطاس کی دنیا میں مانے ہوئے انشاء پرداز تھے، آپ کے سحر خطابت کی ایک دنیا اسیر تھی، روحانیت میں نہ کوئی ثانی ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ اولیاء کی جماعت کو اگر ستاروں کا ہالہ تصور کیا جائے تو آپ اس کا چاند تھے، تصوف کو اگر ایک کتاب فرض کیا جائے تو آپ اس کا عنوان جلی تھے، روحانیت کو اگر ایک شمع سے تشبیہ دی جائے تو آپ اس کی لو تھے، تجدید و احیائے دین کے کام کو اگر شاداب چمن سے تعبیر کیا جائے تو آپ اس کا گل سر سبد تھے، شکوہ علم اور غیرت فقر کو اگر کوہ طور کا نام دیا جائے تو آپ اس کا جلوۂ نور تھے۔ صف اولیاء میں آپ ایسا جامع الصفات فرد عرب و عجم میں نہیں ملے گا، یہی سبب ہے کہ دنیا کبھی آپ کو ''شہنشاہ بغداد'' کے نام سے یاد کرتی ہے، کبھی اس کی نوک زبان پر ''شاہ جیلانی'' جیسا لقب آتا ہے، دنیا کا ایک بڑا حصہ آپ کو ''محبوب سبحانی'' کہتا ہے، خلق خدا ''غوث اعظم'' بھی کہتی ہے، لاکھوں لوگ ''شیخ الاسلام'' جیسے پر عظمت خطاب سے یاد کرتے ہیں اور خواص و عوام میں ''پیر پیراں'' کے نام سے آپ ہی مشہور ہیں۔

آپ کی شش جہات دینی و روحانی خدمات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے

کام کے لیے خاص طور پر آپ کو پیدا فرمایا اور وہ تمام خوبیاں دے کر اس کام کے لیے منتخب فرمایا، جو دین کی نشر و اشاعت، مخلوق کی ہدایت اور بھولے بھٹکوں کی رہنمائی کے لیے ضروری تھی۔ تدریس کی مہارت، خطابت میں جاذبیت، شخصیت میں کشش اور ملائمت، بات میں تاثر اور بلا کی ذہانت، انداز بیان میں دل کشی اور حکمت اور فصاحت و بلاغت جیسی خوبیاں منعم حقیقی نے آپ کو ارزاں کی تھیں۔

آپ کے ہم سفر شیخ جبائی کہتے ہیں:

''مجھ سے حضرت شیخ نے ایک روز فرمایا کہ میری تمنا ہے کہ زمانہ سابق کی طرح جنگلوں اور صحراؤں میں رہوں، نہ مخلوق مجھے دیکھے، نہ میں اس کو دیکھوں، لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کا نفع منظور ہے، میرے ہاتھ پر پانچ ہزار سے زائد یہودی اور عیسائی مسلمان ہو چکے ہیں، عیاروں اور جرائم پیشہ لوگوں میں ایک لاکھ سے زائد توبہ کر چکے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے''---

شان تدریس کا یہ عالم تھا کہ آپ دیگر روحانی مشاغل کے ساتھ ساتھ اپنے مدرسہ میں روزانہ تفسیر، حدیث، فقہ اور اختلافات ائمہ کا سبق پڑھاتے، اصول فقہ اور نحو کی کلاس بھی خود لیتے، نماز ظہر کے بعد تجوید کی تعلیم دیتے، علاوہ ازیں افتاء کا کام بھی سرانجام دیتے، کوئی آپ کے یہ معمولات دیکھتا تو یقیناً کہہ اٹھتا کہ لفظ وحرف میں محو اور قرطاس و کتاب میں مستغرق یہ شخص کبھی دوسرے سے بات کرنا تو کجا، خود کلامی کی فرصت بھی نہیں پاتا ہوگا، مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ آپ جوں ہی منصب تدریس سے اتر کر مسند تلقین پر جلوہ گر ہوتے تو ستر ستر ہزار تک لوگوں کے اجتماع سے اس سکون اور وقار سے مخاطب ہوتے کہ کسی کو سرگوشی کا ہوش ہوتا اور نہ کھنکارنے اور کھانسنے کی فرصت ہوتی۔ یوں محسوس ہوتا کہ لوگوں کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، جن کے اڑ جانے کے خوف سے یہ لوگ چپ سادھے ہوئے ہیں۔ آپ کے مواعظ اور ملفوظات کو قلم بند کرنے لیے بعض اوقات چار چار سو دواتیں مجلس میں لائی جاتیں۔

عبداللہ یافعی کا کہنا ہے:

''آپ کے خطاب کی تاثیر اور سحر خیزی کا یہ عالم ہوتا کہ لوگ پھڑک کر مر جاتے اور آپ کی مجلس سے کئی بار جنازے اٹھائے گئے''---

آپ کا وعظ پیشہ ورانہ نہیں، مجذوبانہ ہوتا تھا، جملے منہ سے نکل کر ہوا میں تحلیل نہیں ہوتے تھے

بلکہ تیر بن کر دل میں ترازو ہو جاتے تھے۔ آپ کا خطاب دھواں دار نہیں ہوتا تھا کہ ماحول کو اور دھندلا دے بلکہ اس میں شرارے چھپے ہوتے تھے، جو دلوں میں موجود حرص و حسد کے خس و خاشاک کو جلا کر پھونک ڈالتے۔ ہر بات زبان سے ہی نہیں کہتے تھے، کچھ کام آنکھوں کی روشنی اور دل کی پاکیزگی سے لیتے۔ یحیٰی بن نجاح ادیب کا بیان ہے:

"ایک دفعہ میں نے ارادہ کیا کہ آج حضرت شیخ کی مجلس میں تائب ہونے والے شخص شمار کروں گا، جس وقت مجلس میں حاضر ہوا تو میں نے کپڑوں میں ایک دھاگہ چھپا لیا، جوں ہی حضرت شیخ توبہ کی تلقین فرما کر اس کے بال کاٹتے میں دھاگے میں ایک گرہ لگا دیتا، تھوڑی دیر بعد آپ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا، عجیب بات ہے میں گرہیں کھولتا ہوں اور تم لگاتے جا رہے ہو"---

آپ نے صرف واعظانہ کام ہی نہیں کیا، مجاہدانہ سرگرمیاں بھی آپ کی شخصیت کا حصہ رہیں، اگرچہ آپ نے براہ راست سیاست میں حصہ نہیں لیا، نہ ہی قرب شاہی کی آرزو کی، بلکہ آپ کبھی کسی حاکم سے ملنے نہیں گئے۔ اس کے دستر خوان پر نہیں بیٹھے، ہاں البتہ کئی بار خلفاء اور وزراء آپ کے در دولت پر حاضر ہوئے، وہ ہاتھ چومتے مگر آپ انہیں جھٹک دیتے اور ان کی روش ستم پر انہیں ملامت کرتے، ایک بار خلیفہ مقتضی لامر اللہ نے ابوالوفا یحیٰی بن سعید کو قاضی مقرر کر دیا، آپ کو معلوم ہوا تو برسر منبر فرمایا:

"تم نے مسلمانوں پر ایک ایسے شخص کو حکمران بنایا، جو اظلم الظالمین ہے، کل قیامت کو اس رب العالمین کو کیا جواب دو گے، جو ارحم الرحمین ہے"---

اس جلال آمیز خطاب کی بازگشت قصر خلافت میں بھی سنی گئی اور خلیفہ نے فوراً اس قاضی کو معزول کر دیا۔

آپ کے زہد کا یہ عالم تھا کہ آپ کے لیے سونے کی ڈلی میں کوئی کشش اور مٹی کے ڈھیلے میں کوئی نفرت نہ تھی، آپ کو کسی چیز کے پانے کی بے قراری نہ تھی اور نہ ہی چھن جانے کا خوف دل میں سمایا رہتا، بلکہ خالی ہاتھ دل کی خوشی کا راز پا چکے تھے۔ ایک بار دوران مجلس اطلاع ملی کہ آپ کا فلاں تجارتی جہاز ڈوب گیا ہے، آپ نے تھوڑی دیر توقف کر کے فرمایا "الحمد للہ"، کچھ ہی دیر بعد کسی نے آ کر کہا کہ یا حضرت! وہ خبر غلط تھی، جہاز صحیح سلامت کنارے لگ گیا ہے، آپ نے پھر

شیخ الاسلام قطب الاقطاب حضرت شاہ

رکن الدین عالم

سہروردی ملتانی رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر محمد صدیق خان قادری

قطب الاقطاب حضرت شاہ رکن الدین عالم نوری حضوری رضی اللہ عنہ اُن بزرگانِ دین میں سے ہیں جنھوں نے کفر، جہالت اور گمراہی کے اندھیروں میں توحید و رسالت اور علم و ہدایت کے وہ چراغ روشن کیے، جن کی روشنی سے اِس خطۂ ارض کا ذرّہ ذرّہ منور ہو گیا۔ جو آج بھی منور ہے اور ان شاء اللہ المولیٰ تعالیٰ تا ابد منور رہے گا۔

حضرت شاہ رکن الدین عالم سہروردی رضی اللہ عنہ نے اپنے جدِ امجد شیخ الاسلام حضرت غوث بہاء الدین زکریا سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جانشین اور مدرسہ بہائیہ کے مہتمم اعلیٰ کی حیثیت سے آپ کے تبلیغی مشن کو چار دانگ عالم میں پھیلایا اور اعلیٰ اسلامی اقدار اور اخلاقی اصولوں اور اپنے بلند پایہ اخلاق و کردار سے لوگوں کو اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔

حضرت شاہ رکن الدین عالم سہروردی رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دیگر بزرگانِ دین، بندگانِ خدا کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور حکومت بھی ایسی جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی قائم و دائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ ان مشائخِ طریقت نے دنیاوی وسائل نہ ہونے کے باوجود پیغامِ حق کو پوری دنیا میں عام کیا۔ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں بڑی سے بڑی سلطنتیں مٹ گئیں، ایوانِ اقتدار کے روشن ترین نام تاریخ کی گرد میں چھپ گئے مگر اقتدار اور سلطنت باقی رہی تو ان صلحائے امت کی

جنھوں نے اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت کا درس دیا۔ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کیا اور انھیں کفر سے ایمان، اندھیرے سے نور، سرکشی سے اطاعت اور مادہ پرستی سے روحانیت کی طرف بلایا۔ جنھوں نے توہمات اور تعصبات کی ظلمتوں میں یقین اور اعلیٰ ظرفی کی روشنی پھیلائی، جنھوں نے نفرتوں کی جگہ محبتوں کی تعلیم دی، آویزشوں کو صلح و آشتی میں بدلا اور اس جنت نظیر معاشرے کی تشکیل کی، جس کے خدوخال خود خالقِ کائنات نے وضع کیے ہیں۔

حضرت شاہ رکن عالم، حضرت غوث بہاء الدین زکریا (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے پوتے اور حضرت شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ گرامی تھے۔ آپ کی ولادت ۹ ر رمضان المبارک ۶۴۹ھ کو ہوئی۔ جدِ امجد نے رکن الدین نام تجویز فرمایا۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت بی بی راستی پاک دامن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا تقویٰ و طہارت اور پاکیزگیٔ کردار کے حوالے سے اسم با مسمیٰ اور قرآنِ کریم کی حافظہ تھیں۔ آپ نے کبھی بغیر وضو کے اپنے لختِ جگر کو دودھ نہیں پلایا۔ حضرت بی بی پاک دامن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا نے خادماؤں کو حکم دے رکھا تھا کہ بچے کو سوائے اسمِ ذات کے اور کوئی لفظ نہ سکھایا جائے۔ چناں چہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آپ نے بولنا سیکھا تو آپ کی زبان سے سب سے پہلے ادا ہونے والا اسم ''اللہ'' تھا۔

حضرت شاہ رکن الدین عالم رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت، حضرت غوث العالمین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذمے لی اور یقیناً یہ اسی تربیت کا فیض تھا کہ آپ کی ذات سے نوعمری ہی میں روحانیت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کا آغاز اپنے جدِ امجد کی قائم کردہ درس گاہ ''مدرسہ بہائیہ'' میں کیا۔ پہلے قرآنِ مجید اور پھر مروّجہ دینی و دنیاوی علوم حاصل کیے۔ آپ کی عمر چار سال تھی کہ آپ نے اپنے جدِ امجد کی دستارِ مبارک اٹھا کر سر پر رکھ لی۔ آپ کے والد شیخ صدر الدین عارف رحمۃ اللہ علیہ نے روکا، لیکن حضرت غوث العالمین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''اس نے دستار پہنی ہے، تو یہ اس کی لاج رکھے گا اور ہمارا صحیح جانشین ثابت ہوگا''---

چناں چہ جب آپ اپنے والد بزرگ وار کے بعد مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہوئے، تو یہی دستار آپ کو پہنائی گئی۔

سلاطینِ وقت سے تعلقات اور روابط قائم کرنے میں صوفیہ کرام دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ ایک گروہ دین کے معاملات میں کسی قسم کی مصلحت اور معمولی رواداری کا بھی قائل نہ تھا اور سلاطینِ زمانہ سے ترکِ تعلق کے اصول پر قائم تھا۔ دوسرے گروہ کا طریقِ اصلاح یہ تھا کہ بااختیار

لوگوں کے قریب ہو کر ان کی بے اعتدالیوں کی نشان دہی کی جائے، تا کہ برائی کرنے والے کے دل میں برائی سے نفرت پیدا ہو اور وہ اسے ترک کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ ان بزرگانِ دین نے حکمت و دانائی کے ساتھ اپنے تبلیغی اور اصلاحی مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اصلاحِ احوال کے سلسلے میں حضرت قطب الاقطاب نے دوسرے گروہ کا طریقہ اختیار فرمایا۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے بزرگوں نے یہ احتیاط ملحوظ رکھی کہ یہ وابستگی دنیاوی فوائد کے حصول کا ذریعہ نہ بنے اور سلاطینِ وقت، شریعتِ محمدیہ پر سختی سے کاربند رہیں اور اپنے آپ کو خدمتِ خلق کے لیے ہر وقت تیار رکھیں۔

حضرت قطب الاقطاب ﷫، بادشاہِ وقت کی دعوت پر متعدد بار دہلی تشریف لے گئے اور ہر بار آپ کی خدمت میں خطیر رقوم پیش کی گئیں، لیکن آپ نے ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہ کیا، بلکہ ساری دولت مستحقین میں تقسیم کر دی۔ جو لوگ بادشاہ تک دسترس نہیں رکھتے تھے، ان کی تکالیف اور ضروریات سے حکمرانوں کو آگاہ فرماتے۔ جب بادشاہ کی طرف سے دہلی آنے کی دعوت ملتی تو آپ شہر میں اعلان کراتے:

"جو شخص کسی مقصد کے لیے درخواست دینے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ اپنی درخواست ہم تک پہنچا دے، ایسی تمام درخواستیں بادشاہ کو پیش کر دی جائیں گی" ---

اس اعلان کے بعد ایک بڑا صندوق باہر رکھوا دیا جاتا تھا، لوگ جوق در جوق آ کر اپنی درخواستیں اس صندوق میں ڈالتے، یہ سلسلہ سفر کے دوران بھی جاری رہتا تھا۔ آپ جب بادشاہ سے ملتے تو ان درخواستوں پر احکامات لکھوائے جاتے اور اس طرح کسی دشواری کے بغیر ہزاروں بندگانِ خدا کی دادرسی ہوتی تھی۔ سلاطینِ وقت سے تعلقات کے باوجود آپ ان کی شان و شوکت سے کبھی مرعوب نہ ہوئے، بلکہ ان کے سامنے بھی کلمہ حق بلند کیا۔ آپ نے ایک مظلوم شخص کی فریاد پر سلطان علاؤالدین خلجی کو پیغام بھیجا:

"مظلوم کے ساتھ انصاف کرو، ورنہ ہم غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے تمہاری جگہ کسی عادل حکمران کو دہلی کے تخت پر بٹھا دیں گے" ---

آپ کی حق گوئی کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ سلطان علاؤالدین خلجی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ﷫ سے عناد رکھتا تھا، چناں چہ اس نے حضرت خواجہ کا اثر و رسوخ ختم کرنے کے لیے حضرت شاہ رکن عالم ﷫ کو دہلی بلایا۔ جب آپ دہلی پہنچے تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء ﷫ نے شہر سے باہر آپ کا استقبال فرمایا۔ بادشاہ نے آپ سے پوچھا:

"دہلی میں سب سے پہلے آپ کا استقبال کس نے کیا؟" ---

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ سے بادشاہ کی مخالفت کے باوجود آپ نے فرمایا:

"دہلی میں سب سے پہلے میرا استقبال اس نے کیا، جو اس شہر میں سب سے بہتر (خواجہ نظام الدین اولیاء) ہے"---

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کی نمازِ جنازہ بھی حضرت شاہ رکن عالمؒ نے پڑھائی اور آپ ہمیشہ اس سعادت پر فخر کرتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مریدِ خاص حضرت سیدنا امیر خسروؒ کی نمازِ جنازہ بھی حضرت شاہ رکن عالمؒ نے پڑھائی۔

حضرت شاہ رکن عالمؒ نے اس قدر عبادت و ریاضت کی کہ آپ کے خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ فرماتے ہیں:

"جب آپ منزلِ کمال تک پہنچے، تو تہجد سے دوپہر تک عبادت میں مشغول رہتے اور شرعی احکام کی پابندی کو مقدم سمجھتے تھے"---

حضرت شاہ رکن عالمؒ کے مریدین اور خلفاء میں حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور حضرت مخدوم حمید الدین حاکم (رحمہما اللہ تعالیٰ) کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت شاہ رکن عالمؒ، حضرت غوث بہاء الدین زکریاؒ کے فیوض و برکات کے امین تھے۔ آپ نے تبلیغی وفود کے اس سلسلے کو جاری رکھا، جس کی بنیاد حضرت غوث العالمینؒ نے رکھی تھی۔ تبلیغی جماعتوں کو آپ کی وجہ سے عروج نصیب ہوا، آپ نے دینی تعلیم کے علاوہ اس درس گاہ میں مسلم فنون یعنی خطاطی، شاعری، تعمیرات اور تاریخ نویسی کے شعبے بھی قائم فرمائے اور اس دور میں عربی، فارسی، سندھی، سرائیکی اور دیگر علاقائی زبانوں نے خوب ترقی کی اور اساتذہ وطلبہ نے اپنی نگارشات کے لیے ان زبانوں کو ذریعہ اظہار بنایا۔

۷ رجمادی الاولیٰ ۷۳۵ھ کو آپ نے اپنے مرید خاص مولانا ظہیر الدین محمد کو تجہیز و تکفین کے سلسلے میں ہدایات دیں اور اسی روز مغرب کے بعد نوافلِ اوابین پڑھتے ہوئے بحالت سجدہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ حضرت شاہ رکن الدین عالم سہروردیؒ کے سالانہ عرس مبارک کی سہ روزہ تقریبات ۶ تا ۸ ر جمادی الاولیٰ مدینۃ الاولیاء ملتان میں عقیدت و احترام سے منعقد ہوتی ہیں، جن میں ملک بھر سے ہزاروں زائرین و عقیدت مند شریک ہوتے ہیں۔ عرس مبارک کی یہ تقریبات ملی یک جہتی، قومی اتحاد و یگانگت کی علامت سمجھی جاتی ہیں۔

رکنِ عالم! آپ کا چشمہ رواں ہے آج بھی
یہ محمد ﷺ کی تجلی ضوفشاں ہے آج بھی



امام العارفین، صاحب حزب البحر

سیدنا امام ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آج کے مسلمانوں کے اعمالِ قبیحہ دیکھ کر اسلام کے حسین چہرے پر داغ دھبے ثابت کرنے کی کوشش کو کسی طرح بھی معقول نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح بعض صوفیہ کے خلافِ شریعت اقوال یا افعال کا حوالہ دے کر تصوف کو بدنام کرنا کسی طرح بھی قرین انصاف نہیں ہے۔ تصوف اسلام کا وہ روحانی، اخلاقی اور عملی شعبہ ہے، جسے دیکھ کر بڑے بڑے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن اور دہشت گرد حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے اور تقویٰ وطہارت کو اپنا کر مثالی انسان بن گئے۔

داتا گنج بخش علی ہجویری، محبوبِ سبحانی شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی، شاہِ نقشبند سید محمد بہاؤالدین زکریا نقشبند، خواجہ غریب نواز سید معین الدین چشتی اجمیری، شیخ شہاب الدین سہروردی، امیر کبیر

سید علی ہمدانی، امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ دنیائے تصوف کے وہ آفتاب و ماہتاب ہیں کہ تصوف کا مخالف بھی ان کے افکار و کردار پر انگشت نمائی نہیں کر سکتا، اسی زمرۂ اولیاء میں سے ایک فردِ فرید، سلسلۂ شاذلیہ کے بانی، امام العارفین امام ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں۔

آپ کا نام سید علی، والد کا نام عبداللہ اور دادا کا نام عبدالجبار ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

آپ کا سلسلہ نسب حضرت امام حسن مجتبیٰ ﷺ تک پہنچتا ہے، آپ کی ولادت باسعادت (۵۹۳ھ/ ۱۱۹۷-۱۱۹۶ء) بلادِ مغرب (مراکش) کے شہر 'سبتہ' کے قریب ایک بستی (غمارہ) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی اور آٹھ سال کی عمر میں قرآنِ کریم یاد کر لیا، اس کے بعد مقامی علماء ہی سے علومِ دینیہ حاصل کرنا شروع کیے، جوان ہوئے تو دل میں امنگ پیدا ہوئی کہ مرکزِ علوم بغداد جا کر علمی پیاس بجھائی جائے، بغداد میں اس وقت فقہ و حدیث اور ادب و لغت کے بڑے بڑے علماء کا جمگھٹا تھا، وہاں پہنچے تو عراق کے علماء نے پہلی نظر میں ہی محسوس کر لیا کہ یہ وہ ہیرا ہے جس کی تراش خراش کے بعد چمک دمک ایک عالم کی نگاہوں کو خیرہ کرے گی، چناں چہ انھوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور سر آنکھوں پر جگہ دی، کئی سال مختلف علمی حلقوں میں رہ کر اکتساب علم و فضل کرتے رہے[۱] راتوں کو جاگ کر اتنی محنت کی کہ آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔[۲]

بغداد ہی میں تھے کہ ان کے دل میں معرفتِ الٰہیہ حاصل کرنے کی شدید طلب پیدا ہوئی، چناں چہ انھوں نے اولیاء عارفین کی تلاش شروع کر دی، ایک ولی نے انھیں کہا کہ آپ عراق میں قطب کی تلاش میں سرگرداں ہیں، وہ تو آپ کے علاقے میں موجود ہیں، واپس اپنی بستی میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کا گوہر مراد حضرت عارف باللہ عبدالسلام ابن مشیش کے پاس ہے، وہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار میں رہتے تھے۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی نے شیخ نجم الدین اصفہانی سے استفادہ کا ذکر کیا ہے۔

شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے معرفت و روحانیت کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور جب پیر و مرشد کے فیوض سے ان کی روح سیراب ہو گئی تو مرشد نے حکم دیا:

''علی! تم افریقہ جاؤ اور وہاں کے شہر (شاذلہ) میں قیام کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا نام شاذلی رکھے گا، وہاں ایک پہاڑ ہے جس کا نام ہے (زغوان) اس پر قیام کر کے عبادت و ریاضت میں مصروف ہو جانا، تاکہ تم تمام آلودگیوں سے پاک ہو جاؤ اور تمہیں مکمل طہارت حاصل ہو جائے''---

ریاضت کا یہ دور مکمل ہونے پر آپ تیونس چلے گئے اور مخلوقِ خدا کی راہنمائی میں مصروف ہو گئے۔[۳]

تیونس میں ان کی شہرت دور دراز تک پھیل گئی اور بندگانِ خدا بڑی کثرت کے ساتھ ان کی بارگاہ میں حاضر ہونے لگے، اس صورتِ حال کو دیکھ کر ابن البراء نے جسے قاضی الجماعہ کہا جاتا تھا، بادشاہِ وقت کے کان بھرنا شروع کر دیے اور اسے بتایا کہ ان کے مریدین کی تعداد خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے اور یہ شخص آپ کے اقتدار کے لیے خطرہ ہے۔ بادشاہ نے شیخ کو قید کر دیا بعد میں اسے ایک خواب آیا جس کی تعبیر اس نے یہ نکالی کہ شیخ کو رہا کر کے انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

جیل سے باہر آ کر شیخ ابو الحسن شاذلی نے مصر جانے کا فیصلہ کیا، کیوں کہ انھوں نے سنا تھا کہ مصر امن و امان کی جگہ ہے، وہاں کے باشندے بلند اخلاق ہیں اور مسافروں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتے ہیں، جب وہ اسکندریہ پہنچے تو انھوں نے محسوس کیا کہ دعوت و تبلیغ اور طریقت کے حوالے سے یہ سرزمین بڑی موزوں ہے، یہیں انھوں نے سنت نکاح پر عمل کیا اور اللہ تعالیٰ نے انھیں بیٹوں اور بیٹیوں کی صورت میں اولاد عطا فرمائی، جن کی تعداد پانچ تھی۔

حضرت شیخ اسکندریہ میں سلطان کامل کے قائم کردہ 'مدرسہ کاملیہ' میں درس دیا کرتے تھے، ان کے درس کی عظمت شان معلوم کرنے کے لیے یہ جان لینا کافی ہے کہ ان کی علمی مجلس میں امام عز بن عبد السلام، ابن دقیق العید، حافظ منذری، جمال العرب ابن حاجب، ابن صلاح اور ابن عصفور جیسے دنیائے علم کے عظیم ائمہ حاضر ہوا کرتے تھے۔[۴]

امام شاذلی سے بے شمار لوگوں نے علم و عرفان کا استفادہ کیا، ان میں سرفہرست امام احمد ابو العباس مرسی ہیں، ان کے مشہور ترین مرید اور شاگرد امام علامہ شرف الدین محمد بن سعید بوصیری صاحب قصیدہ بردہ اور سیدی یاقوت عرشی ہیں، مشہور عالم، صوفی بزرگ امام الاصفیاء تاج الدین ابن عطاء اللہ سکندری پہلے شیخ ابو العباس مرسی کے بیعت تھے، ان کے بعد ان کے خلیفہ شیخ یاقوت عرشی کے مرید ہوئے۔[۵]

نوٹ:

امام بوصیری کا مزار اسکندریہ میں ان کے شیخ ابو العباس مرسی کی مسجد اور ان کے مزار سے چند میٹر کے فاصلے پر ہے، علامہ شعرانی نے ان کا تذکرہ شیخ مرسی کے مریدین میں نہیں کیا۔[شرف قادری]

امام ابو الحسن شاذلی نے متعدد بار حج کیا، ۶۵۶ھ میں حج کے لیے جا رہے تھے تو راستے میں

صحرائے عیذاب میں ذوالقعدہ کے مہینے میں فوت ہو گئے، وہیں تدفین عمل میں آئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ تعالیٰ عنہ

امام تاج الدین ابن عطاء اللہ سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ ’لطائف المنن فی مناقب الشیخ ابو الحسن الشاذلی‘ کے نام سے لکھا ہے۔

امام شاذلی نے چند تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، جن میں سے زیادہ تر کا تعلق اوراد و وظائف اور دعاؤں کے ساتھ ہے، ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱)...... المقدمة الغزية (بقول براکلمان العزية) للجماعة الازهرية

۲)...... كتاب الاخوة　　۳)...... حزب البرّ

۴)...... حزب البحر　　۵)...... حزب الكبير

۶)...... حزب النصر　　۷)...... حزب الطمس على عيون الاعداء

۸)...... حزب اللطيف　　۹)...... حزب الفتح (اس کا دوسرا نام حزب الانوار بھی ہے)

۱۰)...... صلوٰة الفتح و المغرب

۱۱)...... متفرق ادعیہ اور اوراد　　اور آخر میں ایک:

۱۲)...... وصیّہ یعنی اپنے مریدوں کے نام دینی ہدایات

۱۳)...... السرّ الجليل فی خواص حسبنا اللّٰه و نعم الوكيل، الجواهر المصونة، طبع مصر۔[٦]

حضرت غزالیٔ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ’درود تاج پر اعتراضات کے جوابات‘ میں لکھا ہے کہ ’درود تاج‘ بھی امام شاذلی کا مرتب کیا ہوا ہے۔

حزب البحر

امام ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ بحری جہاز میں سوار ہو کر حج کے لیے جا رہے تھے کہ بادِ مخالف اس شدت سے چلنے لگی کی تمام مسافر مایوسی کا شکار ہو گئے، اس وقت مراقبہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ نے امام شاذلی کو اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا، چناں چہ انھوں نے خود بھی پڑھی اور دوسرے لوگوں سے بھی پڑھوائی، اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ہوائے موافق چلنے لگی، تمام مسافر بخیرت منزل مقصود تک پہنچ گئے، جہاز کا عیسائی کپتان اور غیر مذاہب کے دوسرے لوگ اس

کرامت کو دیکھ کر اسلام لے آئے۔[۷]

امام ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں چند اربابِ فضل کے تاثرات ملاحظہ ہوں:

امام ابن عطاء سکندری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''ان کے قطب ہونے کے بارے میں کسی روشن دل والے اور کسی بصیرت رکھنے والے عارف نے اختلاف نہیں کیا''---

علامہ تقی الدین محمد بن علی قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے شیخ ابوالحسن شاذلی سے بڑا عارف باللہ کوئی نہیں دیکھا''---

شیخ مکین الدین اسمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''مجھے طریقت کے سلسلے میں کچھ اشکال درپیش تھے، چالیس سال کی تلاش کے باوجود مجھے ان کے حل کرنے والا کوئی نہیں ملا، یہاں تک کہ شیخ ابوالحسن شاذلی تشریف لائے تو انھوں نے میرے تمام اشکالات دور کر دیے''---

سلطان العلماء عزالدین ابن عبدالسلام نے فرمایا:

''ان کے کلام کا ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ قریبی تعلق ہوتا تھا''---[۸]

حوالہ جات و حواشی

۱......الشیخ محمد الصائم، من علماء الازہر، اھل البیت فی مصر، صفحہ ۷۴

۲......دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، ۵۶۲/۱۱

۳......سید حسن منصور شعبان، مقدمہ لطائف المنن، صفحہ ۶،۵

۴......الشیخ محمد الصائم، من علماء الازہر، اھل البیت فی مصر، صفحہ ۷۵

۵......عبدالوہاب شعرانی، امام، الطبقات الکبریٰ، جلد ۲، صفحہ ۲۰-۱۲

۶......اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور، جلد ۱۱، صفحہ ۵۶۲

۷......حاجی خلیفہ، کشف الظنون، جلد ۱، صفحہ ۳۳۳

۸......حسن منصور شعبان، سید، ابتدائیہ لطائف المنن، صفحہ ۷



گنج بخش فیضِ عالم

مفتی محمد خلیق الرحمٰن چشتی

1

یہ غالباً ۱۴۱۳ھ کی ایک دل فریب و دل کش صبح کا واقعہ ہے، فاتح سومنات سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس دارالعلوم کا معائنہ کرنے کے لیے آ رہا ہے، جو اس نے زرکثیر صرف کر کے تشنگان علوم و معارف نبویہ کی سیرابی کے لیے بطور خاص تعمیر کروایا ہے۔ دارالعلوم میں ہر سو چہل پہل ہے، طلباء زرق برق لباس پہنے، تتلیوں کی طرح رقصاں نظر آتے ہیں، دارالعلوم کا عملہ سلطان کے استقبال کے لیے مستعد ہے، چاق و چوبند اساتذہ اپنی کارگزاری کا نمایاں اظہار فرما رہے ہیں، لیکن اس تمام ہماہمی و گہما گہمی سے بے نیاز ایک بچہ مکتب کے ایک گوشہ میں مطالعہ میں مشغول ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی آمد اس کے نزدیک کوئی وقعت نہ رکھتی ہو اور دارالعلوم کا معائنہ اس کے نزدیک کسی حیثیت کا حامل نہ ہو۔ دارالعلوم کے فاضل ترین استاذ شیخ محمد رضوان اپنے اس محنتی شاگرد کو مستحسن نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ سلطان کی آمد کا غلغلہ اٹھا، استقبالیہ نعرے بلند ہوئے، داد و دہش کے ڈونگرے برسائے گئے، بے شمار قدم استقبال کو لپکے، ان گنت گردنیں تعظیم کے لیے خم ہو گئیں، لیکن وہ بچہ مصروف مطالعہ رہا، وہ

نونہال مشغول رہا، فاتح سومنات جلالۃ الملک سلطان محمود غزنوی کے قدم معائنہ کے لیے اٹھے، لیکن تھوڑی دور چلنے کے بعد ٹھٹھکے، تڑپے، لرزے اور رک گئے، خدام ششدر رہ گئے، حضار متفکر ہو گئے، دارالعلوم کے عملے کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں، کیوں کہ سلطان کی نگاہیں اس بچہ کا طواف کر رہی تھیں، جو لاتعلقی، بے غرضی اور بے نیازی کی تصویر بنا ایک کتاب پر نظریں جمائے بیٹھا تھا، ناگاہ معصومیت کے اس دل فریب مرقع نے اپنی پُر ہیبت نگاہیں اٹھا کر سلطان کی طرف دیکھا تو وہ شہنشاہ جس کی ہیبت سے بڑے بڑے مہاراجے تھراتے تھے، جس کی جلالت سے جغادری راجے لرزہ براندام رہتے تھے، جس کی تلواروں کی گھن گرج سے ہندوستان لرز رہا تھا، اس بچے کی نظروں کی تاب نہ لا سکا، وہ سر جو بڑے بڑوں کے سامنے بھی تنا رہتا تھا، اس بچے کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔

سلطان نے اپنا لرزیدہ بدن مکتب کے اساتذہ کی طرف گھمایا، اور کہا:

"واللہ! یہ بچہ خدا کی طرف راغب ہے اور ایسے طلباء اس دارالعلوم کی زینت ہیں"---

"دارالعلوم محمودیہ" کا یہ عظیم القدر بچہ "علی بن عثمان" تھا، جسے دنیا داتا گنج بخش کے نام سے یاد کرتی ہے۔

2

دارالسلطنت غزنی میں اس دن تہلکہ مچ گیا، جب "رام نرائن" نامی ایک ہندو فلاسفر نے سلطان محمود غزنوی کے دربار میں یہ چیلنج کر دیا کہ:

"عقلیات، نقلیات، فلکیات، ارضیات حتیٰ کہ روحانیت میں بھی کوئی اُس کا ثانی نہیں، جو کوئی اسے ہرا دے، وہ اس کا غلام ہو جائے گا"---

سلطان کا دربار ہر وقت علماء و مشائخ سے پُر رہتا تھا، اسلامی سلطنت کا وہ حکمران فقط تعلّی کا رسیا نہیں تھا، بلکہ فی الواقع ملک کے ہر حصے کے جواہر اس کی انگشتری کے نمونے تھے، مگر اس فلاسفر کی تعلّی ان سب کے لیے ایک مسئلہ بن گئی، ہر سو تاسف کا بسیرا تھا اور ہر طرف حزن و ملال کا ڈیرہ تھا، ہر چہرے سے مایوسی جھلک رہی تھی اور ہر بشرے سے ناکامی چھلک رہی تھی۔ سلطان معظم نے اس وقت کی سب سے بڑی اسلامی یونی ورسٹی کے سربراہ کو خط لکھا کہ ہندو فلاسفر کے اسکات کے لیے یونی ورسٹی سے کوئی ایسا ماہر بھیجا جائے، جو شیخ الکل فی الکل ہو اور جو علوم کسبیہ اور وہبیہ دونوں کا

جامع ہو۔ یونی ورسٹی کی طرف سے ایک ایسا ''نوجوان'' بھیجا گیا، جس کی ابھی تک مسّیں بھی نہ بھیگی تھی، تجربہ کار علماء و مشائخ کی جبینیں شکن آلود ہو گئیں۔ ''نوجوان'' کے بچپنے کو موضوع بنایا گیا، لیکن سلطان نے یونی ورسٹی کے سربراہ کے انتخاب کو قبول کر کے ''نوجوان'' کو ہندو فلاسفر سے مناظرہ کی اجازت دے دی۔

سیکڑوں علماء و مشائخ کی موجودگی اور ہزار ہا عوام کی حاضری میں گفتگو کا آغاز ہوا، علماء کے دل انجانے خدشات سے دھڑک رہے تھے، لیکن ''نوجوان'' کا چہرہ طمانیت کے نور سے تمتمار ہا تھا۔ عقلیات و نقلیات کے ماہر ہندو فلاسفر نے پینترے بدل بدل کر گفتگو کی، لیکن نوجوان نہ جانے کہاں سے اتنا دور رس دماغ لایا تھا کہ ہرزاویہ سے اسے مات کرتا چلا گیا، سلطان دم بخود ہے، علماء ششدر ہیں، مشائخ حیران ہیں، ناظرین سربگریباں ہیں کہ ایک ''نوجوان'' تجربہ کار فلاسفر پر حاوی ہوتا چلا جا رہا ہے، اس کی شیخی دم توڑ رہی ہے، اس کی تعلّی نزع کی ہچکیاں لے رہی ہے، اس کا لہجہ لکنت زدہ ہو گیا ہے، اس کی گفتگو ہکلاہٹ کا شکار ہو گئی ہے، اس کی روحانیت کے دعوے بے اثر ثابت ہو رہے ہیں۔ لو وہ تڑپ گیا، لرز گیا، ڈول گیا، اس کا جسم مفلوج ہو گیا، اس کی زبان گنگ ہو گئی، اس کا ذہن منجمد ہو گیا، اس کی آنکھیں پتھرا گئیں، اس کا سر چکرا گیا۔ ''نوجوان'' کے یاقوتی لبوں پر ملکوتی تبسم بکھر گیا۔ سلطان نے تخت سے اٹھ کر اس کا ماتھا چوما، علمائے حقانی نے ترحیب کے ڈونگرے برسائے، مشائخ ربانی نے دعاؤں کی برسات کر دی، ناظرین و حضار مجلس نے تحسین کے گیت گائے، علمیت و روحانیت کا سحر زدہ ''رام نرائن'' قدموں میں جھک گیا اور پھر پوری محفل اس ہندو فلاسفر کے ساتھ مل کر کلمہ طیبہ کا ذکر کرنے لگ گئی۔

آپ جانتے ہیں کہ یہ ''نوجوان'' ہمارا ممدوح شیخ عالم حضرت خواجہ علی بن عثمان ہجویری تھا۔

3

یہ عقابوں کے نشیمن، شاہینوں کے مسکن، شیروں کی کچھار، ہند کی روح اور پنجاب کے دل لاہور کے ایک نواحی جنگل کی بات ہے، ملگجا سا اندھیرا پھیل رہا ہے، روشنیوں کا دیوتا تاریکیوں کے خلاف مسلسل نبرد آزمائی کے بعد آرام کرنے کے لیے پر تول رہا ہے، ایسے میں ایک عورت متفکر چہرہ لیے سر پر دودھ کی گاگر دھرے، تیزی سے ایک خاص سمت میں جا رہی ہے۔ پریشانی اس کے چہرے سے ہویدا تھی، فکر کی سیاہیاں اس کے بشرے پہ رقصاں تھیں اور تردد کی سلوٹیں اس کے

ماتھے پہ نمایاں، اثنائے راہ میں اسے تین آدمی دکھائی دیے، جو دہکتے انگاروں کے گرد کنڈلی مارے بیٹھے ہوئے ہیں، عورت کے سر پر دودھ کی گاگر دیکھی، ان میں سے ایک نے کہا:

"مائی! ہمیں دودھ کی ضرورت ہے، تیرے پاس دودھ موجود ہے، یہ ہمیں دے دے اور اس کی قیمت وصول کر لے"---

عورت گویا ہوئی:

"بیٹے! مجھے دودھ دینے میں کوئی تأمل نہ تھا مگر شاید تجھے معلوم نہیں کہ اس جنگل کے پار "رائے راجو" جوگی نے ڈیرہ جما رکھا ہے اور ہم نہ چاہتے ہوئے بھی باری باری اس کے حکم کے مطابق اسے دودھ مہیا کرنے پر مجبور ہیں، کیوں کہ جو بھی اس کی حکم عدولی کی جرأت کرتا ہے تو اس کے جادوئی اثر سے اس کی بھینس کے تھنوں سے دودھ کی بجائے خون جاری ہو جاتا ہے"---

عورت کی یہ بات سن کر ان تینوں میں سے ایک نے جو چہرے بشرے سے ان کا سردار معلوم ہوتا تھا، فرمایا:

"مائی! یہ دودھ مجھے دے دو، اللہ تعالیٰ تمہارے دودھ میں اضافہ کر دے گا"---

وہ عورت اس مدھ بھرے لہجہ کی حلاوت میں یوں کھوئی کہ اس نے ہر خیال جھٹک کر دودھ کی گاگر اس کے قدموں میں رکھ دی اور واپس چلی آئی۔ واپس پلٹتے ہوئے اس کے قلب کے نہاں خانوں میں یہ خیال کلبلاتا رہا کہ اب کیا ہوگا؟ لیکن جب وہ گھر پہنچی تو حیران رہ گئی کہ جن تھنوں سے وہ سارا دودھ دوہ کے لے گئی تھی، وہ تھن بھر چکے ہیں۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ برتن لے کے دوبارہ بھینسوں کے نیچے بیٹھ گئی، حیرت و خوشی کی امتزاجی کیفیت نے اسے بے خود کر دیا، کیوں کہ اب تھنوں سے نہ صرف یہ کہ دودھ آ رہا تھا، بلکہ اس کے برتنوں پہ برتن بھرے چلے جا رہے تھے۔ اس کی بے خودی تیز سسکاری کی شکل میں ڈھل گئی، ماحول مرتعش ہو گیا، لوگ گھروں سے باہر نکل آئے اور حیرت سے کبھی عورت کا چہرہ، کبھی بھینس کے تھن اور کبھی دودھ سے لبریز برتن دیکھنے لگ گئے۔ عورت نے حیرت زا لوگوں کو اپنا قصہ سنایا اور پھر عقیدت بھرے دل بیسیوں گاگریں اٹھائے اسی جگہ کا طواف کرنے لگ گئے، جس کی نشاندہی اس عورت نے کی تھی۔

رائے راجو جوگی غصہ سے تلملا رہا ہے، کبھی ایسا نہ ہوا تھا کہ کسی نے اس کے حکم سے سرتابی کی

جرأت کی ہو، اس کے فرمان کو ٹالا ہو، اس کے ارشاد سے پہلو تہی کی جسارت کی ہو اور اب پورے تین دن ہو گئے ہیں، اس کے حکم کے باوجود کوئی دودھ کا ایک قطرہ بھی لے کر نہیں آیا۔ پیچ و تاب کھا رہا ہے، فسوں پہ فسوں پڑھے جا رہا ہے، منتر پہ منتر جاپ رہا ہے لیکن کسی ردعمل کا اظہار نہیں ہوا، کسی طرف سے رحم کی بھیک نہیں مانگی گئی، کسی جگہ سے عفو و درگزر کا کاسہ دراز نہیں کیا گیا۔ غصے کی زیادتی اور رنج کی شدت اسے دیوانہ بنائے جا رہی ہے، غضب کی ناگن بل کھا گئی۔ دیوانوں کی طرح اٹھا، بستی کی تباہی کا آہنی عزم لے کر جنگل میں داخل ہو گیا لیکن جنگل کا منظر بہت خیرہ کن تھا، اس کے تمام عقیدت مند ایک کمبل پوش درویش کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں، جو مسکرا مسکرا کر ان سے محو تکلم ہے۔ رائے راجو غصے میں پھنک گیا، غضب میں جل گیا اور اپنے بہترین جادوئی کرتب دکھانے لگ گیا، لیکن اس کے تمام تر فسوں اس مرد درویش کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ آخر کار اس نے جادو کے زور سے ہوا میں اڑ کر لوگوں کو متاثر کرنا چاہا تو غیرت فقر کو بھی جوش آ گیا، مرد فقیر نے اپنے جوتے فضا میں پھینکے، جو دھڑا دھڑ جوگی کے سر کو دھنکنے لگے، فضا تیز چیخوں سے گونجنے لگ گئی، جادو کے غبارے سے ہوا نکل گئی، تو زمین کے کشش ثقل نے جوگی کو اپنی طرف کھینچ لیا، زمین تک پہنچتے پہنچتے جوگی کا پتہ پانی ہو چکا تھا اور وہ بڑے تسلسل کے ساتھ معافی مانگ رہا تھا۔ وسیع النظر مرد درویش نے جوگی کی خطا سے درگزر فرما کر اسے سینے سے لگا لیا اور انوار و تجلیات خداوندی کا پورا خم خانہ اس کے سینے میں انڈیل دیا۔

دودھ کے دریا بہانے والا، کفر کے مرکز میں اسلام کا جھنڈا لہرانے والا مرد درویش اپنے آپ کو علی بن عثمان ہجویری کہلاتا ہے۔

4

لہلہاتے درختوں کے جھنڈ میں، سرسبز و شاداب باغات کے جھرمٹ میں اور راوی کی خمیدہ و شوریدہ لہروں کے پاس چند نفوس قدسیہ نے اللہ کا ایک گھر تعمیر کیا، جہاں سے تحمید و تقدیس خداوندی کے نغمے پھوٹنے لگے، نظام مصطفیٰ ﷺ کے ترانے گائے جانے لگے اور مقام مصطفیٰ ﷺ کے گیت سنائے جانے لگے۔ چند مفسدوں نے افواہ پھیلا دی کہ راوی کے کنارے جو مسجد بنائی گئی ہے، اس میں نماز جائز نہیں، کیوں کہ اس میں سمت قبلہ کی درستگی کا خیال نہیں رکھا گیا۔ مسجد کے بانی نے بہتیرا سمجھایا کہ اس مسجد کی سمت درست ہے اور جن مساجد کی سمتیں ان سے مطابقت نہیں رکھتیں انہیں درست کر لیا جائے۔ لیکن اس نیک انسان اور برگزیدہ شخصیت کا مذاق اڑایا گیا، طعنے دیے گئے،

نشانۂ تضحیک بنایا گیا۔

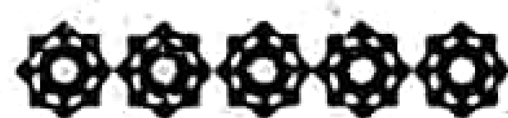
بات اگر اس کی اپنی ذات کی ہوتی تو شاید وہ کوہ صبر و رضا کوئی تعرض نہ کرتا، لیکن جب اس نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ میری خاموشی سے میرے مشن کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو اس نے شہروں میں منادی کروادی کہ جنہیں میری مسجد میں شک ہو تو وہ نماز عصر کے وقت مسجد میں پہنچ جائیں، آج امامت میں خود کراؤں گا اور تمہارے شکوک و اوہام کا دفعیہ کردوں گا۔ سیکڑوں لوگ یہ منادی سن کر کشاں کشاں چلے آئے۔ کچھ کے دل میں تماشا بینی کا سودا تھا، کسی کے ذہن میں درستگی صحت کا خبط تھا، کوئی طعنہ زنی کے تصور میں غلطاں تھا، کوئی نشتر زنی کے تخیل میں گرداں تھا۔ وقت مقررہ پر لوگوں کے ٹھٹھ لگ گئے، سروں کا سیلاب امڈ آیا۔ خوشی، حیرانی، بددلی اور پریشانی کے جذبات گڈمڈ ہو رہے تھے۔

"بانی مسجد" نے اپنے ایک عقیدت مند سے فرمایا کہ صفیں درست کرواؤ، حکم کی تعمیل ہوئی تو وہ خراماں خراماں چلتے ہوئے مصلیٔ امامت پہ کھڑا ہو گیا، ایک بھرپور نظر ہجوم پہ ڈالی اور پھر متانت بھری آواز سے فرمایا، ساتھیو! سامنے دیکھو۔

لوگ دیدۂ حیراں بن گئے، طعنہ زن قدموں میں گر گئے، کیوں کہ ان کی نگاہوں سے حجابات مرتفع ہو گئے تھے، اس لیے کہ کعبۃ المکرمہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ سامنے موجود تھا۔

قارئین! غین میں عین کا مشاہدہ کرنے والا یہ مرد قلندر، والی ہند، خواجہ اجمیری کا وہی ممدوح تھا، جس کے متعلق اجمیری ساز سے یہ نغمہ پھوٹا تھا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما



دعائے صحت:

- استاذ العلماء حضرت مولانا ابوداؤد محمد صادق حفظہ اللہ تعالیٰ، امیر جماعت رضائے مصطفیٰ گوجرانوالا گزشتہ ماہ سے شدید علیل ہیں، قارئین بحالی صحت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں---

(مرسلہ: انجینیر محمد حمزہ صدیقی)

- حضرت مولانا قاری عبد الستار نوری، دیپال پور کافی عرصہ سے شدید علیل ہیں، قارئین کرام سے دعائے صحت کی درخواست ہے---



سماجی بہبود کے لیے

حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا

کے کارہائے نمایاں

راجا رشید محمود

اسلام کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مسلمان ایک مثالی اسلامی معاشرہ تشکیل دیں، جس میں مخاصمتیں، مخالفتیں، دشمنیاں اور جھگڑے نہ ہوں، اپنائیتوں کا دور دورہ ہو، محبتیں فروغ پائیں، ایک دوسرے کے لیے سلامتی کے جذبات پنپیں، لوگ ایک دوسرے کے کام آئیں، آپس میں دکھ سکھ کے ساتھی اور ساجھی ہوں، کوئی شخص بیمار ہو تو دوسرا اس کی عیادت کرے، کوئی کسی پریشانی میں مبتلا ہو تو اس کا بھائی اس کی پریشانی دور کرنے میں اپنی سعی کرے۔ سب کی خوشیاں، مسرتیں مشترک ہوں اور دکھ درد بانٹنے کی صورتیں عام ہو جائیں۔

اخوت ایسا جذبہ ہے جس سے معاشرے کا حسن قائم اور ماحول کا تقدس بحال ہوتا ہے۔ اسلام نے ہر مسلمان کو دوسرے کا بھائی قرار دیا ہے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ پیار، محبت، ایثار، خلوص اور احسان کا سلوک کرے۔اپنے بھائی کے دکھ تکلیف میں شریک ہو، اس کا بھلا چاہے، اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے، حتیٰ کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز قرار نہیں دیا گیا کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی سے ناراض رہے۔ مسلمان، مسلمان ہے تو اس کے لیے وعید ہے کہ اگر اس کا ہمسایہ بھوکا سویا تو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ مسلمان اپنے دعویٰ ایمان میں سچا نہیں اگر اس نے کسی مسلمان کی جان و مال و آبرو کو کوئی نقصان پہنچایا۔ ہمارے آقا و مولا ﷺ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ لوہے کی کوئی چیز اپنے کسی مسلمان بھائی کو سیدھی کرے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔

اسلام نے ہمیں زندہ رہنے کے آداب سکھائے ہیں، معاشرتی اچھائیوں کی راہ دکھائی ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کی ہے کہ ہمیں کس موقع پر کیا کرنا ہے.........۔ خدا تعالیٰ اور رسولِ اکرم (جل جلالہ و ﷺ) نے ہمیں کمانے کے طریقے بتائے اور خرچ کرنے کے مواقع کی نشان دہی بھی کر دی ہے۔ آپ نے معاشرت کی اقدار کا علم دیا ہے۔ یہاں تک کہ کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے کے آداب تک کی تعلیم دی گئی ہے۔ زندگی کا کوئی مرحلہ ایسا نہیں جس کے لیے رہنما اصول اسلام نے ہمیں نہ بتا دیے ہوں۔

اہلِ اسلام کی معاشرتی حیثیت یہ ہے کہ ہر مومن کو اپنے مومن بھائی کے لیے رحمت بننا ہے، کسی صورت کسی کے لیے زحمت نہیں بننا۔ دوسروں کے لیے ہمارے پاس محبت و خلوص اور ایثار و احسان ہی کے تحفے ہونے چاہییں۔ ضروری ہے کہ دشمنیاں، رنجشیں اور شکر رنجیاں ہمارے درمیان واسطہ نہ بنیں۔ کینہ، بغض، حسد، جھوٹ، بہتان، بدزبانی، طعنہ زنی، خیانت، چوری، غصب، سودخوری، ذخیرہ اندوزی وغیرہ رذائلِ اخلاق ہیں اور مسلمان کے لیے ممنوع ہیں۔

مسلمانوں پر کچھ تو اللہ کے حقوق ہیں، جنھیں ادا کیے بغیر چارہ نہیں، کیوں کہ قرآن مجید کی زبان میں انسانوں اور جنوں کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ "یعبدون" بنیں۔ اس کا معنی ہم "عبادت کرنے والے" کرتے ہیں، اصل میں اس کا مطلب ہے کہ وہ "عبد" بن جائیں، فرماں بردار ہو جائیں، ہر حکم مانیں۔ یعنی انسانوں اور جنوں کی خلقت اس لیے ہوئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ہر حکم

جو انھیں انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے ملا، اسے صدقِ دل سے مانیں اور اس کی تعمیل کریں۔ ان احکام میں حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی شامل ہیں، بلکہ حقوق اللہ کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی سے دور نہیں کہ وہ کسی اور اچھائی کے بدلے یا محض اپنی رحمت کے باعث معاف فرما دے، لیکن جب بندوں میں سے کسی کا حق کسی نے چھین لیا، یا ادا نہیں کیا تو خداوندِ قدوس نے ایسا گناہ معاف نہ کرنے کا اعلان کر رکھا ہے۔ مسلم شریف میں ہے، حضور رحمتِ ہر عالم ﷺ نے فرمایا:

''نماز، روزہ، زکوٰۃ کا اہتمام کرنے والے نے اگر کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال غصب کیا، کسی کو قتل کیا، کسی کو مارا پیٹا تو اس کی نیکیوں کا ثواب مظلوموں کو دیا جائے گا، اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور مظلوموں کے حقوق مجرانہ ہوئے تو مظلوموں کے گناہوں کو اس کے اعمال نامہ میں جمع کر کے اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا''۔۔۔

کمال یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے حقوق اللہ کو ادا کرنے میں کوئی کمی، خامی رہ جائے، کوتاہی ہو جائے تو اس کا ازالہ بعض صورتوں میں اللہ کے بندوں کو خوش کرنے کی صورت میں ہو سکتا ہے، مثلاً روزہ ٹوٹ گیا تو کچھ محتاجوں کو کھانا کھلانے سے اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کو معاف کر دیتا ہے، لیکن حقوق العباد میں کوئی کمی رہ جائے تو حقوق اللہ زیادہ سے زیادہ ادا کرنے سے بھی اس کا ازالہ نہیں ہوتا۔

ایسے میں، جب ہم مانتے ہیں، تاریخ ہم سے اس حقیقت کو تسلیم کرواتی ہے کہ اولیاء اللہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے حسنِ کردار کے باعث دنیا بھر میں اسلام پھیلا۔ مظاہرِ فطرت کی پرستش کرنے والوں، آگ کو پوجنے اور خود ساختہ بتوں کے آگے سربسجود ہونے والوں نے اپنے آباء و اجداد کی راہ ترک کر کے دین کے باعمل مبلغین کی روش کو اپنایا، خدائے واحد کے آگے جھکنے کی اہمیت سمجھی، فضائلِ اخلاق کو اختیار کیا اور رذائلِ اخلاق کو ہمیشہ کے لیے تج دیا، تو ہم اولیاء اللہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے نام لیواؤں کو صرف کشف اور کرامات کے تذکرے تک محدود نہیں رہنا چاہیے اور صرف ان بزرگانِ دین سے عقیدت و ارادت کے مظاہرے ہی کو دین نہیں سمجھ لینا چاہیے، بلکہ ان کی تعلیمات پر، ان کے اخلاق پر اور ان کے سماجی بہبود کے کارناموں پر غور بھی کرنا چاہیے اور ان کی تبلیغ پر بھی پوری توجہ منعطف کرنی چاہیے، تاکہ معلوم ہو کہ انھوں نے سماجی بہبود کے لیے، معاشرے کی اصلاح کے لیے اور لوگوں کی تعلیم و تربیت کے لیے کیا کیا کارنامے انجام دیے۔ اس طرح ہم خداوندِ کریم کے ان دوستوں کی زندگیوں کو بہتر طور پر خراجِ تحسین و عقیدت پیش کر سکیں گے اور

ان کی دکھائی ہوئی راہ پر چل کر اور لوگوں کو چلا کر حسنِ معاشرت کو عام کر پائیں گے۔

سب تذکرہ نگار اس حقیقت کے معترف ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ میں شیخ الاسلام غوث العالمین حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعیٔ جمیلہ کا معتد بہ حصہ ہے۔

ڈاکٹر میمن عبدالمجید سندھی اپنی تصنیف ''شہباز قلندر'' میں لکھتے ہیں:

''سہروردی سلسلہ اس دور کی ایک صوفیانہ تحریک تھی، اس تحریک کے ذریعے برصغیر میں بہت سے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس تحریک سے سندھ میں بھی بے شمار لوگ مستفیض ہوئے۔ اس تحریک کو کامیاب بنانے میں حضرت غوث بہاؤالحق زکریا ملتانی نے اہم اور بنیادی کارنامے انجام دیے.......... آپ نے ہند و سندھ کا تبلیغی سفر کیا اور بہت سے ہندوؤں کو مسلمان کیا'' ---[۱]

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے ''اسلام کا سرچشمۂ قوت'' میں لکھا:

''مغربی پنجاب میں اسلام کی اشاعت کا فخر سب سے زیادہ حضرت بہاء الحق زکریا ملتانی کو حاصل ہے'' ---[۲]

''تاریخِ ملتان'' میں ان الفاظ میں حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ کی مساعیٔ جمیلہ کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے:

''یہاں (ملتان) آکر آپ نے اصلاح و فلاح معاشرہ کا کام اعلیٰ پیمانے پر انجام دیا۔ یوں تو آپ کے مریدوں اور فیض روحانی حاصل کرنے والوں کا سلسلہ پورے ایشیا میں پھیلا ہوا ہے لیکن برصغیر میں پنجاب، سندھ، بلوچستان اور بنگال کو آپ کی روحانی سلطنت کہا جاتا ہے'' ---[۳]

''عوارف المعارف'' کے مترجم حافظ سید رشید احمد ارشد سابق صدر شعبہ عربی کراچی یونی ورسٹی لکھتے ہیں:

''شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی (المتوفی ۶۶۶ ھ):

آپ کا مزار مبارک ملتان میں ہے۔ برصغیر ہندوستان میں سہروردیہ سلسلہ کے بانی مبانی ہیں اور آپ کے خاندان کے ذریعے یہ روحانی سلسلہ ہند و پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیلا'' ---[۴]

اولیاء کرام (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کی کرامات برحق ہیں کہ یہ انبیاء ماسبق (علیہم السلام) کا

طریقہ رہا ہے۔ انھوں نے عام طور سے اپنی دعوت کا آغاز معجزے سے کیا، جسے دیکھ کر عقلیں عاجز رہ گئیں اور لوگ متاثر ہوئے۔ لیکن ہمارے آقا حضور سرور کائنات علیہ السلام و الصلوٰۃ نے اپنی دعوت کا آغاز عقلوں کو عاجز کرنے سے نہیں، عقل سے کام لینے کی دعوت سے کیا۔ فرمایا کہ اگر میں یہ کہوں کہ کوہِ صفا کے ادھر سے دشمن تم پر حملہ آور ہو رہا ہے تو کیا تم مان لو گے؟ سب سامعین نے حضور رسول کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے چالیس، تینتالیس برسوں پر نظر دوڑائی اور بیک زبان پکار اُٹھے کہ آپ ہمیشہ سچ بولتے ہیں، آپ کی مبارک زندگی تو کسی بھی لوث سے ہر طرح پاک رہی ہے، اس لیے آپ کہیں گے تو وہ سچ ہوگا، جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا۔ یوں، حاضرین وسامعین نے حافظے سے، یادداشت سے اور تفکر سے کام لیا کہ یہی اسلام کی تبلیغ کی بنیاد ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں جگہ جگہ تفکر و تدبر کی دعوت دی گئی ہے۔

چناں چہ حضور پرنور ﷺ کی امت کے اولیاءِ کرام نے کرامات سے زیادہ اپنے کردار و عمل سے، اپنے طرزِ زندگی سے اور اپنی حق آموز گفتگو سے زیادہ کام لیا ہے اور لوگوں کی فکر کو مہمیز دے کر اسلام کی حقانیت کی طرف مائل کیا ہے۔ جہاں ضرورت پڑی ہے، وہاں کرامت سے گریز نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ صلاحیت، یہ قدرت عطا بھی اسی لیے کر رکھی ہے۔ لیکن ان کی تبلیغ کا انحصار سماجی بہبود کے کاموں، حسنِ اخلاق اور اپنائیتوں کے فروغ پر رہا ہے۔

اولیاء اللہ (علیہم الرحمہ) نے محبتیں بانٹی ہیں، اسلام کی سلامتی کے پیغام کو عام کیا ہے۔ ن کے پاس جو مصیبت زدہ، پریشان حال آیا ہے، اس کے لیے دعائیں بھی کی ہیں اور جہاں تک اور جس طرح ممکن ہوا ہے اس کے درد کے درماں کی کوشش کی ہے۔ ہر شخص سے ان کا رویہ پیار، خلوص اور احسان کا رہا ہے۔ انہوں نے جو مال کمایا ہے یا کہیں سے آیا ہے یا ترکے ورثے میں ملا ہے، ضرورت مندوں، عسرت زدوں محتاجوں، مسکینوں میں تقسیم کر کے سانس لی ہے۔ یہ صاحبانِ زُہد واتقا کسی کے لیے زحمت نہیں بنے، رحمت للعالمین ﷺ کی رحمتیں بانٹنے کا فریضہ ادا کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے قریب آنے والوں کو گفتار سے زیادہ کردار کے ذریعے اللہ کا فرماں بردار بندہ اور تابع فرمان بن جانے کی تشویق وتحریک دی ہے۔ حقوق العباد پورے کرنے کے آسان طریقے سمجھائے ہیں اور سماجی بہبود کے لیے اپنی تمام روحانی صلاحیتیں استعمال کر کے حسنِ معاشرت کو عملی صورت دی ہے۔

کسی ولی اللہ کے پاس دولت ہے یا آئی، تو اسے مستحقین کو دے دیا۔ تبلیغ کے وسائل اور

حالات ہیں تو اپنے کردار و عمل کے ساتھ ساتھ اپنے متبعین کے ذریعے انھیں استعمال کر کے لوگوں کو دین و دنیا کی بہتری کی راہ دکھائی۔ ہدایت و ارشاد کے لیے اللہ کے دوست اپنی شخصیت کے تاثر، گفتگو کی اثر آفرینی، کردار کی پاکیزگی اور بلندی کو کام میں لاتے رہے۔ ہر طرح ان کی کوشش یہی رہی کہ ربِّ کریم جل جلالہ اور اس کے حبیبِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی تعلیمات و فرمودات کے مطابق ایک صالح، پُر سکون، طمانیت بخش اور خوش حال معاشرہ تشکیل پا جائے، پروفیسر محمد سعید (گورنمنٹ کالج کراچی) لکھتے ہیں:

''سہروردی، تبلیغی مقاصد کے لیے تجارت اور زراعت کرتے رہے ہیں جیسا کہ حضرت بہاء الدین زکریا علیہ الرحمہ نے عامہ خلائق کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے زراعت و تجارت کے کام کو رفتہ رفتہ بڑھایا۔ اطرافِ ملتان میں جہاں کہیں اچھا قطعہ ہوا، افتادہ جنگلوں کو آباد کرایا، چاہات اور نہریں احداث کرائیں اور تجارت کی طرف بھی حضرت نے بہت توجہ فرمائی۔ دریا اور سمندر کے ذریعے بڑی کشتیوں پر سامان تجارت سکھر، بھکر، منصورہ اور پھر وہاں سے عراق، عرب اور مصر تک جاتا تھا۔ یہ تو آپ سمندری اور دریائی راستے سے سامانِ تجارت روانہ فرماتے تھے، اس کے علاوہ خشکی کے راستے کابل، ایران، دہلی، لاہور اور دکن حیدر آباد سے آپ کی تجارت ہوتی تھی''۔---[۵]

اصل میں شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ کی خصوصیت یہ تھی کہ عام اولیاء کبار رحمہم اللہ تعالیٰ کی طرح اُنھوں نے فقر کو اس طرح نہیں اختیار کیا کہ اپنے پاس کچھ بھی نہ ہو۔ ان کا فقر یہ تھا کہ پاس بہت کچھ ہو، بہت کچھ آئے لیکن سب کچھ دوسروں پر خرچ ہو۔ حمید اللہ شاہ ہاشمی لکھتے ہیں:

''نہایت مصروف اور امیرانہ زندگی تھی، زر و جواہر کے انبار لگے ہوتے تھے، اس کے باوجود خدا کی یاد سے ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوتے تھے۔ ساری ساری رات عبادت میں گزارتے، ایک عرصہ دراز تک یہ جانا ہی نہیں کہ رات کو بستر سے پشت کیوں کر لگاتے ہیں۔ وسیع جاگیر و جائیداد، عظیم الشان لنگر خانہ اور مدارس و خانقاہ وغیرہ کے انتظام کے علاوہ طلبہ کی تعلیم، مریدوں کی تربیت و ہدایت، عوام کے لیے مواعظ کا اہتمام، مہمانوں کے قیام و طعام کا بندوبست، اہل و عیال کی پرورش، اتنے کام تنہا ایک آپ ہی کے دوش پر تھے۔ جتنا روپیہ آتا تھا، غروب آفتاب سے پہلے اسے راہِ خدا میں لٹا دیتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی سائل آپ کے دروازے پر آیا ہو

اور محروم واپس گیا ہو۔ غریبوں کی مصیبت دیکھ ہی نہ سکتے تھے۔ جود وسخا کا ایک دریائے زخّار تھا، جو ہمہ وقت موج زن رہتا تھا''---[۶]

حضرت شیخ الاسلام کے تموّل کا سبب صرف ترکہ ہی نہیں تھا، ربِّ کریم جل شانہ العظیم چاہتا تھا کہ باطنی طہارت کے ساتھ ساتھ ظاہری ثروت بھی آپ کے ہم رکاب ہو:

''حضرت شیخ الشیوخ (شہاب الدین سہروردی) کی خدمت میں (حضرت زکریا) آئے، چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن حضرت نے طلب فرمایا۔ ایک کٹا ہوا انار حضرت کے ہاتھ میں تھا، دے کر فرمایا کہ کھالیجیے، جب شیخ الاسلام نے وہ انار لیا تو اس میں سے ایک دانہ گر پڑا۔ آپ نے فوراً اٹھا کر منہ میں ڈال لیا، شیخ الشیوخ نے فرمایا: بہاء الدین! یہ دانہ دراصل دنیا تھی، میں نے چاہا کہ تم اس جھمیلے میں نہ پڑو، اس لیے عمداً گرادیا تھا لیکن تو اٹھا کر کھا گیا، اب دین و دنیا دونوں ترے قبضے میں ہیں''---[۷]

مفتی انتظام اللہ شہابی نے حضرت شیخ الاسلام کی دولت مندی کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

''جس وقت حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا وصال ہوا تو آپ نے چار کروڑ روپے ترکے میں چھوڑے تھے''---[۸]

لیکن اس تموّل اور ثروت مندی کے بارے میں ان کا نظریہ یہ تھا:

''دنیا کا مال جتنا بھی حاصل کرلیا جائے، انسان پھر بھی مطمئن نہیں رہتا۔ ہوس، مال کی بڑھوتی کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے۔ سانپ کی صحبت اس شخص کو نقصان پہنچاتی ہے جو اس کے افسوں کو نہ جانتا ہو............ فقیروں کے نزدیک عدم و وجودِ مالِ دنیا یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ نہ ان کے جانے کا غم ہوتا ہے، نہ آنے کی خوشی''---[۹]

''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' میں ہے:

''حضرت بہاء الدین زکریا کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی خزانوں سے بھی مالا مال کر رکھا تھا، آپ کے یہاں زراعت و تجارت بڑے پیمانے پر ہوا کرتی تھی، بہت سے ملازم اور کارندے تھے۔ اس کی آمدنی ایک لنگر خانے پر صرف ہوتی تھی جہاں سیکڑوں بندگانِ خدا روزی حاصل کرتے تھے۔ آپ کی اپنی غذا محض قلیل ہوتی تھی، اتنی کہ قوت بحال رہے۔ ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ بدن کی سلامتی کم کھانے میں، روح کی سلامتی ترکِ گناہ میں اور دین کی سلامتی کثرتِ درود میں ہے''---[۱۰]

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ العزیز کے ملفوظات کی جلد پنجم کی تیسری مجلس میں حضرت شیخ الاسلام کے بارے میں ارشاد ہے:

''اگر وہ کسی کو کوئی چیز دیتے تھے تو خوب دیتے تھے............ ایک دفعہ ملتان کے والی کو غلے کی ضرورت پڑی، اس نے شیخ بہاء الدین سے اس کے لیے درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ ایک ڈھیر اسے دے دو۔ والی نے اپنے عملے کو بھیجا کہ وہ ڈھیر سے غلہ لے آئیں۔ اس غلے میں چاندی سے بھرا ہوا ایک مٹکا نکل آیا۔ عملے نے والی کو اطلاع دی، اس نے کہلوایا کہ شیخ نے ہمیں غلہ دینے کو فرمایا ہے، یہ چاندی دینے کو نہیں فرمایا۔ اس چاندی کو شیخ کی خدمت میں پہنچا دو۔ جب یہ بات شیخ کی خدمت میں عرض کی گئی، انھوں نے کہلوا بھیجا کہ زکریا کو یہ معلوم تھا۔ تمھیں یہ غلہ اس چاندی سمیت دیا گیا ہے''---[۱۱]

''اردو دائرۂ معارف اسلامیہ'' اور ''اسلامی انسائیکلوپیڈیا'' میں ہے:

''جب ۶۴۴ھ میں منگولوں نے ملتان کا محاصرہ کر لیا اور ہرات کا حکمران بھی ان کے ساتھ مل گیا تو شیخ نے اپنے پاس سے حملہ آوروں کو ایک لاکھ دینار کی رقم پیش کی اور انھیں محاصرہ اٹھا لینے پر رضا مند کر لیا''---[۱۲]

تذکروں میں ''سیر العارفین'' کے حوالے سے حضرت شیخ الاسلام کے استغنا اور بے نیازی کے متعلق درج ہے کہ:

''ایک دن اپنے خادم سے فرمایا کہ جس صندوقچے میں پانچ ہزار دینار سرخ رکھے ہیں، لے کر آؤ۔ خادم آیا اور اس نے واپس آ کر کہا کہ صندوقچہ کہیں نہیں ملا۔ فرمایا: الحمدللہ! خادم دوبارہ گیا۔ اس مرتبہ تلاش کرنے پر وہ صندوقچہ اسے مل گیا۔ آپ اس پر بھی ''الحمدللہ'' کہہ کر خاموش ہو گئے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے صندوقچہ گم ہونے پر بھی الحمدللہ کہا اور مل جانے پر بھی الحمدللہ فرمایا، اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: بات یہ ہے کہ فقیروں کے لیے دنیا کا وجود اور عدم برابر ہے۔ انھیں نہ کسی چیز کے ملنے پر خوشی ہوتی ہے، نہ کسی چیز کے جانے کا غم......... پھر وہ پانچ ہزار دینار ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیے''---[۱۳]

حضرت شیخ الاسلام کے کشف و کرامات کے ضمن میں ''سالک السالکین'' کے حوالے سے

ڈاکٹر ظہور الحسن شارب نے بھی، دوسرے تذکرہ نگاروں کی طرح یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:

''آپ کے ایک مرید خواجہ کمال الدین مسعود شیرازی جواہرات کی تجارت کرتے تھے، ایک بار ان کا جہاز طوفان میں آیا، انھوں نے آپ (حضرت شیخ الاسلام) کو یاد کیا اور آپ سے امداد چاہی۔ آپ جہاز پر نمودار ہوئے، سب مسافروں نے آپ کو بخوبی دیکھا۔ آپ نے سلامتی کی بشارت دی۔ جہاز بخیر و خوبی عدن میں پہنچا۔ عدن پہنچ کر مسافروں نے اپنا تہائی مال خواجہ کمال الدین کو بطور نذرانہ و شکرانہ دیا۔ خواجہ کمال الدین نے وہ سب مال اور اپنے نصف جواہرات اپنے بھانجے خواجہ فخر الدین گیلانی کو دے کر ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ خواجہ فخر الدین وہ مال و جواہرات لے کر ملتان آئے، انھوں نے جب آپ کو دیکھا، فوراً پہچان لیا اور اسی لباس میں پایا جس میں انھوں نے آپ کو جہاز پر دیکھا تھا۔ وہ مال و جواہرات آپ نے تین دن کے اندر لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اس مال کی قیمت ستر لاکھ تنکہ تھی۔ خواجہ فخر الدین نے جب آپ کی یہ فیاضی دیکھی تو اپنا مال بھی تقسیم کر دیا، فقیری اختیار کی، آپ کے مرید ہوئے'' ---[۱۴]

نور احمد خان فریدی لکھتے ہیں کہ اسی واقعے کی وجہ سے اب تک برصغیر کے ملاحوں میں یہ رسم چلی آئی ہے کہ جب کشتی کہیں بھنور میں پھنس جاتی ہے تو وہ ''مدد بہاء الحق'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔ خدا کے فضل و کرم سے وہ خطرہ ٹل جاتا ہے۔[۱۵]

ایک مرتبہ دریا میں زبردست طغیانی آ گئی، حضرت شیخ الاسلام نے دعا کی اور اپنا کوزہ لوگوں کو دیا کہ اسے دریا میں ڈال دو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے سیلاب کو آنِ واحد میں ختم کر دیا۔ یہ تو حضرت کی کرامت ہوئی، لیکن اس کے ساتھ انھوں نے سماجی بہبود کا اپنا رویّہ اس طرح جاری رکھا کہ سیلاب زدگان اور بے گھر لوگوں کی آبادکاری کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ لاکھوں روپے اور منوں اناج متاثرہ خاندانوں میں تقسیم کیا گیا۔ آپ اپنے خدام سے فرمایا کرتے تھے کہ گھر میں جتنا روپیہ اور گندم چاول ہیں، ان کو شام سے پہلے پہلے ختم کر دیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مال و اسباب ہمارے گھر میں پڑا رہے اور غریب بھوکے مرتے رہیں۔[۱۶]

نور احمد خان فریدی لکھتے ہیں کہ:

''حضرت شیخ الاسلام کو ربِ جلیل نے دین اور دنیا، دونوں کی سربلندی عطا کی تھی۔

آپ کو آباءِ کرام کی طرف سے بہت بڑا خزانہ ترکہ میں ملا تھا، جسے آپ نے درویشوں کے لیے حجرے اور مسافروں کے لیے سرائیں تعمیر کرنے اور ''زکریا یونی ورسٹی'' کے ابتدائی انتظامات پر خرچ کر دیا تھا۔ بایں ہمہ فتوحات غیبی کا یہ عالم تھا کہ روزانہ لاکھوں آتے اور لاکھوں خرچ ہوتے............ حضرت اپنی اراضیات کی پیداوار، ملک کی خام اجناس اور مصنوعات معتمد خدام کی معرفت دساور کو بھجواتے تھے۔ مبلغین کی طرح ان کو بھی یہ ہدایت ہوتی تھی کہ کم نفع پر بیچو اور دیانت داری سے معاملہ کرو............ اس کے علاوہ کوٹ کروڑ میں حضرت کی جو ذاتی جائیداد تھی، اس سے بھی بڑی آمدن ہوتی تھی۔ تحصیل لودھراں میں ''واہی غوث الملک'' اور ''قطعہ پیر'' کے نام سے سرسبز اور زرخیز اراضیات سونا اگل رہی تھیں۔ لاکھوں روپے کی ان سے سالانہ یافت ہوتی تھی'' --- [۱۷]

سماجی بہبود کا تعلق محض مسلمانوں ہی کے ساتھ تو نہیں، پورے سماج کے ساتھ ہے۔ سارے معاشرے کی بہبود پیش نظر ہو تو سب سے پہلے انسانیت کی بہبود کے نقطہ نظر سے انھیں اسلام کی برکات سے آگاہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ دین میں جبر نہیں، لیکن سچ کو حق فراموش آبادی تک پہنچانا اور انھیں اس حقیقت سے آگاہ کرنا بہت ضروری ہوتا ہے کہ اسلام محبت کا دین ہے۔ محبتوں، اپنائیتوں کو فروغ دینا چاہتا ہے، پوری انسانیت کی بہتری چاہتا ہے، جھگڑے، فساد، شورش کو ختم کرنے کا خواہش مند ہے، صلح و آشتی اور سلامتی کو رواج دے کر دنیا میں سکون و طمانیت کی کیفیت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ شیخ الاسلام غوث العالمین بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ نے اس اہم کام کی طرف بھی پوری توجہ دی اور اس طرح سماجی بہبود کے دائرے کو سنت سرکار عالم ﷺ کی تقلید و اتباع میں، زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کے لیے مبلغین کی جماعتیں تشکیل دیں۔

نور احمد خاں فریدی لکھتے ہیں:

حضرت شیخ الاسلام نے اپنی خانقاہِ عالیہ کے پہلو میں ایک علمی، دینی اور صوفیانہ درس گاہ کی بنیاد رکھی، جس کے دو شعبے تھے: ایک علماء پیدا کرتا تھا، دوسرا مبلغین۔ مبلغین کے لیے ضروری تھا کہ جس ملک میں انھیں بھیجا جائے، انھیں وہاں کی زبان اور ثقافت سے پوری واقفیت ہو، تاکہ وہ وہاں پہنچ کر اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہ کریں۔ اس لیے آپ نے ہر ملک سے ایک ایک فاضل عالم طلب کر کے اپنی درس گاہ میں ملازم رکھا۔ اسے معقول تنخواہ اور رہائش کا تسلی بخش انتظام فرمایا۔

جب علماء فارغ التحصیل ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ ایک ایک کو الگ الگ بلا کر پوچھتے کہ کیا تم فی سبیل اللہ تبلیغ کرنے کو تیار ہو؟ اس طرح کافی نوجوان ازخود اپنے آپ کو اس مقصد کے لیے پیش کرتے تھے، جو جس ملک میں جانا چاہتا، وہ اسی کمرے میں اس علاقے کی زبان اور ثقافت کی تعلیم حاصل کرتا۔ دو سال کے بعد شیخ الاسلام اس مبلغ کے استاد محترم کو پانچ ہزار اشرفی عنایت کرتے کہ شہر سے اس ملک کے لیے مفید اور ضروری سامان خرید کر کے ایک کشتی میں ترتیب دو اور پھر یہ جہاز اپنی دعاؤں کے سائے میں منزلِ مقصود کو روانہ فرماتے۔ چلتے وقت مبلغ کو ہدایت فرماتے:

- سامان کم منافع پر فروخت کرنا۔
- لین دین میں اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھنا۔
- ناقص چیزوں کو فروخت نہ کرنا، بلکہ فقراء اور مساکین کو مفت دے دینا۔
- خریداروں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔
- جب تک لوگوں کا اعتماد حاصل نہ ہو، ان پر اسلام پیش نہ کرنا۔

اس طرح یہ علماءِ ربانیین سوداگروں کے لباس میں کشتیوں پر سامان تجارت لاد کر روانہ ہوتے اور جاوا، سماٹرا، فلپائن اور چین تک پہنچ کر دکانیں کھولتے اور دیانت داری سے لین دین کرتے اور ساتھ ہی لوگوں پر اسلام پیش کرتے، جس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلتا اور لوگ ان کے حسن اخلاق، ان کی خدا ترسی، دین داری، دیانت داری اور معاملات میں صفائی ستھرائی دیکھ کر گرویدہ ہو جاتے اور بالآخر اسلام قبول کر لیتے۔ آج مشرقِ بعید کے چھوٹے چھوٹے جزیروں میں جو کروڑوں مسلمان نظر آتے ہیں، انھی تاجر مبلغین کی سعی مشکور کا نتیجہ ہیں'' ---[۱۸]

اس درس گاہ سے تیار علماء اندرون ملک بھی تبلیغ کے لیے بھیجے جاتے تھے:

''(حضرت شیخ الاسلام نے) سلسلہ سہروردیہ کا ایک بہت بڑا مرکز قائم کیا، یہاں سے مبلغین اور واعظین کی جماعتوں کو سندھ، پنجاب، مکران، کشمیر اور دہلی بھیجا'' ---[۱۹]

سب کتابوں میں حضرت کے وسیع دستر خوان اور مہمان نوازی کا خصوصی ذکر ملتا ہے۔ نور احمد خاں فریدی کی ''تاریخ ملتان'' کے حوالے سے پروفیسر محمد سعید نے لکھا:

''حضرت بہاء الدین زکریا کے لنگر خانے سے صبح و شام کھانے کے علاوہ

مسافروں کوزادِراہ اور منزل پر پہنچانے کے لیے گھوڑا بھی عطا کیا جاتا تھا''---[۲۰]

اگرچہ تمام صوفیہ، تمام اولیاءاللہ، بزرگان دین رحمہم اللہ تعالیٰ اپنی شخصیت کی پاکیزگی کے ساتھ، گفتار وکردار کے ذریعے، اپنے حسنِ سلوک سے، علو اخلاق کے بل پر خلقِ خدا کو اپنی طرف کھینچ کر خدائے وحدہ لاشریک کے قریب کرتے رہے۔ انھیں اپنے آس پڑوس والوں کے ساتھ، ملنے جلنے والوں سے، قرب وجوار کے باسیوں سے محبت، اخلاص، پیار اور احسان کے ساتھ رہنے اور زندگی گزارنے کی تلقین بھی فرماتے رہے اور اپنے عمل سے اس کی اہمیت وافادیت واضح بھی کرتے رہے، لیکن شیخ الاسلام غوثِ عالم حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خالق و مالک نے اپنے دوسرے دوستوں سے زیادہ دنیوی جاہ و مال عطا کر کے انھیں سماجی بہبود کے زیادہ مواقع مہیا فرمائے اور حضرت نے اپنے ربّ قدوس وکریم کی خوشنودی کے لیے، اپنے شیخ حضرت سیدنا شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ کی ہدایت اور روحانی رہنمائی میں سماجی بہبود کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ نور اللہ مرقدہ

حوالہ جات

۱- میمن عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر، شہباز قلندر (مترجم سید معراج نیر) مکتبہ عالیہ لاہور، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۹۵ء، صفحہ ۴۰، ۴۲

۲- عاصم نعمانی (مرتب)، تصوف اور تعمیر سیرت (مولانا مودودی، تحریروں کی روشنی میں)۔ اسلامک پبلی کیشنز، لاہور۔ تیسری اشاعت، نومبر ۱۹۸۰ء، صفحہ ۱۰۳

۳- عبدالرحمٰن خان منشی، تاریخ ملتان۔ عالمی ادارۂ اشاعت علوم اسلامیہ، ملتان۔ دسمبر ۲۰۰۰ء، صفحہ ۲۲۶

۴- شہاب الدین سہروردی، عمر بن محمد۔ عوارف المعارف (مترجم حافظ سید رشید احمد ارشد) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ اشاعت دوم، ۱۹۷۷ء، صفحہ ۱۹

۵- محمد اسحٰق قریشی ڈاکٹر، تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک۔ محی الدین اسلامی یونی ورسٹی، نیریاں شریف (تراڑکھل) آزاد کشمیر۔ مئی ۲۰۰۰ء، صفحہ ۲۹۶ (پروفیسر محمد سعید کا مضمون ''صوفیائے کرام کا طریق دعوت، تاریخی تناظر میں'')

۶- حمید اللہ شاہ ہاشمی۔ احوال وآثارِ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی۔ تصوف فاؤنڈیشن لاہور،

۲۰۰۰ء، صفحہ ۹۲

۷- نور احمد خاں فریدی۔ تذکرۂ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی۔ علماء اکیڈمی شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب لاہور۔ طبع دوم، جون ۲۰۰۲ء، صفحہ ۴۶

۸- انتظام اللہ شہابی، مفتی۔ اسوۃ الصالحین یعنی تذکرۃ العالمین۔ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، نومبر ۱۹۶۳ء، صفحہ ۲۶۹

۹- سیارہ ڈائجسٹ (ماہنامہ) لاہور، اولیاء کرام نمبر، جلد دوم، دسمبر ۱۹۸۲ء، صفحہ ۳۲

۱۰- قاسم محمود سید۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ شاہکار فاؤنڈیشن کراچی، ۱۹۸۴ء، صفحہ ۳۸۴

۱۱- امیر حسن علاء سجزی معروف بہ خواجہ حسن دہلوی (مرتب) فوائد الفواد: ملفوظات حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء (ترجمہ از پروفیسر محمد سرور)، علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب لاہور

۱۲- احوال و آثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، صفحہ ۸۱/ اسلامی انسائیکلوپیڈیا، صفحہ ۳۸۴

۱۳- احوال و آثار حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، صفحہ ۸۰/ سیارہ ڈائجسٹ، اولیاء کرام نمبر، جلد دوم، صفحہ ۳۴/ گل خنداں (ماہنامہ لاہور، بزرگان دین نمبر، اکتوبر ۱۹۶۲ء، صفحہ ۸۹، ۹۰)

۱۴- ظہور الحسن شارب ڈاکٹر۔ خم خانہ تصور، ٹریڈ سنٹر لاہور، بار دوم ۱۹۸۸ء، صفحہ ۶۷، ۶۸/ علی محمد مظاہری (مرتب) بزرگان دین، الفیصل ناشران لاہور، پہلا ایڈیشن جون ۱۹۸۹ء، صفحہ ۱۳۰

۱۵- تذکرۂ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، صفحہ ۸۵، ۸۶

۱۶- سیارہ ڈائجسٹ، اولیاء کرام نمبر، جلد دوم، صفحہ ۳۰

۱۷- تذکرہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، طبع اوّل، مئی ۱۹۸۰ء، صفحہ ۸۶/ طبع دوم ۲۰۰۲ء، صفحہ ۶۸، ۶۹

۱۸- ایضاً، طبع دوم، صفحہ ۶۴، ۶۵/ آستانہ (ماہنامہ) کراچی، ارشاد قاضی کا مضمون، صفحہ ۱۹

۱۹- محمد ابراہیم فریدی، مفتی، تذکارِ مطیب، ناشر ڈاکٹر قاسم رضا فریدی سالم میاں، کراچی، بار اوّل ۱۴۱۵ھ، صفحہ ۱۲۶

۲۰- تصوف: تلاش احسن کی ہمہ گیر تحریک، صفحہ ۲۹۳



اظہار تشکر و امتنان

محترم المقام حضرت صاحب زادہ محمد محبّ اللہ نوری زید مجدہ جانشین حضرت فقیہ اعظم عالم نبیل و مفتی جلیل، محرم اسرار شریعت و رموز طریقت محمد نور اللہ نعیمی قدس سرہ العزیز کے مکتوب گرامی مورخہ ۵؍ جنوری ۲۰۰۸ء کی فرحت بخش وصولی پر:

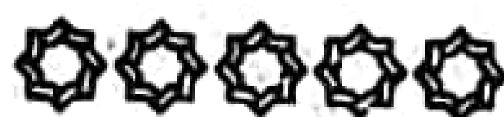
ع: عنایتے کہ تو داری بمن، بیانی نیست

پا کے مکتوبِ محب اللہ نوری، یوں کہوں
فیضِ حضرتِ مفتیٔ اعظم کی یہ ترسیل ہے
خدمتِ دینِ محمد مصطفیٰ ﷺ جو اس نے کی
منزلِ علم و فقاہت کا وہ سنگِ میل ہے
دجلہ اسرار و معارف کا، زبانِ حق بیاں
خامۂ عنبر شامہ، آگہی کا نیل ہے

●●●

جانشیں ہے وہ گرامی قدر نور اللہ کا
عکسِ حسن اس کا ہے، جو تحریر و قال و قیل ہے
اس کی نورانی توجہات مرکوز اس پہ ہیں
صعب راہ حق میں، نوری کے لیے تسہیل ہے
دین کا خدمت گزار، اپنے بزرگوں کی طرح
مصطفیٰ ﷺ کا دین جو ناقابلِ تبدیل ہے
حضرتِ حسان رضی اللہ عنہ جو لکھتے تھے، لکھتا ہے وہ بھی
اس کے لب پر بھی ہے وہ، جو نغمۂ جبریل علیہ السلام ہے
میں نے ان اشعار میں کہنا تھا جو کچھ کہہ دیا
یہ مرا اجمال ہی اے دیدہ ور، تفصیل ہے

"طالب فیض جمیل محمد نور اللہ" (۱۴۲۹ھ)
محمد عبد القیوم طارق سلطان پوری



تذکرہ امام احمد رضا

مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی

میرے آقا اعلیٰ حضرت، اِمامِ اہلِ سنت، ولیٔ نعمت، عظیم البرکت، عظیم المرتبت، پروانۂ شمعِ رِسالت، مجددِ دین وملت، حامیٔ سنت، ماحیٔ بدعت، عالم شریعت، پیر طریقت، باعث خیر و برکت، حضرتِ علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام اَحمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی ولادت باسعادت بریلی شریف کے محلّہ جسولی میں ۱۰ ارشوال المکرم ۱۲۷۲ھ، بروز ہفتہ، بوقت ظہر، مطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ءکوہوئی۔ سن پیدائش کے اعتبار سے آپ کا تاریخی نام ''المختار،، (۱۲۷۲ھ) ہے۔

[حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد۱، صفحہ ۵۸، مکتبۃ المدینہ، بابُ المدینہ کراچی]

آپ کا نام مبارک محمد ہے اور آپ کے دادا نے احمد رضا کہہ کر پکارا اور اسی نام سے مشہور ہوئے۔ [الملفوظ، حصہ اوّل، صفحہ ۳، مشتاق بک کارنر، مرکز الاولیاء لاہور]

بچپن کی ایک حکایت

حضرت جناب سید ایوب علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بچپن میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو گھر پر ایک مولوی صاحب قرانِ مجید پڑھانے آیا کرتے تھے، ایک روز کا ذِکر ہے کہ مولوی صاحب کسی آیۂ کریمہ میں بار بار ایک لفظ آپ کو بتاتے تھے، مگر آپ کی زبانِ مبارک سے نہیں نکلتا تھا۔ وہ ''زبر'' بتاتے تھے، آپ ''زیر'' پڑھتے تھے۔ یہ کیفیت جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کے دادا جان حضرت مولانا رضا علی خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیکھی تو حضور کو اپنے پاس بلایا اور کلامِ پاک منگوا کر دیکھا تو اس میں کاتب نے غلطی سے زیر کی جگہ زبر لکھ دیا تھا، یعنی جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبان سے نکلتا تھا، وہ صحیح تھا۔ آپ کے دادا نے پوچھا کہ بیٹے جس طرح مولوی صاحب پڑھاتے تھے تم اسی طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کی، میں ارادہ کرتا تھا مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔ اس قسم کے واقعات مولوی صاحب کو بارہا پیش آئے تو ایک مرتبہ تنہائی میں مولوی صاحب نے پوچھا، صاحبزادے! سچ سچ بتا دو، میں کسی سے کہوں گا نہیں، تم انسان ہو یا جن؟ آپ نے فرمایا، اللہ کا شکر ہے کہ میں انسان ہی ہوں۔ ہاں اللہ عزوجل کا فضل و کرم شامل حال ہے [حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، صفحہ ۶۸] بچپن ہی سے نہایت نیک طبیعت واقع ہوئے تھے۔

پہلا فتویٰ

میرے آقا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صرف تیرہ سال دس ماہ چار دن کی عمر میں تمام مروّجہ علوم کی تکمیل اپنے والد ماجد رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان علیہ رحمۃ المنان سے کر کے سند فراغت حاصل کر لی۔ اسی دن آپ نے ایک سوال کے جواب میں پہلا فتویٰ تحریر فرمایا تھا۔ فتویٰ صحیح پا کر آپ کے والد ماجد نے مسند اِفتاء آپ کے سپرد کر دی اور آخر وقت تک فتاویٰ تحریر فرماتے رہے۔ [حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، صفحہ ۲۷۹]

اعلیٰ حضرت کی ریاضی دانی

اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بے اندازہ علومِ جلیلہ سے نوازا تھا۔ آپ نے کم و بیش پچاس علوم میں قلم اٹھایا اور قابل قدر کتب تصنیف فرمائیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ہر فن میں کافی دسترس حاصل تھی۔ علم توقیت (تَو قِی ت) میں اس قدر کمال حاصل تھا کہ دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر گھڑی ملا لیتے، وقت بالکل صحیح ہوتا اور کبھی ایک منٹ کا بھی فرق نہ ہوا۔ علم ریاضی میں آپ یگانہ روزگار تھے۔ چناں چہ علی گڑھ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین جو کہ ریاضی میں غیر ملکی ڈگریاں اور تمغہ جات حاصل کیے ہوئے تھے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ریاضی کا ایک مسئلہ پوچھنے آئے۔ ارشاد ہوا، فرمایئے! انہوں نے کہا، وہ ایسا مسئلہ نہیں جسے اتنی آسانی سے عرض کروں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، کچھ تو فرمایئے۔ وائس چانسلر صاحب نے سوال پیش کیا تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُسی وقت اس کا تشفی بخش جواب دے دیا۔ انہوں نے انتہائی حیرت سے کہا کہ میں اس مسئلہ کے لیے جرمن جانا چاہتا تھا، اتفاقاً ہمارے دینیات کے پروفیسر مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری راہنمائی فرمائی اور میں یہاں

حاضر ہو گیا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ اِسی مسئلہ کو کتاب میں دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب بصد فرحت ومسرت واپس تشریف لے گئے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت سے اِس قدر متاثر ہوئے کہ داڑھی رکھ لی اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہو گئے [حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، صفحہ ۲۲۳، ۲۲۸]
علاوہ ازیں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علم تکسیر، علم ہیئت، علم جفر وغیرہ میں بھی کافی مہارت رکھتے تھے۔

حیرت انگیز قوّتِ حافظہ

حضرت ابوحامد سید محمد محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تکمیل جواب کے لیے جزئیاتِ فقہ کی تلاشی میں جو لوگ تھک جاتے وہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں عرض کرتے اور حوالہ جات طلب کرتے تو اُسی وقت آپ فرمادیتے کہ رَدالمحتار، جلد فلاں کے فلاں صفحہ پر فلاں سطر میں ان الفاظ کے ساتھ جزئیہ موجود ہے، دُرمختار کے فلاں صفحے پر فلاں سطر میں عبارت یہ ہے، عالم گیری میں بقید جلد وصفحہ وسطر یہ الفاظ موجود ہیں، ہندیہ میں، خیریہ میں، مبسوط میں، ایک ایک کتاب فقہ کی اصل عبارت مع صفحہ وسطر بتادیتے اور جب کتابوں میں دیکھا جاتا تو وہی صفحہ وسطر وعبارت پاتے، جو زبانِ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تھا۔ اِس کو ہم زِیادہ سے زِیادہ یہی کہہ سکتے ہیں کہ خداداد قوتِ حافظہ سے چودہ سو سال کی کتابیں حفظ تھیں۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، صفحہ ۲۱۰]

صرف ایک ماہ میں حفظ قرآن

حضرت جناب سید ایوب علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ ایک روز اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ بعض ناواقف حضرات میرے نام کے آگے حافظ لکھ دیا کرتے ہیں، حالاں کہ میں اس لقب کا اہل نہیں ہوں۔ سید ایوب علی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی روز سے دور شروع کر دیا، جس کا وقت غالباً عشاء کا وضو فرمانے کے بعد سے جماعت قائم ہونے تک مخصوص تھا۔ روزانہ ایک پارہ یاد فرمالیا کرتے تھے، یہاں تک کہ تیسویں روز تیسواں پارہ یاد فرمالیا۔ ایک موقع پر فرمایا کہ میں نے کلام پاک بالترتیب بکوشش یاد کر لیا اور یہ اِس لیے کہ ان بندگانِ خدا کا (جو میرے نام کے آگے حافظ لکھ دیا کرتے ہیں) کہنا غلط ثابت نہ ہو۔ [حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد ا، صفحہ ۲۰۸]

عشقِ رسول صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سراپا عشق رسول ﷺ کا نمونہ تھے، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نعتیہ کلام (حدائق بخشش شریف) اس امر کا شاہد ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نوکِ قلم بلکہ گہرائی قلب

سے نکلا ہوا ہر مصرعہ آپ کی سرورِ عالم ﷺ سے بے پایاں عقیدت ومحبت کی شہادت دیتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کبھی کسی دُنیوی تاجدار کی خوشامد کے لیے قصیدہ نہیں لکھا، اس لیے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور تاجدارِ رسالت ﷺ کی اطاعت وغلامی کو دل وجان سے قبول کرلیا تھا۔ اس کا اظہار آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شعر میں اِس طرح فرمایا:

انہیں جانا ، انہیں مانا ، نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

حُکام کی خوشامد سے اجتناب

ایک مرتبہ ریاست نان پارہ (ضلع بہرائچ یوپی) کے نواب کی مدح میں شعراء نے قصائد لکھے۔ کچھ لوگوں نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی گزارش کی کہ حضرت آپ بھی نواب صاحب کی مدح میں کوئی قصیدہ لکھ دیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں ایک نعت شریف لکھی، جس کا مطلع (غزل یا قصیدہ کے شروع کا شعر، جس کے دونوں مصرعوں میں قافیے ہوں، وہ مطلع کہلاتا ہے) یہ ہے:

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص ، جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اور مقطع (غزل یا قصیدے کا آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص ہو، وہ مقطع کہلاتا ہے) میں ''نان پارہ'' کی بندش کتنے لطیف اشارہ میں ادا کرتے ہیں:

کروں مدح اہلِ دول رضا، پڑے اِس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، مرا دین ''پارۂ ناں'' نہیں

فرماتے ہیں کہ میں اہلِ ثروت کی مدح سرائی کیوں کروں؟ میں تو اپنے کریم اور سرورِ عالم ﷺ کے در کا فقیر ہوں۔ میرا دین ''پارۂ نان'' نہیں۔ ''نان'' کا معنی روٹی اور ''پارہ'' یعنی ٹکڑا۔ مطلب یہ کہ میرا دین روٹی کا ٹکڑا نہیں ہے، جس کے لیے مال داروں کی خوشامدیں کرتا پھروں۔ الحمدللہ عزوجل میں دنیا کے تاجداروں کے ہاتھ بکنے والا نہیں ہوں۔

بیداری میں دیدارِ مصطفیٰ

جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسری بار حج کے لیے تشریف لے گئے تو زیارتِ نبی رحمت ﷺ کی آرزو لیے روضۂ اطہر کے سامنے دیر تک صلوٰۃ وسلام پڑھتے رہے، مگر پہلی رات قسمت میں یہ سعادت نہ تھی۔ اِس موقع پر وہ معروف نعتیہ غزل لکھی، جس کے مطلع میں دامن رحمت سے

وابستگی کی اُمید دکھائی ہے:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

لیکن مقطع میں مذکورہ واقعہ کی یاس انگیز کیفیت کے پیش نظر اپنی بے مائیگی کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے شیدا ہزار پھرتے ہیں

(اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مصرعِ ثانی میں بطورِ عاجزی اپنے لیے "کتے" کا لفظ استعمال فرمایا ہے، مگر سگِ مدینہ عفی عنہ نے ادباً یہاں "شیدا" لکھ دیا ہے) یہ غزل عرض کر کے دیدار کے انتظار میں مودب بیٹھے ہوئے تھے کہ قسمت جاگ اٹھی اور چشمانِ سر سے بیداری میں زیارتِ حضورِ اقدس ﷺ سے مشرف ہوئے۔[حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد۱، صفحہ۹۲]

سبحان اللہ عزوجل! قربان جائیے ان آنکھوں پر کہ جنہوں نے عالم بیداری میں محبوبِ خدا ﷺ کا دیدار کیا۔ کیوں نہ ہو کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اندر عشق رسول کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور آپ "فنافی الرسول" کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ آپ کا نعتیہ کلام اس اُمر کا شاہد ہے۔

سیرت کی جھلکیاں

آپ فرمایا کرتے اگر کوئی میرے دل کے دو ٹکڑے کر دے تو ایک پر لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ اور دوسرے پر مُـحَـمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لکھا ہوا پائے گا[سوانح امام احمد رضا، صفحہ ۹۶، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر]

تاجدارِ اہل سنت، شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہ رحمۃ الحنان "سامانِ بخشش" میں فرماتے ہیں:

خدا ایک پر ہو تو اِک پر محمد
اگر قلب اپنا دو پارہ کروں میں

مشائخ زمانہ کی نظروں میں آپ واقعی فنافی الرسول تھے۔ اکثر فراقِ مصطفیٰ ﷺ میں غم گین رہتے اور سرد آہیں بھرتے رہتے۔ پیشہ وَر گستاخوں کی گستاخانہ عبارات کو دیکھتے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی اور پیارے مصطفیٰ ﷺ کی حمایت میں گستاخوں کا سختی سے رد کرتے تا کہ وہ جھنجھلا کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو برا کہنا اور لکھنا شروع کر دیں۔ آپ اکثر اس پر فخر کیا کرتے کہ باری تعالیٰ نے اِس دَور میں مجھے ناموسِ رسالت مآب ﷺ کے لیے ڈھال بنایا ہے۔ طریق استعمال یہ ہے کہ بدگویوں کا سختی اور تیز کلامی سے رد کرتا ہوں کہ اس طرح وہ مجھے برا بھلا

کہنے میں مصروف ہو جائیں۔ اُس وَقت تک کے لیے آقائے دو جہاں ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے سے بچے رہیں گے۔

حدائق بخشش شریف میں فرماتے ہیں۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا، نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا، کروں کیا کروڑوں جہاں نہیں

غرباء کو کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے تھے، ہمیشہ غریبوں کی امداد کرتے رہتے۔ بلکہ آخری وَقت بھی عزیز و اقارِب کو وصیت کی کہ غرباء کا خاص خیال رکھنا، ان کو خاطر داری سے اچھے اچھے اور لذیذ کھانے اپنے گھر سے کھلایا کرنا اور کسی غریب کو مطلق نہ جھڑکنا۔

آپ اکثر تصنیف و تالیف میں لگے رہتے۔ نماز ساری عمر باجماعت ادا کی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خوراک بہت کم تھی [حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، صفحہ ۹۶] اور روزانہ ڈیڑھ دو گھنٹہ سے زیادہ نہ سوتے۔

سونے کا منفرد انداز

سوتے وَقت ہاتھ کے انگوٹھے کو شہادت کی انگلی پر رکھ لیتے تاکہ انگلیوں سے لفظ ''اللہ'' بن جائے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پیر پھیلا کر کبھی نہ سوتے بلکہ داہنی کروٹ لیٹ کر دونوں ہاتھوں کو ملا کر سر کے نیچے رکھ لیتے اور پاؤں مبارک سمیٹ لیتے۔ اس طرح جسم سے لفظ محمد بن جاتا۔ [حیات اعلیٰ حضرت، جلد ۱، صفحہ ۹۹] یہ ہیں اللہ کے چاہنے والوں اور رسولِ پاک ﷺ کے سچے عاشقوں کی ادائیں۔

تصانیف

آپ نے مختلف عنوانات پر کم و بیش ایک ہزار کتابیں لکھی ہیں۔ یوں تو آپ نے ۱۲۸۶ھ سے ۱۳۴۰ھ تک لاکھوں فتوے لکھے، لیکن افسوس کہ سب کو نقل نہ کیا جاسکا، جو نقل کر لیے گئے تھے ان کا نام ''العطایا النبویه فی الفتاوی الرضویه'' رکھا گیا۔ فتاویٰ رضویہ (جدید) کی 30 جلدیں ہیں، جن کے کل صفحات 21656، کل سوالات و جوابات 6847 اور کل رسائل 206 ہیں [فتاویٰ رضویہ (جدید)، جلد ۳۰، صفحہ ۱۰، رضا فاؤنڈیشن مرکز الاولیاء لاہور] ہر فتوے میں دلائل کا سمندر موجزن ہے۔ قرآن و حدیث، فقہ، منطق اور کلام وغیرہ میں آپ کی وسعت نظری کا اندازہ آپ کے فتاویٰ کے مطالعے سے ہی ہو سکتا ہے۔

تَرجمۂ قرآن شریف

آپ نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا جو اردو کے موجودہ تراجم میں سب پر فائق ہے۔

[سوانح امام احمد رضا، صفحہ ۳۷۴]

آپ کے ترجمہ کا نام ''کنزالایمان'' ہے، جس پر آپ کے خلیفہ حضرت صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حاشیہ لکھا ہے۔

وفاتِ حسرت آیات

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی وفات سے چار ماہ بائیس دن پہلے خود اپنے وصال کی خبر دے کر ایک آیت قرآنی سے سالِ وفات کا استخراج فرمایا تھا۔ وہ آیت مبارکہ یہ ہے:

﴿وَ یُطَافُ عَلَیْھِمْ بِاٰنِیَۃٍ مِّنْ فِضَّۃٍ وَّ اَکْوَابٍ﴾ --- [پارہ ۲۹، الدھر: ۱۵]

ترجمہ کنزالایمان: ''اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا''۔---

[سوانح امام احمد رضا، صفحہ ۳۸۴، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر]

۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ، مطابق ۱۹۲۱ء کو جمعۃ المبارک کے دن ہندوستان کے وقت کے مطابق ۲ بج کر ۳۸ منٹ پر، عین اذان کے وقت، اِدھر مؤذن نے حی علی الفلاح کہا اور اِدھر اِمامِ اہل سنت، حضرتِ علامہ مولانا الحاج الحافظ القاری الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن نے داعیٔ اَجل کو لبیک کہا۔ انا للّٰہ وانا الیہ رٰجعون

آپ کا مزار پرانوار بریلی شریف میں آج بھی زیارت گاہ خاص وعام بنا ہوا ہے۔

دربار رسالت میں انتظار

۲۵ صفر المظفر کو بیت المقدس میں ایک شامی بزرگ نے خواب میں اپنے آپ کو دربار رسالت ﷺ میں پایا، صحابہ کرام علیہم الرضوان اور اولیائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ دربار میں حاضر تھے، لیکن مجلس میں سکوت طاری تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے۔ شامی بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کی، حضور! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کس کا انتظار ہے؟ سیّد عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ہمیں احمد رضا کا انتظار ہے۔ شامی بزرگ نے عرض کی، حضور! احمد رضا کون ہیں؟ ارشاد ہوا، ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد وہ شامی بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مولانا احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تلاش میں ہندوستان کی طرف چل پڑے اور جب وہ بریلی شریف آئے تو انہیں معلوم ہوا کہ اس عاشق رسول کا اسی روز (یعنی ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ) کو وصال ہو چکا ہے۔ جس روز اُنہوں نے خواب میں سرورِ کائنات ﷺ کو یہ کہتے سنا تھا کہ ''ہمیں احمد رضا کا انتظار ہے'' [سوانح امام احمد رضا، صفحہ ۳۹۱]

یا الٰہی جب رضا خوابِ گراں سے سر اُٹھائے
دولتِ بیدارِ عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو



رفتید ولے نہ از دل ما

قطعہ تاریخ (سال وصال)

امام اہل سنت عظیم البرکت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان القادری البریلوی

سال وصال: ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء

۸۹ ویں عرس مبارک (۲۵ رصفر المظفر ۱۴۲۹ھ) کے مبارک موقع کی مناسبت سے

عارف و عاشقِ حبیبِ الٰہ — دیدہ ور، صاحبِ دلِ آگاہ
فقر و عرفان میں بلند مقام — علم و فضل و ہنر میں عالی جاہ
جاں نثارانِ شاہِ دیں کا امام — عاشقانِ نبی کا میرِ سپاہ
خسروِ کشورِ ثنا لاریب — مدحت و نعت کے جہان کا شاہ
مرشدِ روزگار و شیخِ جہاں — وہ خود آگاہ، وہ خدا آگاہ
فہم اسرارِ دیں میں تھا بے مثل — غائر و دور رس تھی اس کی نگاہ
تھا خصوصی خدا کا اس پہ کرم — اس کی صدہا کتب ہیں اس پہ گواہ
اس نے عشقِ نبی کا درس دیا — اور کوئی نہیں فلاح کی راہ
مصطفیٰ ﷺ کی ذرا سی بے ادبی — اس سے بڑھ کر نہیں ہے کوئی گناہ

عاشقِ مصطفیٰ کا سالِ وصال
"نَوَّرَ اللّٰہُ قَبْرَہٗ و ثراہ"
۱۳۴۰ھ

"نغمۂ جبریل"
۱۳۴۰ھ

"غارت گرِ بامِ نجد"
۱۹۲۱ء

"طالبِ فیضِ لازوالِ رضا" (۲۰۰۸ء)
محمد عبدالقیوم طارق سلطان پوری



اولیاءاللہ

مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی

اس دنیا کا عجیب حال ہے، جس طرف نظر اٹھا کر دیکھیے، خوف ہی خوف کا عالم ہے۔ ہر طرف ڈر ہی ڈر کا دور دورہ ہے۔ اونچے اونچے سر بہ فلک پہاڑ اگرچہ فخر کے ساتھ سینہ تانے کھڑے ہیں اور اپنی پائے داری و سر بلندی پر نازاں ہیں مگر ہر وقت خوف و دہشت سے لرزاں و ترساں ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ کہیں کوئی سنگ تراش نہ آرہا ہو۔ ہرے بھرے تناور درخت اپنے پھولوں، پھلوں کی رعنائیوں کے ساتھ شاداب و شادماں نظر آرہے ہیں، مگر ان کا پتہ پتہ اس خوف سے ہر وقت لرزہ براندام ہے کہ کوئی کلہاڑی والا نہ آرہا ہو۔ زمین پر لہلہاتی ہوئی گھاس ڈر رہی ہے کہ کہیں چار پیروں والا نہ آجائے اور چار پیروں والا اس خوف سے بھاگا پھر رہا ہے کہ کہیں بسم اللہ، اللہ اکبر والا نہ آرہا ہو۔ آفتاب عالم اگرچہ پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے، مگر اس خوف سے اس کا چہرہ زرد ہے کہ کہیں گرہن نہ لگ جائے۔ ستارے مسکراتے ضرور ہیں مگر اس خوف سے کانپ رہے ہیں کہ کہیں صبح کا سپیدہ نمودار نہ ہو جائے۔ مختصر یہ کہ ہر کمزور طاقت ور سے ڈر رہا ہے۔

غرض اس دنیا میں جمادات ہوں یا نباتات، حیوانات ہوں یا فضائی کائنات، عالم اسفل ہو یا عالم اعلیٰ، زمین سے آسمان تک ہر طرف خوف ہی خوف کا راج اور ڈر ہی ڈر کا دور دورہ نظر آتا ہے، مگر اس ڈر اور خوف سے بھری ہوئی دنیا میں، اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر خدا کی ایسی مخلوق بھی آباد ہے، جس کو سارے عالم میں کسی کا خوف اور ڈر نہیں۔ وہ ہر جگہ، ہر دم اور ہر حال میں سارے جہان سے بے خوف اور بے غم ہیں۔ انھیں صرف خدا کا ڈر ہے اور ساری خدائی ان سے

ڈرتی ہے۔ یہ ساری خدائی سے بے ڈر اور صرف خدا سے ڈرنے والی مخلوق کون ہے؟ اور اس کا کیا نام ہے؟ خداوندِ عالم ﷻ کا ارشاد ہے:

﴿اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ o﴾---

اس مخلوق کا نام ''اولیاء اللہ'' ہے اور ان کی شان یہ ہے کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے، نہ انھیں کسی چیز کا غم ہے۔

قرآن کی اس آیت نے بتا دیا کہ ''اولیاء'' پر نہ کوئی خوف ہے، نہ ان کے لیے کوئی غم ہے۔ اس آیت میں دو لفظ ہیں، پہلا ''خوف'' اور دوسرا ''حزن''۔

اب ''خوف'' اور ''حزن'' کے معنی سمجھ لیجیے۔ دیکھیے! زمانہ آئندہ میں کوئی چیز ایسی ہونے والی ہو، جس سے انسان کے دل پر تکدر اور گھبراہٹ پیدا ہو، اس کو عربی زبان میں ''خوف'' اور اردو میں ''ڈر'' کہا جاتا ہے اور گزشتہ زمانے میں کوئی ایسی چیز فوت یا ضائع ہوگئی ہو، جس سے انسان کے قلب پر رنج و تکدر پیدا ہو جائے، اس کو عربی میں ''حزن'' کہتے ہیں، جس کا اردو میں ترجمہ ''رنج و غم'' ہے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

﴿لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ o﴾---

''ان (اولیاء اللہ) پر کوئی خوف بھی نہیں اور ان کے لیے کوئی غم بھی نہیں''---

اس کا مطلب یہ ہے کہ اولیاء کو نہ آنے والے زمانے میں کسی چیز کا ڈر ہے، نہ گزشتہ زمانے کا کوئی غم ہے، وہ بے خوف بھی ہیں اور بے غم بھی ہیں۔

اب اس مسئلہ پر ذرا تفصیل سے گفتگو کرنی ہے کہ آخر اولیاء کو دنیا میں کسی چیز کا خوف اور ڈر کیوں نہیں ہے؟

یہ علم النفس کا مسئلہ ہے کہ خوف اور ڈر اس کو لگتا ہے، جو کمزور ہو۔ جو طاقت ور ہو، وہ کبھی کسی سے نہیں ڈرتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اولیاء کمزور ہیں کہ طاقت ور، اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اولیاء اللہ ساری خدائی میں سب سے زیادہ طاقت ور ہیں تو پھر یہ مسئلہ آفتابِ عالم کی طرح روشن ہو جائے گا کہ بے شک اولیاء اللہ پر ہرگز کسی چیز کا خوف اور ڈر نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ایک حدیث سن لیجیے، حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ---

''اللہ ﷻ کا فرمان ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا، اس شخص کو

میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے"---

وَ مَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ---

"میرا بندہ میری کسی محبوب چیز کے ذریعے میرا اتنا قرب حاصل نہیں کر سکتا ہے جتنا کہ میرے فرائض کو ادا کر کے میرا قرب حاصل کر سکتا ہے"----

وَ مَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ---

"اور ہمیشہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں"---

فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ فَکُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَ رِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا وَ اِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَ لَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ رواہ البخاری---[مشکوٰۃ:۱۹۷]

"پھر میں جب اپنے بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں، تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے اور وہ اگر مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں ضرور ضرور ضرور اس کو عطا کرتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں ضرور ضرور ضرور اس کو پناہ دیتا ہوں"---

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ خداوندِ قدوس ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے محبوب بندوں کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں میں اپنی قدرت و طاقت کا ایک ایسا جلوہ عطا فرماتا ہوں کہ میرے محبوب بندوں کے کان، آنکھ اور ہاتھ، پاؤں سے ایسے ایسے کام ہونے لگتے ہیں کہ ان کی قدرت و طاقت کو دیکھ کر خدا کی قدرت و طاقت یاد آجاتی ہے۔

اب جن بندوں کے کان، آنکھ اور ہاتھ پاؤں میں خدا کی قدرت و طاقت کی جلوہ گری ہو، ان بندوں کی قدرت و طاقت اور ان کے تصرفات کا کیا کہنا؟ اب کون کہہ سکتا ہے کہ یہ بندے کمزور ہو سکتے ہیں۔ نہیں نہیں! بلکہ بلاشبہ یہ بندے جن کے اعضاء میں خدائی قدرت و طاقت کی توانائی جلوہ گر ہوتی ہے، یہ ساری خدائی میں ساری کائنات سے بڑھ کر طاقت ور ہوں گے اور جب یہ سب سے زیادہ طاقت ور ثابت ہوں گے اور جب یہ سب سے زیادہ طاقت ثابت ہوئے تو پھر ظاہر ہے کہ یہ کسی چیز سے نہیں ڈریں گے۔ اسی لیے خداوندِ عالم نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ﴾---

یعنی ساری کائنات میں کسی چیز کا بھی ان پر خوف اور ڈر نہیں ہے۔ کسی عارف باللہ نے کہا ہے:

خاصانِ خدا ، خدا نباشند
لیکن زِ خدا جدا نباشند

''اللہ والے خدا نہیں ہوتے، مگر یاد رکھو! کہ یہ خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے (بلکہ خدا کی نصرت و اعانت اور اس کی قدرت و طاقت ہر دم، ہر قدم پر ان بندوں کے ساتھ رہتی ہے)''---

یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ جمادات، نباتات، حیوانات کی ساری کائنات پر تصرف و حکومت کرتے ہیں، یہاں تک کہ عناصرِ اربعہ آگ، پانی، مٹی، ہوا، ہر چیز پر ان کی سلطنت و حکمرانی کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔

آگ پر حکومت

امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروقِ اعظم ﷛ کے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ ایک خوف ناک پہاڑی آگ نمودار ہوئی، آگ بڑھتی چلی آ رہی تھی اور بڑا خطرہ تھا کہ اس آگ سے ہزاروں بستیاں جل کر خاکستر ہو جائیں گی۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم ﷛ نے حضرت سیدنا ابو موسیٰ اشعری اور حضرت سیدنا تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی چادر عطا فرمائی اور حکم دیا:

''اُس آگ کو میری چادر دِکھا دو''---

چناں چہ جیسے ہی حضرت سیدنا فاروقِ اعظم ﷛ کی چادر مبارک اس آگ کے سامنے لائی گئی، آگ ایک دم سمٹ کر پہاڑ کے دامن میں چلی گئی، یہاں تک کہ پہاڑ کے غاروں میں غائب ہو گئی۔

[ازالۃ الخفاء، جلد۲، صفحہ۱۷۳]

ابو مسلم خولانی اور آگ

اسی طرح مشہور تابعی حضرت ابو مسلم خولانی ﷛، جو مسلم الثبوت حافظ الحدیث اور محدثِ کبیر بھی ہیں اور انتہائی متقی، پرہیز گار اور صاحبِ کرامت ولی بھی ہیں، ان کی مشہور کرامت ہے کہ اسود بن قیس نے جب یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا اور حضرت ابو مسلم خولانی ﷛ کو اپنی نبوت تسلیم کرنے پر مجبور کیا تو آپ نے نہایت حقارت کے ساتھ اس کو ٹھکرا دیا۔ اس ظالم نے زبردست آگ جلوائی اور جب آگ کے شعلے انتہائی بلند ہو گئے تو اس نے آپ کو آگ میں پھینک دیا۔ آپ آگ کے شعلوں پر کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے، ٹہلتے رہے۔ یہاں تک کہ آگ بجھ کر راکھ ہو گئی مگر آپ کے جسم تو کیا، بدن کے کپڑوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔

اسود بن قیس آپ کی یہ کرامت دیکھ کر حیران رہ گیا، بلکہ مارے دہشت کے لرزہ براندام ہو گیا اور آپ کو یمن سے نکال دیا اور آپ مدینہ منورہ چلے آئے۔ منقول ہے کہ جب امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے فرمایا:

''الحمد للہ! خداوند کریم نے مجھے اس وقت تک زندہ رکھا کہ میں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ایک ایسے شخص کا دیدار کر لیا، جو حضرت سیدنا ابرہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح آگ میں ڈالا گیا اور زندہ سلامت رہا'' ---[تهذيب التهذيب]

پانی پر حکومت

آگ کی طرح پانی پر بھی اولیاء اللہ کی حکمرانی دیکھنی ہو تو حضرت سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تاریخ پڑھ لیجیے۔ آپ کے دورِ خلافت میں مصر کا دریائے نیل خشک ہو گیا، مصری رعایا مصر کے گورنر حضرت سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فریاد لے کر حاضر ہوئی اور عرض کیا:

''اے امیر! ہمارا یہ دستور تھا کہ جب دریائے نیل خشک ہو جاتا تھا، تو ہم لوگ ایک خوب صورت کنواری لڑکی کو دریا میں زندہ درگور کر کے دریا کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے، اس کے بعد دریا جاری ہوا کرتا تھا، اب ہم کیا کریں؟'' ---

گورنر نے فرمایا:

''ارحم الراحمین اور رحمۃ للعالمین (عزوجل و صلی اللہ علیہ وسلم) کا رحمت بھرا دین ہرگز ہرگز ایسے ظالمانہ فعل کی اجازت نہیں دے سکتا۔ تم لوگ انتظار کرو، میں بارگاہِ خلافت میں عریضہ لکھتا ہوں، وہاں سے جو حکم ملے گا، اس پر عمل کیا جائے گا'' ---

چناں چہ گورنر کا قاصد مدینہ منورہ آیا اور دریائے نیل کے خشک ہونے کا حال سنایا۔ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ یہ خبر سن کر نہ گھبرائے، نہ پریشان ہوئے بلکہ نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ ایک ایسا تاریخی خط لکھا، جو تاریخ عالم میں بے مثل و بے مثال ہے۔ آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا:

اِلٰى نِيْلِ مِصْرَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، اَمَّا بَعْدُ! فَاِنْ كُنْتَ تَجْرِىْ بِنَفْسِكَ فَلَا حَاجَةَ لَنَا اِلَيْكَ وَ اِنْ كُنْتَ تَجْرِىْ بِاللّٰهِ فَاجْرِ عَلٰى اسْمِ اللّٰهِ---[ازالة الخفاء، جلد۲، صفحہ۱۶۶]

''یہ مصر کے دریائے نیل کے نام اللہ کے بندے عمر بن الخطاب کا خط ہے، اے دریائے نیل! اگر تو خود جاری ہوا کرتا تھا، تو ہم کو تیری کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر تو اللہ کے حکم سے جاری ہوتا تھا تو پھر اللہ کے نام پر جاری ہو جا'' ---

سیدنا امیر المؤمنین ﷺ نے اس خط کو لفافہ میں بند کر کے قاصد کو دیا اور فرمایا:

''اس کو دریائے نیل میں ڈال دیا جائے''---

فَلَمَّا اُلْقِیَ کِتَابُہٗ فِی النِّیْلِ جَرٰی وَ لَمْ یَعُدْ یَقِفُ---

''جوں ہی آپ کا خط دریائے نیل میں ڈالا گیا، فوراً دریا جاری ہو گیا اور پھر کبھی خشک نہیں ہوا''---

دریا میں اونٹ گھوڑے

اسی طرح امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابو حفص عمر فاروقِ اعظم ﷺ نے اپنے دورِ خلافت میں مدائنِ کسریٰ کی جانب ایک لشکر بھیجا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ اس لشکر کے امیر تھے اور حضرت خالد بن ولید ﷺ کمانڈر تھے، جب یہ لشکر دریائے دجلہ کے کنار پہنچا اور وہاں کوئی کشتی نہ ملی تو حضرت سعد اور حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں آگے بڑھے اور دریا کو مخاطب کر کے فرمایا:

یَا بَحْرُ! اِنَّکَ تَجْرِیْ بِاَمْرِ اللّٰہِ فَبِحُرْمَۃِ مُحَمَّدٍ ﷺ وَ بِعَدْلِ عُمَرَ خَلِیْفَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ اَلَّا خَلَّیْتَنَا وَ الْعُبُوْرَ فَعَبَرَ الْجَیْشُ بِخَیْلِہٖ وَ جِمَالِہٖ وَ رِحَالِہٖ اِلَی الْمَدَائِنِ وَ لَمْ تَبْتَلَّ حَوَافِرُھَا---[ازالۃ الخفاء، جلد۲، صفحہ۱۶۸]

''اے دریا! تو خدا کے حکم سے جاری ہے، ہم تجھے حضرت محمد ﷺ کی عزت اور رسول اللہ کے خلیفہ حضرت عمر کے عدل کا واسطہ دلاتے ہیں، تو کیوں نہ ہمیں دریا پار کرنے کے لیے راستہ دیتا ہے۔ چناں چہ یہ لشکر اپنے گھوڑوں، اونٹوں اور آدمیوں کے ساتھ دریا پار کر کے مدائن پہنچ گیا اور کسی جانور کا کھر بھی پانی سے تر نہیں ہوا''---

ظاہر ہوا کہ اولیاء اللہ پانی اور دریاؤں پر بھی حکومت فرماتے ہیں اور دریا بھی اللہ والوں کے تابع فرمان ہیں۔

زمین پر حکومت

اب یہ بھی سن لیجیے کہ اولیاء اللہ کی حکومت روئے زمین پر بھی ہے۔ چناں چہ علامہ عبد الوہاب سبکی نے طبقات الشافعیہ میں نقل فرمایا ہے کہ حضرت سیدنا فاروقِ اعظم ﷺ کی خلافت کے دور میں ایک مرتبہ شدید زلزلہ آیا اور زمین ہلنے لگی۔ امیر المؤمنین ﷺ کچھ دیر خدا کی حمد و ثنا کرتے رہے، مگر زلزلہ ختم نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ آپ کو جلال آ گیا اور آپ نے اپنا دُرّہ زمین پر مار کر فرمایا:

اَقِرِّیْ! اَلَمْ اَعْدِلْ عَلَیْکِ؟---

''اے زمین! ساکن ہو جا، کیا میں نے تیرے اوپر عدل نہیں کیا؟''---

فَاسْتَقَرَّتْ مِنْ وَقْتِهَا---[ازالة الخفاء، جلد۲، صفحہ۱۷۲]

''(یہ فرماتے ہی) فوراً زمین ساکن ہوگئی (اور زلزلہ ختم ہوگیا)''---

ہوا پر حکومت

آگ، پانی اور مٹی کی طرح ہوا پر بھی اولیاء اللہ کی حکومت ہے۔ غالباً آپ نے بارہا سنا ہوگا کہ حضرت سیدنا امیر المؤمنین فاروقِ اعظم ﷛ نے سیدنا حضرت ساریہ ﷛ کو ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر نہاوند کی سرزمین میں جہاد کے لیے بھیجا۔ حضرت سیدنا ساریہ ﷛ لشکرِ کفار کے ساتھ جہاد میں مصروف تھے، ایک دن حضرت سیدنا امیر المؤمنین ﷛ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل اچانک زور زور سے چلا چلا کر آپ نے فرمایا:

یَا سَارِیَ! اَلْجَبَلَ--- ''اے ساریہ! پہاڑ کی طرف اپنی پشت کرلو''---

حاضرینِ مسجد حیران رہ گئے کہ حضرت ساریہ ﷛ تو سرزمینِ نہاوند میں کفار سے جہاد فرما رہے ہیں، آج امیر المؤمنین ﷛ نے انھیں کیسے پکارا؟ پہاڑ کیسا اور پہاڑ کی طرف پشت کرنے کا کیا مطلب؟ سب لوگ متعجب اور حیران ہی تھے کہ نہاوند سے حضرت سیدنا ساریہ ﷛ کا قاصد آیا اور اس نے بتایا کہ جوں ہی دشمنوں سے ہمارا مقابلہ ہوا، ایک دم ہمیں شکست ہونے لگی:

فَاِذَا بِصَائِحٍ یَصِیْحُ یَا سَارِیَ الْجَبَلَ---

''ناگہاں ایک چیخنے والے کی آواز آئی، جو چلا چلا کر یہ کہہ رہا تھا کہ اے ساریہ! تم پہاڑ کی طرف اپنی پشت کرلو''---

چناں چہ ہم لوگوں نے جیسے ہی پہاڑ طرف پشت کر کے اپنی صف بندی کی، فوراً ہی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا:

فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی---[مشکوۃ، صفحہ۵۴۶]

''اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست دے دی''---

آواز کا پہنچانا ہوا کا کام ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ہواؤں کے تموج سے ایک کی آواز دوسرے کے کان میں پہنچتی ہے۔ حضرت سیدنا فاروقِ اعظم ﷛ نے بغیر کسی برقی قوت اور بغیر کسی ریڈیو اسٹیشن کے صرف زبان سے فرمادیا، مگر ہوا چوں کہ فاروقی سلطنت کے کنٹرول میں تھی، اس لیے ہوا نے آپ کی آواز کو مدینہ منورہ سے نہاوند تک پہنچا دیا اور حضرت سیدنا ساریہ ﷛ اور ان کی فوج نے اس آواز کو سن لیا اور آپ کی اس جنگی ہدایت پر عمل کر کے فتحِ مبین حاصل کرلی۔ بلاشبہ یہ واقعہ دلیل ہے کہ اولیاء اللہ کی حکومت ہوا پر بھی ہے۔

گویا آگ، پانی، زمین اور ہوا، ہر چیز پر اولیاء کی حکومت ہے۔ کون نہیں جانتا کہ آگ، پانی، مٹی، ہوا، یہ عناصرِ اربعہ کہلاتے ہیں، تمام کائناتِ ارضی اِنھیں چار عناصر سے بنی ہوئی ہے۔ جب چاروں عناصر پر اولیاء اللہ کی حکومت ہے تو ثابت ہوا کہ ان چار عناصر سے بنی ہوئی تمام چیزوں پر بھی اولیاء اللہ کی حکومت ہے۔

سبحان اللہ! سبحان اللہ! اولیائے کرام تمام جمادات، نباتات، حیوانات پر حکمران ہیں اور ہر چیز ان اللہ والوں کی محکوم اور فرماں بردار ہے، تو پھر بھلا اولیاء اللہ سے بڑھ کر طاقت وقدرت والا اس دنیا میں کون ہوسکتا ہے؟ اور جب اولیاء سب سے بڑھ کر طاقت ور ہوئے تو پھر کون سی چیز ایسی ہے کہ اولیاءِ کرام اُس سے ڈریں؟ تمام چیزیں تو خود اللہ والوں سے ڈر رہی ہیں، پھر بھلا اللہ والے کسی چیز سے کیوں کر ڈر سکتے ہیں؟ اس لیے حق جل مجدہٗ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ﴾--- ''ان (اولیاء) پر کوئی خوف نہیں''---

اور یہ اللہ والے اپنے خدا کے سوا ساری خدائی میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ اولیاء کی نگاہِ قہر سے پہاڑ لرزہ براندام ہوجاتے ہیں، دریاؤں کو اشارہ کردیں تو پورا لشکر دریاؤں کے اوپر آسانی سے گزر جائے اور کسی کا پاؤں بھی تر نہ ہو، جنگل کے خوف ناک شیر ان مقدس بندوں کی خدمت گزاری اور سواری میں کام آتے ہیں اور اولیاء اللہ کے خوف سے جنگل کا بادشاہ شیر لرزہ براندام رہتا ہے۔

حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ اور شیر

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ، جو مشہور محدث ہیں، ایک مرتبہ حج کے سفر میں ان کی حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوگئی۔ حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ بے پڑھے لکھے تھے، مگر بہت ہی باکرامت ولی تھے۔ دونوں ایک ساتھ سفر کرنے لگے، راستہ میں یہ دیکھا کہ ایک تنگ پہاڑی راستے پر ایک خطرناک شیر بیٹھا ہوا ہے اور تمام مسافروں کا راستہ روکے ہوئے ہے۔ پورے قافلے میں کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس شیر کو دور سے پتھر مار کر بھی ہٹادے۔ اتنے میں حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ نہایت بے خوفی اور انتہائی بے تکلفی کے ساتھ آگے بڑھے اور جاکر شیر کا کان پکڑ کر اُٹھادیا، تو شیر دُم ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے ساتھ چلنے لگا۔ [روح البیان، صفحہ ۳۲۳]

سچ فرمایا حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے:

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد زِ حکمِ تو ہیچ



حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ

سیرت و تعلیمات

علامہ ممتاز احمد چشتی

حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دینِ اسلام کی عظیم الشان خدمات اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے حوالے سے عالم گیر شہرت و مقبولیت رکھتے ہیں۔ ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کا نامِ نامی اسم گرامی آج بھی قلوب و اذہان میں مرکوز ہے۔ رشد و ہدایت کا یہ چراغ سرزمینِ افغانستان کے شہر غزنی میں روشن ہوا اور اپنی روشنی سے کفر و شرک کے اندھیروں کو ختم کر دیا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے اور آپ حسنی سادات میں جلیل القدر، نام ور شخصیت کے مالک ہیں۔

مشہور روایات کے مطابق آپ سنہ چار سو ہجری میں پیدا ہوئے، آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت علم فن کے مرکز، شہر غزنی میں ہوئی۔ ذوقِ طلب اور بلندیٔ ہمت کے پیشِ نظر غزنی کے ماہرینِ فنون سے علم حاصل کرنے کے بعد آپ نے مزید علم و معرفت کی طلب میں دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کیا۔ آپ کے حالاتِ زندگی سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے اکثر و بیشتر عرصۂ حیات طلبِ علم، ریاضت، مجاہدہ اور بزرگوں کی صحبت و معیت میں گزار دیا۔

آپ نے اپنے دور کے مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے علم و فقر کی طلب میں عراق، شام، لبنان، آذربائیجان، خراسان، کرمان، خوزستان، طبرستان، ترکستان اور ماوراء النہر کا سفر اختیار کیا۔ علم و فن

کے ساتھ ساتھ آپ نے ریاضت ومجاہدے میں خوب دل چسپی لی اور مختلف بزرگانِ دین سے کسبِ فیض کیا۔ جن بزرگوں کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور ان سے فیض حاصل کیا، ان میں آپ کے شیخ طریقت کے علاوہ حضرت ابوالقاسم علی بن عبد اللہ گورگانی، امام ابوالقاسم قشیری، حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر اور شیخ احمد حماد سرخسی خاص شہرت واہمیت رکھتے ہیں۔ علوم وفنون اور ریاضت ومجاہدہ کی تکمیل کے بعد آپ دینِ اسلام کی تبلیغ اور نشر واشاعت میں مصروف ہو گئے۔ آپ سے ہزاروں علماء ومشائخ نے فیض حاصل کیا اور لاکھوں کی تعداد میں عوام الناس نے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کا درس لیا۔

اسلامی تصوف اور طریقت میں آپ کی کتاب ''کشف المحجوب'' کو بڑی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کی اس کتاب کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور آپ کے بعد آنے والے مختلف سلاسل کے تمام بزرگوں نے آپ کی اس کتاب کو زبردست اہمیت دی ہے۔ اکثر وبیشتر بزرگوں کی تصانیف اور ملفوظات ومکتوبات میں ''کشف المحجوب'' کے حوالے پائے جاتے ہیں۔ بزرگانِ دین میں حضرت شیخ فریدالدین عطار، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ''کشف المحجوب'' کی بہت تعریف وتوصیف کی ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:

''کشف المحجوب مرشدِ کامل کے قائم مقام ہے۔ اگر کسی کو شیخِ کامل نہ مل سکے تو اس کتاب کے مطالعہ اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے اسے مقصودِ حقیقی حاصل ہو جائے گا''---

کشف المحجوب کے علاوہ آپ کی جن تصانیف کا تذکرہ کشف المحجوب میں ملتا ہے، ان میں کتابِ فنا وبقا، الرعایۃ بحقوقِ اللّٰہ، کتاب البیان لاھلِ العیان، منہاج الدین اور شرح کلامِ منصور حلاج شامل ہیں۔

آپ کی تعلیمات میں ملفوظات کو خاص اہمیت حاصل ہے، جن میں شریعت وطریقت کے بہت سے مسائل پائے جاتے ہیں۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''انسان کے لیے علم ظاہری اور باطنی دونوں کا حصول ضروری ہے۔ علم سے بے نیاز ہو کر تصوف کا حصول سخت مشکل ہے۔ سالک وہ ہے جو تنگی اور خوش حالی، ہر صورت میں احکامِ الٰہی پر عمل کرے اور کسی شیخِ کامل سے بیعت کرے''---

آپ خلوصِ نیت، عاجزی، تواضع اور خاموشی کے بارے میں تاکید فرماتے ہیں۔ فقر وتصوف

کے حصول کے لیے آپ سیر وسیاحت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حضرت علی ہجویری کا فرمان ہے:

''دس چیزیں، دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں:

توبہ گناہوں کو، جھوٹ رزق کو، غم عمر کو، غیبت نیک اعمال کو، صدقہ بلاؤں کو، غصہ عقل کو، پشیمانی سخاوت کو، تکبر علم کو، نیکی برائی کو اور عدل ظلم کو کھا جاتا ہے''۔۔۔

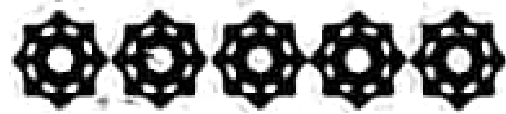
بہت سے ممالک کی سیر وسیاحت کے بعد آپ نے پنجاب کے شہر لاہور کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا اور اس شہر کو ''داتا کی نگری'' کا اعزاز عطا فرمایا۔ لاہور میں آپ نے علومِ ظاہری وباطنی کا فیضِ عام جاری فرمایا اور تبلیغ وارشاد کی مسند پر بیٹھ کر تشنگانِ علم ومعرفت کی پیاس بجھائی۔ دینِ اسلام کی عظیم الشان خدمات سرانجام دینے اور اسلامی تعلیمات کی عالم گیر نشر واشاعت کے بعد سنہ چار سو پینسٹھ ہجری میں شریعت کا یہ آفتاب اور طریقت کا یہ ماہ تاب نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کے مزار پر چلہ کیا اور آپ کی شان میں وہ شعر کہا جو آج تک اہلِ محبت کی زبان پر جاری وساری ہے:

گنج بخشِ فیضِ عالم ، مظہرِ نورِ خدا
ناقصاں را پیرِ کامل ، کاملاں را رہنما

آپ کے مزارِ اقدس پر ہر وقت خلقِ خدا کا ہجوم ہوتا ہے۔ تلاوتِ قرآنِ کریم، درود وسلام، نعت خوانی اور وعظ وتبلیغ کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور روحانی بہار کا سماں معلوم ہوتا ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال مرحوم نے آپ کی بارگاہ میں کچھ اس انداز سے خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

سیدِ ہجویر مخدومِ امم — مرقدِ اُو پیرِ سنجر را حرم
خاکِ پنجاب از دمِ اُو زندہ گشت — صبحِ ما از مہرِ اُو تابندہ گشت



رسول کریم ﷺ کی یاد میں

میں جو اِک برباد ہوں آباد رکھتا ہے مجھے
دیر تک اسمِ محمد ﷺ شاد رکھتا ہے مجھے

---منیر نیازی

نعت رسول مقبول ﷺ

اگرچہ شہرہ تجلائے بام طور کا ہے
کہاں وہ نور جو کاشانۂ حضور ﷺ کا ہے

ہے کون ان کا جو سمجھے مقام بشریت
شعور کس کو حبیب خدا ﷺ کے نور کا ہے

فقط بشر انہیں سمجھا اگر تو اپنی طرح
مغالطہ یہ ترے ذہنِ پُرفتور کا ہے

علیم کل کا جب ارشاد ہے ''وَ عَلَّمَکَ''
نہیں، اب علم انہیں کون سے امور کا ہے

چراغ آج جو روشن ہیں علم و حکمت کے
یہ سارا فیض، یہ سارا کرم حضور ﷺ کا ہے

یہ آج روشنی تحقیق و ارتقا کی جو ہے
ظہور آگہی افروز ان کے نور کا ہے

یہ ہوش ان سے ہو دیوانگی کی حد تک عشق
یہ فیصلہ ہے جو الحق مرے شعور کا ہے

حضور! میرا وظیفہ ہے آپ کی توصیف
مرا سوال، فن نعت پر عبور کا ہے

نہ زادِ راہ کی کوئی کمی ، بلائیں وہ جب
نہ کوئی مسئلہ در پیش نزد و دور کا ہے

صفا و لذتِ آب مدینہ کیا ہو بیاں
تمام ذائقہ طارق مئے طہور کا ہے

طارق سلطان پوری

وہ نقطۂ کمال ہے اوجِ کمال کا
کیا ذکر لاجواب ہے اس بے مثال کا

وہ آخری کتابِ ہدایت کا سرورق
وہ آفتابِ نور جلال و جمال کا

وہ گلشنِ حیات کا ہے سرمدی گلاب
وہ مرکزِ نگاہ ہے فکر و خیال کا

یارب! تیرے حبیب ﷺ کا مدحت نگار ہوں
صدقہ ملے مجھے بھی پیمبر ﷺ کی آل کا

دیوانہ ہوش میں ہے سرِ بزمِ مصطفےٰ ﷺ
منظر بڑا عجیب ہے شامِ وصال کا

باتیں کریں حضور ﷺ کے حسن و جمال کی
ہر وقت ذکر کیا ہو غمِ ماہ و سال کا

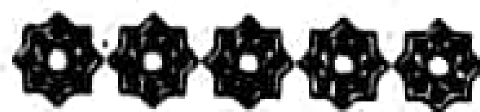
ہر فلسفہ حیات کا بے کار ان ﷺ کے بعد
وہ ﷺ حشر تک جواب ہیں ہر اک سوال کا

میں تو ازل سے ان ﷺ کے غلاموں کا ہوں غلام
رکھتا نہیں حساب کبھی ماہ و سال کا

وہ آخری رسول ہیں پروردگار کے
کیا مرتبہ ہے آمنہ بی بی کے لال کا

تنہا میں کب ریاض ہوں میدانِ حشر میں
سایہ ہے سر پہ آج بھی رحمت کی شال کا

ریاض حسین چودھری ایڈووکیٹ



اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ

ابوالمقصود قادری

احمد رضا بظاہر دو لفظوں سے مرکب ایک نام ہے، مگر حقیقت میں دریائے معنی۔ اس نام کا مراد و مصداق امام اہل سنت ہے، مؤید ملت ہے، مجدد وقت ہے، اعلیٰ حضرت ہے، اولاد بتول ہے اور پیکر عشق رسول ہے۔ یہ وہ ہستی ہے جسے:

- عرب و عجم کے علماء نے خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔
- جس کے زورِ قلم نے الحاد کے امنڈتے ہوئے طوفانوں کے رخ موڑ دیے۔
- جس کی حق گوئی نے پوری دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔
- جس نے کبھی اتحاد و امن کے نام پر منافقت اور ریا کاری کا لبادہ نہیں اوڑھا۔
- جو کبھی کسی امیر و وزیر، راجا و نواب اور وائس رائے کے در پر نہ گیا۔
- جس کے قلم نے کینہ پرور سازشیوں کے نقابوں کے چیتھڑے اڑا دیے۔
- جس کا قلم کبھی خوشامد اور مصلحت اندیشی کی غلاظت سے آلودہ نہ ہوا۔
- جس نے مزاجِ خسرواں کے مطابق کبھی مسائل تبدیل نہ کیے۔
- جس نے انگریز دشمنی کے بہانے کبھی کسی ہندو کانگریسی نیتا کو مسندِ رسول پر بیٹھنے نہیں دیا۔
- جس کے علم و عشق کے سیلِ رواں کے سامنے حرص و آز کے بند نہ باندھے جا سکے۔
- جس نے پچاس سے زیادہ علوم و فنون پر ایک ہزار سے زیادہ کتابیں اور رسائل لکھے۔
- جس کو فخر تھا تو بس یہی:

اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الحاج الحافظ الشاہ عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لیے

- یہ اس پیکرِ صداقت، حاملِ وقار و متانت اس عالمِ دینِ متین، حاملِ علم و یقین کا نام ہے، جسے ﴿عَلَّمْنٰہُ مِنْ لَّدُنَّا﴾ کی تعبیر، ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ کی تصویر اور ﴿اَلرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ﴾ کی تفسیر کہیں تو بے جانہ ہوگا۔
- یہ اس عاشقِ رسول کا نام ہے، جس کی زندگی کا کوئی لمحہ اور جس کی حیات کا کوئی لحظہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی رعنائیوں سے خالی نہیں۔
- جو علم بے کراں اور عشق جاوداں کا حسین سنگم تھا۔ ایسے عظیم انسان مادرِ گیتی کبھی کبھار جنتی ہے۔

آپ کی ولادتِ باسعادت ۱۰ ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ میں ہوئی۔ حروفِ ابجد کی رو سے آپ کا سالِ ولادت اس آیت سے نکلتا ہے:

﴿اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ...... الخ﴾---

۱۲۷۲ھ

"یہی وہ لوگ ہیں، جن کے دل میں خدا نے ایمان لکھ دیا اور ان کو روح القدس کی تائید دی"---

ان کے بچپن کے بعض واقعات سے محسوس ہوتا ہے کہ علم لدنی سے بہرہ یاب تھے۔ مثلاً کم سنی میں استاد صاحب قرآنِ حکیم پڑھا رہے تھے اور ایک لفظ پر بار بار زبر پڑھاتے مگر آپ کی زبان سے زیر ہی نکلتی۔ آپ کے دادا جان کو پتا چلا، قرآنِ کریم منگوا کر دیکھا، معلوم ہوا کہ کاتب نے غلطی سے زبر ڈال رکھی ہے، حقیقتاً زیر ہے۔ پوچھا، بیٹا! جس طرح استاد صاحب پڑھاتے تھے، اس طرح کیوں نہیں پڑھتے تھے؟ عرض کیا، ارادہ تو کرتا تھا مگر زبان پر قابو نہ پاتا تھا۔ حضرت جدِ امجد نے تبسم فرمایا، سر پر ہاتھ پھیرا، دعا دی اور سمجھ گیا کہ یہ لڑکا کچھ بننے والا ہے۔

ایسے واقعات بارہا ان کے اساتذہ کو پیش آتے۔ سچ تو یہ ہے کہ عالم الغیب نے آپ کا مبارک سینہ علوم و معارف کا گنجینہ بنایا تھا اور ذہن و دماغ کو مقدس فکر و شعور سے لبریز فرمایا تھا۔

ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ۴ برس کی عمر میں ناظرہ قرآن ختم کیا، تیس روز میں حفظ کیا، چھ سال کی عمر میں کثیر مجمع کو خطاب کیا، چودہ سال کی عمر میں جملہ علوم معقول و منقول سے فارغ ہو کر مسندِ افتاء پر فائز ہو گئے۔

آپ کا شہ کار فتاویٰ رضویہ جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے اور ہر جلد بڑے سائز کے تقریباً ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے، اُٹھا کر دیکھیں تو آپ کے تفقہ فی الدین کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔

آپ بڑے بڑے مسائل چشم زدن میں حل کر دیا کرتے تھے، علومِ دینیہ کے علاوہ علومِ عقلیہ میں بھی آپ کو وہ درک تھا کہ بڑے بڑے علماء ان کی طرف رجوع کرتے۔

مولوی محمد حسین صاحب موجد طلسمی پریس کا بیان ہے کہ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب کو، جنھوں نے ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں بھی تعلیم پائی تھی اور ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا، ریاضی کے کسی مسئلے میں ایسی الجھن پیدا ہوئی کہ حل نہ ہو سکی، چوں کہ صاحب حیثیت تھے اور علم کے شائق، قصد کیا کہ جرمن جا کر اس کو حل کروائیں، اتفاقاً مولانا سید سلیمان اشرف، پروفیسر دینیات مسلم یونی ورسٹی سے ذکر کیا، انھوں نے کہا:

"آپ بریلی جا کر مولانا احمد رضا خان صاحب سے ملیں، وہ حل کر دیں گے"---

غصے سے بولے:

"مولانا! عقل بھی کوئی چیز ہے، آپ کیسی رائے دیتے ہیں؟ کہاں کہاں تعلیم پا کر میں آ رہا ہوں اور حل نہیں کر سکا، آپ ان کا نام لیتے ہیں جو غیر ممالک تو کہاں، اپنے شہر کے کالج تک نہ گئے"---

اس پر مولانا نے فرمایا:

"آخر کیا حرج ہے؟ اتنے بڑے سفر کے مقابلہ میں بریلی جانا کوئی چیز نہیں، آپ ہو آئیں تو کیا فرق پڑتا ہے؟"---

آخر بادلِ ناخواستہ چند متعارف لوگوں کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے پاس حاضر ہوئے، مزاج پرسی کے بعد آپ نے غرض دریافت کی۔ بولے:

"ریاضی کا ایک مسئلہ الجھ گیا ہے"---

ارشاد ہوا: "فرمایئے"---

کہا: "ایسی بات نہیں جو اتنی جلدی عرض کر دوں"---

فرمایا: "کچھ تو کہیے"---

غرض سوال پیش کیا، آپ نے سنتے ہی جواب دیا اور بالکل صحیح۔ بات وائس چانسلر صاحب کی سمجھ میں آ گئی اور چشم بصیرت وا ہوگئی۔ بے اختیار بول اٹھے:

"سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی شے ہے، آج آنکھ نے دیکھ لیا، ایسا فی البدیہہ جواب، گویا اس مسئلہ پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے"---

آپ کی مختصر صحبت کا یہ اثر ہوا کہ بے ریش و بے نماز تھے، داڑھی رکھ لی اور نماز شروع کر دی۔ سچ ہے:

یک زمانہ صحبتِ با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

روحانی فیوض آپ کو سیدی آلِ رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پہنچے، جو سلسلۂ قادریہ کے مشہور بزرگ تھے۔ انھوں نے تمام سلاسل میں اجازت و خلافت سے مشرف کیا۔ آپ مرید بھی تھے اور مراد بھی۔ مرشد فرمایا کرتے تھے:

"روزِ محشر میں جب خداوندِ قدوس پوچھے گا: "آلِ رسول! دنیا سے کیا لایا؟" تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا"---

بارگاہِ نبوت میں انھیں وہ پذیرائی حاصل تھی کہ نبی کریم رؤف و رحیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی زیارت بیداری میں چشم سر کے ساتھ ہوئی۔ محبتِ رسول اور اتباعِ سنت ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھیں۔ ہر بات میں اطاعتِ رسول ﷺ کا لحاظ رکھتے۔ مثلاً آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

اِبْدَءُوْا بالمیامن--- "ہر کام دائیں ہاتھ سے کرو (سوائے ان مستثنیات کے، جن کا ذکر حضور ﷺ نے فرمادیا)"---

سو امامِ اہل سنت اس کا بھی اس قدر خیال رکھتے کہ اگر کسی صاحب کو کوئی چیز دیتے اور وہ بایاں ہاتھ بڑھا دیتا تو آپ فوراً اپنا ہاتھ روک لیتے اور فرماتے:

"دایاں ہاتھ بڑھاؤ"---

بسم اللہ شریف کے اعداد عموماً لوگ بائیں جانب سے شروع کرتے ہیں مگر آپ پہلے ۶، پھر ۸؍۷ اور پھر ۷ تحریر فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ کے فرمودات پر انھیں یقین کامل تھا اور اسی میں فلاحِ دارین سمجھتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ پہاڑ ہل سکتا ہے مگر حضور ﷺ کے فرمان کا خلاف محال ہے۔ ایک مرتبہ گائے کا گوشت کھایا، اس کے باعث مسوڑھے سوج گئے، سوجن اتنی بڑھی کہ حلق اور منہ بالکل بند ہوگیا، شدید بخار اور کانوں کے پیچھے گلٹیاں بن گئیں، یہاں تک کہ نماز میں قراءتِ سرّیہ بھی

میسر نہ رہی، اتفاق سے ان دنوں طاعون کی وبا تھی، ان کے بھائی ایک طبیبِ حاذق کو لائے، اس نے بغور دیکھا اور کئی مرتبہ کہا: ''یہ وہی (طاعون) ہے''---

امامِ اہلِ سنت خود اس واقعہ کو بیان فرماتے ہیں کہ میں بول تو نہ سکتا تھا، دل میں کہا کہ نہ مجھے طاعون ہے اور نہ ہو سکتا ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو کسی مریض کو دیکھ کر یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً---

اس مرض سے عمر بھر محفوظ رہے''---

اور میں نے کئی مرتبہ طاعون زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ رکھی تھی، اس لیے مجھے ارشادِ حدیث پر اطمینان تھا، پچھلی رات تکلیف اور بڑھی میں نے دل میں کہا اور زور سے کہا:

اَللّٰھُمَّ! صَدَقَ الْحَبِیْبُ وَ کَذَبَ الطَّبِیْبُ---

''اے اللہ! حبیب (ﷺ) کو سچا کر اور اس طبیب کو جھوٹا کر''---

کسی نے میرے کان پر منہ رکھا اور کہا: ''مسواک اور سیاہ مرچیں''---

میں نے موجود شخص کو مسواک اور سیاہ مرچیں سمجھائیں، مسواک تو جلد سمجھ گیا، گول مرچ کس طرح سمجھے۔ آخر بڑی مشکل سمجھا، جب دونوں چیزیں آگئیں، میں نے بدقت منہ کھول کر مسواک دانتوں کے نیچے رکھا اور سیاہ مرچ کا سفوف بھی قدرے دانتوں تک پہنچایا، تھوڑی دیر تک خون کی ایک دو مرتبہ کلی آئی، منہ کھل گیا، گلٹیاں جاتی رہیں اور دو تین دن میں صحت یاب ہو گیا۔

غرض آپ محبتِ رسول اور اتباعِ رسول ﷺ کا خوب صورت مجموعہ تھے۔ شریعت و طریقت کے جامع اور صاحبِ کمال تھے، حتیٰ کہ جب چار پائی پر لیٹتے تو جسم کو لفظِ ''محمد'' کی شکل میں ڈھال دیتے۔ باوجود علمی جلالت و عظمت کے نہایت منکسر المزاج اور متواضع تھے۔ اکابر کی تعظیم کرتے، اصاغر پر شفقت فرماتے اور ہم نشینوں سے حسنِ سلوک اور مساوات کا برتاؤ کرتے۔ والدہ تا دیر زندہ رہیں، ان کی خدمت خود کرتے، ان کی اجازت لے کر صرف دو مرتبہ حج کیا۔ علماء اہلِ سنت کی قدر و عزت اس قدر فرماتے کہ باید و شاید، لیکن اگر کسی کا قلم بارگاہِ رسالت میں بے لگام ہو جاتا تو ان کا قلم صاعقہ بن کر گرتا اور اس بدزبان کا خرمنِ ہستی جل کر راکھ ہو جاتا۔ بعض علماء ان کی اس شدت سے سرگرداں تھے، مگر یہ شدت ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے تھی، اس میں نفسانیت کا شائبہ تک نہ تھا،

وہ ﴿اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ﴾ کی زندہ تصویر تھے۔ان کا عقیدہ یہی تھا کہ:

ہمیں بھلا ان سے واسطہ کیا، جو تجھ سے نا آشنا رہے ہیں

وہ اقبال کے اس شعر کے صحیح مصداق تھے:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

علماء حجاز نے جس طرح آپ کو خراجِ عقیدت پیش کیا، وہ ان کی کتاب ''حسام الحرمین'' کی تقریظات سے ظاہر ہے۔ان میں انھیں اس قسم کے القابات سے یاد کیا گیا ہے:

''معرفت کا آفتاب، فضائل کا سمندر، دینِ اسلام کی سعادت، دائرۂ علوم کا مرکز، یکتائے اسلام، جہاں سحبان، فصیح اللسان وغیرہ''---

بلکہ مکہ کے جلیل القدر عالم علامہ سید اسمٰعیل خلیل مکی نے تو یہاں تک کہہ دیا:

''اگر ان کے حق میں اس صدی کا مجدد کہا جائے تو بلاشبہ صحیح ہے''---

ڈاکٹر اقبال اپنی ایک تحریر میں فرماتے ہیں:

''ہندوستان کے دورِ آخر میں ان سا طباع اور ذہین پیدا نہیں ہوا''---

مولانا محمد علی جوہر نے انھیں عظیم ترین محقق، مصنف، ادیب، شاعر اور مردِ حق گو کے الفاظ سے یاد کیا۔سید سلیمان ندوی کہتے ہیں:

''میں نے فاضل بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں، تو نظر خیرہ ہو کر رہ گئی۔جتنی گہرائی ان کی تحریروں میں ہے، میرے اساتذہ کی کتابوں میں بھی نہیں''---

مولانا مودودی ایک جگہ یوں لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خان کے بارے میں ہم لوگ سخت غلط فہمی کا شکار ہیں، ان کی بعض تصانیف کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی ان میں ہے، بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشقِ خدا اور رسول (ﷻ و ﷺ) تو ایک ایک سطر میں پھوٹا پڑتا ہے''---

غرض ہر وسیع القلب عالم نے اپنے اختلاف کے باوجود ان کی جلالتِ علم اور فضیلتِ عشق کا اعتراف کیا ہے۔ان کا ترجمۂ قرآن بنام کنز الایمان اپنی مثال آپ ہے اور ان کے علم و عشق کا شاہد عادل:

بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن!
خوبیٔ یار کا جواب کہاں؟

لطف کی بات یہ کہ ایک متبحر عالم اور بلند پایہ فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ باکمال نثر گو ادیب اور بے مثال نعت گو شاعر بھی تھے۔ انھوں نے نعتیہ شاعری کو وہ عروج بخشا کہ اردو شاعری میں اس کا جواب نہیں۔ کسی نے مرزا داغ دہلوی کو ان کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع سنایا:

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

تو مرزا صاحب تڑپ گئے اور بولے:

''مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے''---

اس بات کا انھیں خود بھی احساس تھا، ایک جگہ خود ہی فرماتے ہیں:

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہدیٰ، مجھے شوخیٔ طبع رضا کی قسم

یہ بھی یاد رہے کہ ان کی نعتیں جذباتِ قلبیہ کا اظہار ہی نہیں بلکہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی تشریح بھی ہیں۔ بقولِ خود، انھوں نے نعت گوئی قرآن سے سیکھی، صرف انبیاء و اولیاء کی مدح و ثنا کی اور اہلِ دُول کی تعریف سے قلم آلودہ نہیں ہونے دیا:

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا، پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

آں حضرت ﷺ کی سیرت و صورت اور صفت و ثنا کے بیان کے لیے جب وہ ذخیرۂ الفاظ و تراکیب اور گنجینۂ تشبیہات و استعارات کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو وہ قطاریں باندھ کر دست بستہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نمونہ کے لیے ایک نظم کے چند اشعار سنیے، شوق بڑھے تو ان کے مجموعۂ کلام ''حدائقِ بخشش'' کا مطالعہ کیجیے اور عشقِ مصطفیٰ ﷺ کا سدا بہار گلشن کھلا دیکھیے۔ یہ نظم حدیثِ ''لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ وَ الْاَرْضَ'' کی تشریح میں ہے، عرض کرتے ہیں:

زمین و زماں تمہارے لیے، مکین و مکاں تمہارے لیے
چنین و چناں تمہارے لیے، بنے دو جہاں تمہارے لیے
تمہاری چمک، تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری مہک
زمین و فلک، سمان و سمک میں سکہ نشاں تمہارے لیے
ظہور و نہاں، قیامِ جہاں، رکوعِ مہاں، سجودِ شہاں
نیازیں یہاں، نمازیں وہاں، یہ کس کے لیے؟ ہاں تمہارے لیے

عطائے ارب ، جلائے کرب ، فیوضِ عرب ، بغیرِ طلب
یہ رحمتِ ربّ ، ہے کس کے سبب؟ بربِّ جہاں ، تمہارے لیے
جناں میں چمن ، چمن میں سمن ، سمن میں پھبن ، پھبن میں دُلہن
سزائے محن پہ ایسے منن ، یہ امن و اماں ، تمہارے لیے

بعض نعتوں میں چار چار زبانوں کو جمع کر دیا گیا ہے، یہ قادر الکلامی انھی کا حصہ ہے۔ مثلاً:

لَمْ یَاْتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ ، مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کا تاج تورے سر سوہے ، تجھ کو شہِ دوسرا جانا
اَلْبَحْرُ عَلا و الْمَوجُ طغٰی ، من بے کس وطوفاں ہوش رُبا
منجدھار میں ہوں ، بگڑی ہے ہوا ، موری نیّا پار لگا جانا

❁❁❁❁❁

وفیات

گزشتہ دنوں:

خطیبِ پاکستان علامہ محمد عارف نوری، لاہور کے بہنوئی حاجی بشیر احمد صاحب---

نعت گو شاعر جناب طارق سلطان پوری کی بڑی ہمشیر صاحبہ---

روزنامہ نوائے وقت، لاہور کے شفٹ انچارج جناب قاضی مصطفٰی کامل کے دو نواسے---

مولانا عبد الغفور نوری پاکپتنی، (ضلعی خطیب اوقاف) شیخوپورہ کی والدہ محترمہ---

مولانا احمد نواز نوری، بصیر پور کے تایا جان---

جناب ڈاکٹر منظور احمد صاحب، بصیر پور کے سسر میاں فلک شیر صاحب---

چودھری زاہد محمود و چودھری محمد لطیف، بصیر پور کے بڑے بھائی چودھری لیاقت علی نوری صاحب---اور

چودھری انوار الحق صاحب، بصیر پور قضائے الٰہی سے وفات پا گئے---

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللّٰہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



سید ہجویر داتا گنج بخش

شاعر نعت راجا رشید محمود

✿ ایک حق شناس ہستی---جس نے اپنی دولت حق رسی کو عام کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اسے کفرستان ہند کے باسیوں میں بانٹ دیا۔

✿ ایک فنا فی اللہ بندہ---جس کا دل وصل ذات کی لذتوں سے بہرہ مند تھا، جس کے سر پر طریقت کا ایسا تاج زرفشاں تھا، جس سے نورِ شریعت کی کرنیں پھوٹتی تھیں، جس کی آنکھیں لوگوں کے باطن میں جھانک سکتی تھیں، جس کی زبان کائنات کے اسرار و غوامض کی گرہیں کھولتی رہی، جس کے ہاتھ گرتے ہوؤں کو سہارا دیتے تھے اور جس کے قدم انسانیت کی بھلائی کی خاطر اٹھتے رہے۔

✿ ایک سراپا اخلاص شخص---جس نے اپنے حالاتِ حیات تک کو اخفا کی گپھا میں نظر بند رکھا لیکن عرفان الٰہی کے پیغام کو اپنی گفتار اور گفتار سے زیادہ کردار کے ذریعے اہل ہند کے دلوں میں راسخ کیا۔

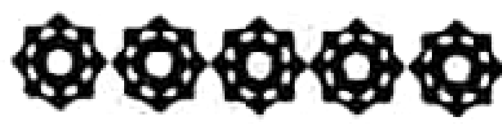
✿ تبلیغ اسلام کا ایک بطل جلیل---جس نے محبت اور اپنائیت کے گلستانِ معانی سے رُشد و ہدایت کی خوش بو پھیلائی، جس نے راہ گم کردہ کو راہِ تسلیم و رضا دکھائی، جس نے خود ساختہ ''خداؤں'' کے چنگل میں قید لوگوں کو آزادی دلا کر تدبر و تفکر کی وساطت سے اصل تخلیق کار کے در پر جھکنا سکھایا اور سمجھایا کہ یہ سرفگندگی ہی درحقیقت دنیا و عقبیٰ میں سرفرازی کا واحد ذریعہ ہے۔

✿ ایک صاحب دل فرد--- جو افراد کے دلوں کو مسخر کرتا گیا، انہیں سیئات سے بچاتا اور

حسنات کی راہ پر چلاتا رہا، جس کی تعلیمات نے رہتی دنیا تک کے لیے حجابات ذات اٹھا دیے اور کفر و ضلالت کے پردے فاش کر دیے، وہ کشاف رازہائے دروں رہا۔

✪ دانش کا ایک کوہ گراں --- جو علم کی پہنائیوں اور ظلمت و جہالت کی تنگنائیوں کا حقیقت آشنا تھا، جس نے علم معرفت کو اپنے افکار کے ذریعے متلاشیان حق کے لیے پانی کر دیا، متقدمین کے نظریات جس کی رگ رگ میں رچ بس چکے تھے اور اس نے خزینۂ علم کا منہ ''کشف المحجوب'' کے ذریعے کھول دیا۔

جس نے رہ نوردوں اور سالکوں کے لیے در پردہ حقیقتوں سے شناسائی کے راستے نکالے، جسے خزانۂ غیب سے اتنا کچھ عطا ہوا کہ ۹۵۸ برس کی شبانہ روز داد و دہش نے اس کی ''گنج بخشی'' میں کمی نہ آنے دی، بلکہ اس میں روز افزوں اضافے ہو رہے ہیں، حاجت مندیاں اس کے دروازے کو چھوتی اور دعائیں اس کے روضے سے مس ہوتی ہوئی بابِ استجاب تک رسائی پا لیتی ہیں، آج بھی روز و شب کے سب لمحے اس کے در جود و سخا کی کرم نمائیوں کے شاہد ہیں، اَن گنت ہاتھ اس کے روضے کے گرد دعا کو اٹھے ہوئے نظر آتے ہیں، لاتعداد سر اس کی عظمت کے احساس سے جھکے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور لاکھوں زبانیں اس سے استمداد کی خواہاں ہیں۔



قطعہ

کون ہے سرخیل اہل حق کا ، اہل اللہ کا!
شاعر مشرق نے ''مخدوم امم'' جس کو کہا
خواجۂ اجمیر جس ہستی کے تھے اوصاف گو
جس کو اہل رشد نے مانا ہے اپنا مقتدا
مدحِ محبوبِ خدائے لم یزل کے ساتھ ساتھ
جس عظیم انسان کا محمود ہے مدحت سرا
سید ہجویر ہے وہ، جس کا حق کے ساتھ وصل
آج سے نو سو اٹھاون سال پہلے ہو گیا

کشف المحجوب کی حکایات

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

حضرت ابراھیم بن ادھم کی قوت برداشت

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک حکایت لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم ادھم سے ان کے ایک دوست نے پوچھا:

''تم کبھی اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہوئے ہو؟''---

فرمانے لگے:

''مجھے زندگی میں دوبار کامیابی نصیب ہوئی ہے--- میں ان دنوں خراسان کا بادشاہ تھا، میرے دل میں آیا کہ میں تنہا سفر کروں، میرے کپڑے میلے کچیلے تھے، بال بکھرے ہوئے تھے، حجامت بڑھی ہوئی تھی--- میں ایک کشتی میں سوار ہوا اور ایک کونے میں بیٹھ گیا، مجھے کوئی نہ پہچانتا تھا، جو شخص مجھے دیکھتا حقارت کی نظر ڈالتا، بعض لوگ میرا مذاق اڑانے لگے، مجھے دیکھ کر مذاق کر کے حقارت آمیز قہقہے لگاتے--- میں خاموشی سے براداشت کرتا رہا، اس کشتی میں ایک مسخرہ بھی سوار تھا، وہ میرے ساتھ بڑے بے ہودہ مذاق کرتا اور مذاق اڑاتا، لوگ اس کی باتیں سن کر خوش ہوتے اور تالیاں بجاتے--- اب وہ مسخرہ اٹھا، میرے پاس آ کر میرے سر کے بال نوچنے لگا،

چپیڑیں مارتا، کشتی میں بیٹھے سارے لوگ خوش ہوتے، مگر میں یہ ساری چیزیں برداشت کرتا اور کچھ نہ کہتا---اب وہ مسخرہ اور تیز ہوگیا---اس نے میر سر پر پیشاب کرنا شروع کر دیا--- میں خاموشی سے برداشت کرتا رہا--- کشتی والے خوش ہوتے رہے، جب کشتی کنارے لگی تو اس برداشت کی وجہ سے مجھ پر اللہ عزوجل کی رحمت کے دروازے کھل گئے"---

"اسی طرح ایک بار میں ایک گاؤں میں گیا، سخت بارش ہو رہی تھی، سخت سردی تھی، میری گودڑی بھیگ رہی تھی، سردی اور ٹھنڈک نے میرے جسم کو شل کر دیا تھا، میں مسجد میں نہانے کے لیے بڑھا تو مسجد سے لوگوں نے مجھ دھکے دے کر باہر نکال دیا، اب میں نے دوسری مسجد کا رخ کیا، وہاں بھی پناہ نہ ملی---تیسری مسجد کی طرف بڑھا وہاں بھی لوگوں نے داخل نہ ہونے دیا---آخر کار میں ایک حجام کے پاس آیا، بھٹی کے ساتھ بیٹھ گیا، کپڑے سکھانے کی کوشش کی، مگر بھٹی کے دھوئیں نے میرے کپڑے سیاہ کر دیے، چہرہ سیاہ ہوگیا، کچھ وقت گزرا، اللہ عزوجل کی رحمت کے دروازے کھل گئے، یہ سختیوں کو برداشت کرنے کا ثمرہ تھا"---

سختیاں برداشت کرنے سے اللہ کی رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے بعض مشکلات نے آگھیرا--- بڑی کوششیں کیں مگر میری مشکلات حل نہ ہوئیں--- ایسے حالات میں حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا، مجھے جب بھی ایسی مشکلات آتیں میں حضرت کے مزار پر چلا جاتا---مگر اس بار کئی دن گزر گئے، چلہ کشی بھی کی، تین ماہ تک مزار پر رہا، مگر میری مشکلات کا حل نہ نکلا---اب میں نے خراسان کا سفر اختیار کرلیا، میں سفر کرتا ایک گاؤں جا پہنچا، وہاں ایک خانقاہ تھی، خانقاہ میں صوفیوں کی ایک جماعت ٹھہری ہوئی تھی، میں نے ایک کھردری اور میلی سی گدڑی پہن رکھی تھی، دوسرے مسافروں کی طرح میرے پاس سامان نہیں تھا، بس ایک لوٹا اور ایک لاٹھی تھی--- ان لوگوں نے مجھے نہ پہنچانا بلکہ حقارت کی نگاہوں سے دیکھنے لگے--- وہ اپنے رسم ورواج کے مطابق باتیں کرتے رہے، بعض اوقات مجھے دیکھ کر میرے متعلق سست باتیں بھی کر جاتے، کبھی کبھی مذاق بھی کرتے، مگر میں ان کے رویہ کو برداشت کرتا رہا، انہوں نے ساری جگہ پر قبضہ کرلیا اور مجھے ایک دریچے کے پاس بیٹھنے کو کہا اور خود سامنے کے ایک چبوترے پر بیٹھ گئے--- مجھے ترس کھا کر ایک سوکھی روٹی دی، جس پر پھپھوندی لگی ہوئی تھی مگر خود وہ عمدہ کھانا

کھاتے رہے، جس کی خوش بو میری بھوک کو بھڑکاتی رہی--- کھانا کھانے کے بعد انہوں نے خربوزے کھانے شروع کر دیے اور خربوزوں کے چھلکے مجھ پر پھینکتے --- یہ ان کی دل لگی تھی، وہ خربوزوں کے چھلکے میرے سر پر پھینک کر قہقہے لگاتے --- میں ان کے سارے حالات کو برداشت کرتا رہا اور اللہ عزوجل کے سامنے عرض کی:

''اے اللہ! میں صوفیہ کے لباس میں ہوں اور تیرے محبوب بندوں کا لباس پہنا ہوا ہے، اب میں انہیں جواب میں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا'' ---

ان کی بے ہودہ گفتگو بڑھتی گئی اور وہ مذاق میں زیادہ بے باک ہوگئے، میں سب کچھ برداشت کرتا گیا، قریب تھا کہ دامن صبر ہاتھ سے چھوڑ دیتا مگر مجھے اللہ عزوجل نے برداشت کی ہمت دی، صبح ہونے سے پہلے ہی مجھ پر اللہ عزوجل کی رحمت کے دروازے کھل گئے، میری مشکلات ختم ہوگئیں---

حضرت ساقیٔ کوثر ﷺ کی عنایت

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ جن دنوں امام نوفل بن حبان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا ہے، لوگ میدانِ حشر میں حساب گاہ میں کھڑے ہیں، میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو میری نظر حضور نبی کریم ﷺ کے چہرۂ انور پر پڑی، آپ حوض کوثر کے کنارے پر جلوہ فرما ہیں، آپ کے دائیں بائیں بہت سے بزرگ کھڑے ہیں، جنہیں میں پہچانتا تھا، ایک سفید ریش بزرگ حضور ﷺ کے رخسار مبارک پر اپنے خوب صورت رخسار ملائے نظر آئے ہیں، ان کے پاس ہی حضرت نوفل بھی کھڑے دکھائی دیے ہیں، حضرت نوفل نے مجھے دیکھا تو میرے پاس خود چلے آئے، میں نے عرض کی:

''مجھے پانی کے چند گھونٹ مل جائیں گے''---

فرمایا:

''آج تو صرف حضور ﷺ کی اجازت سے پانی ملتا ہے''---

حضور ﷺ نے اپنی انگشت مبارک سے اشارہ فرمایا، مجھے پانی مل گیا--- حضرت نوفل نے ایک پیالہ بھر کر دیا، میں پیتا گیا مگر پیالہ لبالب بھرا رہا--- میں نے حضرت نوفل سے پوچھا:

''حضور ﷺ کے رخسار مبارک پر رخسار رکھنے والے کون بزرگ ہیں؟''---

فرمایا:

''یہ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں، دیکھو بائیں جانب حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں، میں مختلف بزرگوں کے متعلق پوچھتا گیا، میں سترہ

بزرگوں کے متعلق پوچھ سکا، تو میری آنکھ کھل گئی"---

حضرت امام ابوحنیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ جب میری آنکھ کھلی تو میری انگلی سترہ پر تھی---



حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دوستوں میں سے ایک بزرگ حضرت احمد حماد سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوئے ہیں، وہ بڑے بلند پایہ ولی اللہ تھے---حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حماد سرخسی سے پوچھا کہ اپنی توبہ کا ابتدائی واقعہ تو سنائیں، جس نے آپ کی زندگی بدل کر رکھ دی اور انقلاب آ گیا---آپ نے بتایا کہ میں ایک بار سرخس کے بیابانوں میں دور نکل گیا اور اپنے اونٹوں کو دور دراز علاقوں میں لے جا کر چراتا رہا، خود میں یوں کرتا کہ بھوک اور پیاس کو برداشت کرتا، اپنا کھانا دوسروں کو کھلا دیتا اور کئی کئی دن بھوکا رہتا، میں اللہ عزوجل کے اس فرمان کا سہارا لیتا:

﴿وَ یُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾---

"مسلمان اپنی جانوں پر ایثار کرتے ہیں اگرچہ انہیں تنگی ہی ہو"---

مجھے اس آیت کی وجہ سے وہ لوگ بہت اچھے لگتے جو دوسروں کو کھلا کر خود صبر و قناعت کرتے، میں اسی آیت کریمہ کی راہ نمائی میں اپنا کھانا دوسروں کو کھلا دیتا اور خود بھوکا پیاسا رہتا---

ایک دن میں نے دیکھا کہ اس جنگل میں ایک شیر نمودار ہوا، وہ بھوکا تھا، میں اسے دیکھتا رہا، اس نے میرے ایک اونٹ پر حملہ کر کے اس کا پیٹ چیر پھاڑ ڈالا، میں نے اسے کچھ نہ کہا اور خاموشی سے اس شیر کی حرکت دیکھتا رہا، شیر اگرچہ بھوکا تھا مگر وہ اونٹ کو چیر پھاڑ کرنے کے بعد خود گوشت کھائے بغیر ایک ٹیلے پر جا بیٹھا اور زور سے گرجا، اس کی آواز سن کر جنگل سے کئی درندے باہر نکل آئے اور اس اونٹ کا گوشت کھانے لگے، ان جانوروں میں چیتے، بھیڑیے، لومڑ اور گیدڑ قسم کے مختلف جانور تھے، وہ اونٹ کا گوشت کھاتے رہے، جب سارے جانور سیر ہو کر چلے گئے تو شیر ٹیلے سے نیچے آیا اور گوشت کھانے لگا، ابھی اس نے ایک ٹکڑا کھایا تھا کہ ایک لنگڑی لومڑی نمودار ہوئی، شیر گوشت چھوڑ کر پھر ٹیلے پر جا بیٹھا، جب وہ لنگڑی لومڑی پیٹ بھر کر گوشت کھا کر چلی گئی تو شیر ٹیلے سے نیچے آیا اور بچا کھچا گوشت کھانے لگا اور کھا کر چلا گیا---

میں یہ سارا نظارا دیکھ رہا تھا اور شیر کے ایثار کی تعریف کر رہا تھا، جب میں لوٹنے لگا تو شیر نے مجھے دیکھ لیا اور کہا (جسے میں ہی سمجھتا تھا):

"اے احمد! لقمہ کا ایثار تو کتے بھی کر لیتے ہیں، مرد وہ ہے جو اپنی جان اور زندگی

اللہ ﷻ کی راہ میں قربان کردے"---

میں اس دن سے اپنی ذات کی بجائے دوسروں کو کھلانے میں خوشی محسوس کرنے لگا ہوں---

حضرت خضر علیہ السلام اسرار الٰہیہ کے محافظ ہیں

حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے بہت بڑے ولی اللہ ہوئے ہیں، وہ ایک دن حضرت علی بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے ابوبکر وراق کو کچھ کاغذات دیے اور کہا کہ انہیں دریائے جیحون میں ڈال آؤ--- جب باہر آئے تو حضرت وراق نے کاغذات پر نظر ڈالی تو ان میں معارف و اسرار کا ایک خزانہ بند تھا، وہ انہیں گھر لے گئے اور محفوظ کر لیا، دوسرے دن وہ حضرت حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں گئے تو آپ نے پوچھا:

"کاغذات دریا میں ڈال آئے اور تم نے ڈالنے کے بعد کیا دیکھا؟"---

عرض کی کچھ نہیں--- ان کاغذات کو پانی بہا کر لے گیا--- آپ نے فرمایا:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انہیں دریا میں نہیں ڈالا، جاؤ! انہیں دریا میں ڈال کر آؤ"---

کاغذات جب دریا میں ڈالے گئے تو دریا کی لہروں میں سے لوہے کا ایک صندوق نکلا، اس کا ڈھکنا کھولا، سارے کاغذ اس میں سما گئے اور صندوق تہہ میں چلا گیا--- آپ نے سارا واقعہ آکر حضرت حکیم کو بتایا اور پوچھا کہ حضرت اس میں کیا راز تھا؟--- آپ نے بتایا:

"بیٹا! ان اوراق پر اولیاء و مشائخ کے علوم کے اسرار لکھے تھے، جو عام آدمیوں کی بلکہ اہل علم و فضل کی ذہنی دسترس سے بھی بلند تر تھے، حضرت خضر علیہ السلام نے یہ کاغذات محفوظ کرنے کے لیے مجھ سے مانگ لیے تھے"---

مصائب میں اللہ کا شکر ادا کرنے والے لوگ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اللہ کی رضا پر مطمئن رہنے اور اسے ہر حالت میں قبول کرنے کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار بندہ تھا، جسے اللہ ﷻ نے چار سو سال سے بھی زیادہ زندگی عطا کی تھی اور وہ چار سو سال تک ایک ہی وادی میں عبادت کرتا رہا--- ایک دن اسے خیال آیا کہ اگر اللہ تعالیٰ ﷻ یہ پہاڑ نہ بناتا تو اس کے بندوں کو چلنے پھرنے میں آسانی ہوتی--- اللہ تعالیٰ ﷻ نے اس وقت کے پیغمبر کے ذریعہ اس عابد کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے عبادت کرتے کرتے ہمارے معاملات میں دخل دینا شروع کر دیا ہے، لہٰذا آج سے

تمہارا نام نیک بندوں کے دیوان سے نکال دیا گیا ہے اور اشقیا اور بد بخت لوگوں کے دفتر میں لکھ دیا گیا ہے---اس عابد نے یہ بات سنتے ہی مایوس ہونے کی بجائے خوشی کا اظہار کیا اور سجدۂ شکر بجالاتے ہوئے اس پیغمبر کو عرض کی:

''شکر ہے، میں اللہ ﷻ کے کسی دفتر میں شمار وقطار میں تو آ گیا ہوں، آپ اپنے اللہ ﷻ سے میرے لیے ایک سفارش کریں کہ اے میرے اللہ! میں خوش قسمت ہوں کہ تو نے اپنے ایک دیوان میں میرا نام لکھا ہے مگر ایک عرض ہے کہ دوزخ میں پھینکتے وقت مجھے اتنا جسیم اور موٹا کردے کہ میرے سوا تیرا کوئی گناہ گار بندہ اس دوزخ میں نہ آسکے اور میں اکیلا ہی تیرے بندوں کے بدلے عذاب میں جلتا رہوں اور تیرے سارے گناہ گار بندے میری وجہ سے جنت میں چلے جائیں، میں تیری رضا پر مطمئن ہوں اور تیرے حکم پر راضی ہوں''---

اللہ تعالیٰ ﷻ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا:

''میرے اس بندے کو بشارت دو کہ تو نے ابتلا اور مصیبت میں بھی شکر ادا کیا ہے اور میری رضا پر قائم رہے ہو، اب قیامت کے دن تجھے جنت میں داخل کیا جائے گا بلکہ تو جس کی شفاعت کرے گا اسے بھی بخش دیا جائے گا''---

اللہ ﷻ کی رضا کا کتنا بلند مقام ہے، اس کی رضا پر زندگی گزارنے والے اسے بے حد پسند ہیں، ''رضی اللّٰہ عنھم و رضوا عنه'' انہی لوگوں کا مقام ہے---حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ ﷻ کی رضا پر راضی ہو کر وہ مقام حاصل کیا جس پر فرشتے بھی رشک کرتے تھے، اولیاء اللہ بھی اللہ ﷻ کی رضا پر قائم رہتے ہیں---

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دریائے نیل کو پیغام

کشف المحجوب میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ تاریخی واقعہ لکھا ہوا ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران مصر فتح ہو چکا تھا---مصر میں دریائے نیل سارے ملک کو سیراب کرتا تھا مگر اس کے ہاں ایک روایت بنی ہوئی تھی کہ جب تک ہر سال اس میں ایک خوب صورت دوشیزہ کو قتل کر کے بطور نذرانہ اس میں نہ پھینک دیا جائے، اس کی روانی جاری نہیں رہتی تھی---

یہ صورت حال سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچائی گئی، آپ نے ایک رقعہ لکھا:

''اے دریائے نیل! اگر تم خود رکتے ہو تو رکے رہو، لیکن اگر تم خدا ﷻ کے حکم سے جاری رہتے ہو تو میں اس خدا ﷻ کا بندہ عمر تجھے حکم دیتا ہوں کہ رواں ہو جاؤ''---

جب یہ رقعہ دریائے نیل میں ڈالا گیا تو دریا کا پانی رواں دواں ہو گیا اور پھر کبھی نہ رکا، نہ خشک ہوا---

بحر و بر در گوشۂ دامان او!

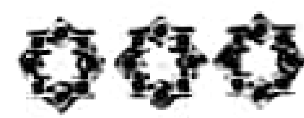
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ واقعہ ان لوگوں کی راہ نمائی کے لیے لکھا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کرامات کے منکر ہیں--- آپ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام جب کسی چیز کو حکم دیتے ہیں تو وہ سر تسلیم خم کر دیتی ہے--- غلامان رسول کی بادشاہی کائنات ارضی کے ذرہ ذرہ پر نافذ ہے اور ان کے اشاروں سے دریا رواں دواں رہتے ہیں---

حضرت بایزید پر رحمت کے دروازے کھل گئے

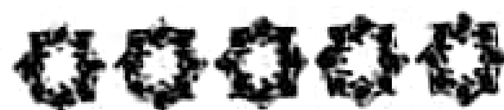
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ لکھا ہے، جس میں شریعت کی اتباع کی اہمیت سامنے آتی ہے--- آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ولی اللہ کی شہرت سنی تو بسطام سے چل کر اس کی زیارت کے لیے گیا، میں اس ولی اللہ کی مسجد میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مسجد میں آ رہے تھے اور کلی کر کے مسجد کے اندر کھڑے کھڑے قبلہ رخ ہو کر منہ سے پانی پھینک دیا--- میں نے سوچا کہ ولی اللہ تو شریعت رسول کے احکام کا احترام کرتے ہیں، یہ کیسا ولی اللہ ہے؟--- چنانچہ میں ملے بغیر ہو واپس آ گیا، مگر مجھے اس کی اس حرکت پر دکھ ہوا اور اس ولی اللہ پر ترس آیا کہ وہ شریعت کے احکام سے اتنا بے خبر ہے--- میں نے اس کی ہدایت کے لیے اللہ عزوجل سے دعا کی--- مجھے اسی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

''بایزید! آج تو نے وہ کام کیا ہے جس کی برکت سے تم ولایت کے ایک خاص درجہ پر فائز ہو گئے ہو''---

اس خواب کے بعد مجھ پر اللہ تعالیٰ عزوجل کی رحمت کے دروازے کھل گئے---



ہم نے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''کشف المحجوب'' سے یہ چند واقعات بیان کیے ہیں--- ان واقعات کی روشنی میں ہم اپنے قارئین سے التماس کرتے ہیں کہ وہ اپنی روزمرہ زندگی پر نظر ڈالیں اور اپنے آپ کو ان بزرگان دین کے واقعات کی روشنی میں ڈھالنے کی کوشش کریں--- یہ ایسی حکایات ہیں، جن کی روشنیاں ہماری راہ نمائی کرتی ہیں اور ہم زندگی کی تاریکیوں سے نکل کر اللہ تعالیٰ عزوجل کی رضا کی روشنیوں میں سفر کرنا شروع کر دیتے ہیں---



گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے

قید خانہ گوالیار۔۔۔ایک قیدی

محمد اصغر مجددی

گوالیار کی جیل حکومت کے غداروں، باغیوں، نافرمانوں اور خطرناک قسم کے عادی مجرموں کے لیے مخصوص تھی، اس جیل کا شمار ہندوستان کی سخت ترین جیلوں میں ہوتا تھا، چوں کہ یہاں خطرناک قسم کے قیدی رکھے جاتے تھے، اس لیے اس جیل کے انتظامات بھی دوسری جیلوں سے قدرے مختلف اور سخت تھے، لیکن چند دنوں سے جیل کے انتظامات مزید شدید اور سخت کر دیے گئے تھے، محافظوں کو ہمہ وقت تیار اور چوکنا و خبردار رہنے کا حکم دے دیا گیا تھا، آثار بتاتے تھے کہ شاید جیل کے قیدیوں میں حکومت کے کسی ایک اور شدید مخالف قیدی کا اضافہ ہونے والا ہے۔ یوں تو جیل میں ہر روز ایک سے ایک بڑھ کر خطرناک قیدی آتے تھے، لیکن اس سے پہلے کسی قیدی کی آمد سے قبل اس قسم کے سخت حفاظتی اور دفاعی انتظامات نہیں کیے گئے تھے۔ جیل کے قیدی بھی اس انوکھے، نرالے اور عجیب و غریب قیدی اور جیل کے اس نئے مہمان سے متعارف ہونے اور جرم کی نوعیت سے واقف ہونے کے لیے بے چین و بے تاب اور منتظر و مضطرب تھے، جس کی وجہ سے جیل کے عملے کا دن اور رات کا آرام اور چین ختم ہو گیا تھا۔

---o---

آخر وہ ساعتِ سعید آ ہی گئی، جب جیل کے قیدیوں کا جیل کے نئے مہمان سے تعارف ہوا،

ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی، ان کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب انھیں معلوم ہوا کہ ان کے پاس نیا آنے والا ایک ولی کامل، محبوبِ خدا، عالم یکتا اور مسلمانوں کا محبوب دینی و مذہبی، روحانی و فکری رہنما و پیشوا ہے اور دنیا اس کو مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کے نام سے جانتی ہے۔ یہ تو وہ ہیں جن کا سینۂ اقدس انوار و تجلیاتِ الٰہی کا مرکز ہے، جن کی نگاہوں میں حسنِ مصطفیٰ ﷺ کے جلوے مچلتے ہیں اور جن کا قلبِ اطہر اسرار و معارفِ خداوندی کا گنجینہ ہے، جن کے دل میں رحمتِ الٰہی اور عشقِ رسول (ﷻ و ﷺ) کا سمندر موجزن ہے، جن کا ہر عمل تسلیم و رضا کی عملی تفسیر ہے، جن کا ہر قدم صراطِ مستقیم سے بھٹکے ہوئے انسانوں کے لیے نشانِ منزل ہے، جن کے ادنیٰ اشارے سے تقدیر پلٹ جاتی ہے، مجرم محترم اور ملزم مکرم بن جاتا ہے، جن کا ہر سانس ذکرِ اللہ ہو میں محو رہتا ہے، جن کے جاہ و جلال سے شہنشاہوں کے دل لرزتے ہیں۔

دنیائے اسلام کی اس عظیم الشان اور جلیل المرتبت شخصیت کو اپنے درمیان پا کر قیدی خوشی اور مسرت سے پھولے نہیں سماتے تھے، آج وہ اپنے آپ کو دنیا کے بڑے خوش قسمت اور خوش بخت انسان سمجھ رہے تھے، ان کے سر فخر سے تن گئے تھے اور گوالیار کی سخت ترین اور رسوائے زمانہ جیل، جیل نہیں بلکہ فردوسِ بریں معلوم ہو رہی تھی۔ آپ کی آمد سے جیل میں بہار آ گئی تھی، ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں رشد و ہدایت کی شمع جل اٹھی تھی اور کفر و طغیان کے اندھیروں میں نیکی و شرافت کے ستارے جگمگا اٹھے تھے۔ جیل کا نقشہ مندر کی بجائے مسجد میں بدل گیا تھا، بڑے بڑے منکروں اور سرکشوں کے سر خدائے بزرگ و برتر کے حضور جھک گئے تھے، پتھروں کی مورتیوں کے آگے سر جھکانے والے ربِ کعبہ کے حضور سر بسجود ہو گئے تھے اور رام رام کرنے والے محمد عربی ﷺ کے نغمے الاپنے لگے تھے۔ جیل کی فضا تکبیر و رسالت کے نعروں اور اذان کی روح پرور صداؤں سے گونجنے لگی تھی، جیل میں باقاعدہ مدرسہ قائم ہو گیا تھا۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی پاسبانی، قرآن و سنت کی حکمرانی، شریعتِ مطہرہ کی نگہبانی، نیکیوں کی فراوانی، معاشرے کی اصلاح، برائیوں کے استیصال، اسلامی تعلیمات کے فروغ اور تجدید و احیائے دین کا وہ مبارک فریضہ جو جیل کی کالی دیواروں سے باہر کھلی فضا میں انجام دیتے تھے، اب وہی مقدس فریضہ آپ سنتِ یوسفی پر عمل کرتے ہوئے، حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے جیل میں بھی انجام دے رہے تھے، آپ کی مساعیٔ جمیلہ اور تبلیغی و تجدیدی کوششوں سے جیل میں ایک انقلاب برپا ہو گیا تھا۔ یہ وہی

انقلاب تھا جسے روکنے اور اس کے آگے بند باندھنے اور اپنے باپ اکبر کے دینِ الٰہی کے خلاف سیاہ کارناموں پر پردہ ڈالنے کے لیے جہاں گیر نے آپ کو پابندِ سلاسل اور پسِ دیوارِ زنداں کیا تھا۔ اکبر اور جہاں گیر کے وہ کون سے سیاہ کارنامے تھے، جن کی سیاہی سے اپنے چہروں اور تاجِ شاہی کو بچانے کے لیے جہاں گیر نے حضرت مجدد الف ثانی ﷫ جیسی برگزیدہ ہستی کو جیل کی کوٹھڑی میں بند کیا تھا؟

آیئے! ان سے آگاہی کے حصول کے لیے ان سیاہ اور ہول ناک کارناموں کے چشم دید گواہ ملا عبدالقادر بدایونی کی زبانی تفصیل سنیے، جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

"اکبر کو خلیفۂ زماں اور مہدی قرار دیا گیا، نصاریٰ کی طرح صور و ناقوس بجائے جاتے، برہما، مہادیو، بشن، کشن وغیرہ کی تعظیم کی جاتی، دن میں چار مرتبہ سورج کی عبادت کی جاتی اور خود بادشاہ اس کے ایک ہزار ناموں کا ورد کیا کرتا تھا، نام نہاد اکبر، ربِ اکبر کے حضور جھکنے کی بجائے قشقہ لگا کر آگ، پانی، درخت اور تمام مظاہرِ قدرت ہی نہیں، گائے کے گوبر تک کی پوجا کیا کرتا تھا، خنزیر اور شیر کو مباح اور گائے کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا، سود، شراب اور جوئے کو حلال ٹھہرایا گیا، سولہ سال سے پہلے لڑکے اور چودہ سال سے قبل لڑکیوں کا نکاح ممنوع ہو گیا، جوان عورتوں کو منہ کھول کر چلنے کی تلقین کی گئی، ختنے کی عمر بارہ سال کے بعد رکھی گئی، مردے کو پانی میں ڈالنے یا جلانے یا درخت سے باندھنے کا حکم دیا گیا، قبلہ کی طرف مردے کے پاؤں کرنے کا آرڈر نافذ کیا گیا، تناسخ پر یقین کیا گیا، اکبر کو سجدہ کیا جاتا، قرآن کو مخلوق، وحی کو محال اور معراج و شق القمر کو غلط کہا گیا، احمد، محمد، مصطفیٰ جیسے نام تبدیل کیے جانے لگے---[بحوالہ مجدد الف ثانی ایک تحقیقی جائزہ]

یہی وہ پرفتن حالات تھے جن کی اصلاح کے لیے مجسمۂ ایثار و قربانی اور پیکرِ جرأت و استقامت حضرت مجدد الف ثانی ﷫ طوق و سلاسل اور جیل کی صعوبتیں برداشت کر رہے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی ﷫ کو جیل آباد کیے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا، اس عرصے میں جیل سے باہر آپ کے عقیدت مندوں نے سب سے بڑا اور اہم کارنامہ یہ انجام دیا کہ کابل کے گورنر مہابت خان کی قیادت میں حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر کے جہاں گیر سے باقاعدہ جنگ کی اور دارالسلطنت دہلی پر قبضہ کر کے حضرت مجدد سے درخواست کی کہ دہلی کا تخت خالی ہے، آپ تشریف لا کر تخت و تاج سنبھال لیں۔ حضرت نے جواب دیا:

''فقیر کو تخت و تاج اور حکومت و سلطنت کی کوئی خواہش نہیں، میری قید ایک اعلیٰ مقصد اور نصب العین کے لیے ہے''---

حضرت کے اس فرمان کے بعد آپ کے مریدِ صادق مہابت خان نے جہاں گیر کو رہا کر دیا اور خود آدابِ شاہی بجا لایا۔ حضرت کے فرمان اور عمل سے جہاں گیر کے دل کی سیاہی اور شکوک و شبہات دور ہو گئے اور اس نے حضرت کی رہائی کا حکم صادر کر دیا:

تخت سکندری پر ، وہ تھوکتے نہیں
بستر لگا ہوا ہے ، جن کا تری گلی میں

اللہ رے جرأت و استقامت! آپ نے رہا ہونے سے انکار کر دیا اور اپنی رہائی کے لیے یہ شرائط پیش کیں:

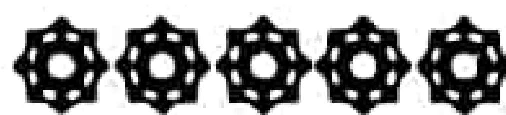
''جو مساجد شہید کی گئیں، ان کو تعمیر کیا جائے، کفار سے جزیہ لیا جائے، بادشاہ کو دربار میں سجدہ بند کیا جائے اور گائے کے ذبیحہ کی فی الفور اجازت دی جائے''---

بادشاہ نے آپ کی یہ تمام شرائط بہ طیبِ خاطر قبول کر لیں۔

---o---

آج پھر جیل میں خصوصی انتظامات کیے جا رہے تھے، سارا عملہ چاک و چوبند تھا کیوں کہ آج جیل کا انوکھا اور نرالا مہمان جیل سے رخصت ہو رہا تھا اور آج اس کے استقبال کے لیے جیل کے صدر دروازے پر عمائدینِ سلطنت، جہاں گیر کے وزیر، سفیر اور مشیر موجود تھے، حضرت نے جوں ہی جیل سے باہر قدم رکھا، حکومت کے نمائندوں نے آپ کی شاہانہ تعظیم و تکریم کی اور بصد ادب و احترام آپ کو جیل سے رخصت کیا، بوقتِ رخصت دینِ اسلام کے احیاء اور سر بلندی کی وجہ سے آپ کا سر بلند تھا اور حکومت کے نمائندوں کا سر جھکا ہوا تھا:

گردن نہ جھکی جس کی جہاں گیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہ بان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار



تجدید واحیائے دین کے ایک روشن مہتاب

پیر مہر علی شاہ قدس سرہ العزیز

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی

فخرِ علم وآگہی، نشانِ ولایت، نباضِ تقاضاہائے عصر، متلاشیانِ حق کے ملجا، حکمت ومعرفت کے سیلاب آفریں دریا، بادۂ توحید میں سرمست، عشقِ رسالت میں غرقاب، ناظرینِ حدیث کے امام اور استاذ، وارفتگانِ شوق کے کعبہ، عابدوں کے رہنما، زاہدوں کے قافلہ سالار، صوفیوں کے پیشوا اور علماء کے لیے افتخار کا زرنگار سہرا، اقلیمِ فقر کے شہنشاہ، جود وسخا کے بحرِ بے کراں، اللہ ﷻ کے سامنے فقیرِ شاکر، اکابرین کا فخر، معاصرین کے رشک، پیش رو حکماء کی آرزو اور آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ، واصلِ مراتبِ عظیمہ، حرمتِ قرآن کے نگہبان، ناموسِ احادیث کے پاسبان، ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی فقہ کو دلائل سے آب دار کرنے والے، عصرِ حاضر کی گتھیاں سلجھانے والے، ابن عربی کے علوم کو حیاتِ نو بخشنے والے، ابنِ سینا کے پژمردہ افکار کو رنگ ونکہت عطا کرنے والے، سلمان اور ابوذر کے پرتو، سہیل اور بلال کا آئینہ، غزالی اور رازی کے علوم کے جامع، آلوسی وطنطاوی کی شان، تفسیر اور حدیث کے نکتہ دان، بے مہار عقل اور تقلیدِ جامد میں متوازن راہ کے سالک، شریعت کے سنگم، معرفت اور حقیقت کے مرج البحرین--- یہ تھے پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

جہالت وضلالت کی تاریکیاں نہ جانے کب سے کسی ہدایت دینے والے آفتاب کی منتظر تھیں، نہ جانے کب سے ان گنت ہونٹوں پر دعائیں مچل رہی تھیں، کتنی آہیں مضطرب تھیں اور کتنی فریادیں تڑپ رہی تھیں، وہ آئے تو زمانے نے ان کو یوں گلے لگایا جیسے کب سے ان کی راہ دیکھ رہا تھا، وہ جس میدان میں گئے، چھا گئے، مکتب میں گئے تو اساتذہ نے ان کو پڑھانا اپنا فخر سمجھا، طلبہ کے جھرمٹ میں ایسے، جیسے ستاروں میں چاند، علماء میں آفتاب، آرزوؤں میں ابراہیم، فراعنہ میں موسیٰ، ان کی نثر میں دلائل کی فراوانی اور نظم میں جذبات کی جولانی، ان کی شخصیت کا ہر پہلو ایک مکمل کتاب۔

ہندوستان، پہلی جنگِ آزادی کے خونی دور سے گزر رہا تھا، سلطنتِ مغلیہ دم توڑ چکی تھی، برِصغیر چکی میں پستا ہوا مکمل طور پر افرنگ کے پنجۂ استبداد میں آچکا تھا، دینِ اسلام کے اساطین جو زندہ تھے، پابندِ سلاسل تھے اور جو امر ہو چکے تھے، وہ اپنی یادوں کے چراغ جلتے چھوڑ گئے تھے۔ غلامی کی اس تنگ وتاریک فضا میں حریت کا یہ چراغ یکم رمضان ۱۲۷۵ھ، بروز پیر، رونق سرائے عالم ہوا اور اللہ تعالیٰ کی جو سنتِ جاریہ ہے کہ وہ بد اعمالیوں، گمراہیوں اور بدعات کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں تجدید واحیائے دین کے لیے ایک روشن مہتاب ظہور میں لاتا رہا ہے، اسی سنت کے مطابق آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔

بچپن ہی سے آپ کو شہروں سے وحشت اور ویرانوں سے الفت تھی، آپ کی اکثر راتیں پہاڑیوں، وادیوں اور گھاٹیوں میں گزرتیں، آپ کو ناظرہ قرآن مجید پڑھنے کے لیے مکتب میں داخل کرایا لیکن آپ قرآن کے حافظ بن کر نکلے۔ کرم خوردہ اوراق کو بھی آپ مسلسل عبارت کی طرح روانی سے پڑھتے، پڑھنے، لکھنے میں آپ اس قدر منہمک اور مستغرق تھے کہ عشاء سے فجر تک موسم سرما کی طویل راتیں مسلسل مطالعہ میں گزر جاتیں۔

آپ تدریجاً تعلیم کے مراحل طے کرتے رہے، مولانا سلطان محمود انگوی، مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور مولانا احمد علی محدث سہارن پوری ایسے مشاہیرِ عصر کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے رہے۔

صوفیہ نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق وحدت کے جلووں کو دیکھا، کوئی بحرِ توحید میں اس طرح غرقاب اور سرمست ہوا کہ اس عالم رنگ و بو میں اسے الوہیت کے سوا کچھ نظر نہیں آیا۔ پھولوں کی مہک ہو یا ستاروں کی چمک، پانی سے چھلکتے ہوئے آب شار ہوں یا ابلتے ہوئے چشمے، آفتاب کی نور افگن شعاعیں ہوں یا مہتاب کی روپہلی کرنیں، سر بہ فلک پہاڑوں کی چوٹیاں ہوں یا لہلہاتی کھیتیاں، برساتی ندیاں ہوں یا نیلگوں سمندر، وہ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں، یہ سب کچھ نہیں، یہ

محض اعتبارات ہیں، ان سب کا وجود اعتباری، انتزاعی اور ظلّی ہے:

﴿کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ﴾---

مابہ الموجودیت تو وجود حقیقی ہے، جو واحد بالشخص اور واجب بذاتہ ہے۔

﴿ھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ﴾، ﴿وَ فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَo﴾---

بس حقیقت میں وہی ہے، اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ ایک انتزاع اور اعتبار ہے، جیسے فوق اور تحت، یمین اور یسار، قدام اور خلف، سراب نہیں، فریب نظر نہیں، لا ادریہ کا واہمہ نہیں، اس کے باوجود یہ سب نسبتیں ہیں، حقیقت تو وہ ذات ہے جس کے ساتھ یہ نسبتیں قائم ہیں۔ اسی طرح صوفیہ کہتے ہیں:

''یہ جو کچھ تمہیں نظر آتا ہے ایک اعتبار ہے، حقیقت تو وہ ذات ہے جس کے ساتھ موجودات کا یہ نظام قائم ہے، پس وہی حقیقت ہے، وہی وجودِ واحد ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں اور یہی وحدۃ الوجود ہے''---

پیر صاحب نے وحدۃ الشہود اور وحدۃ الوجود کے درمیان یہ کہہ کر ربط و تعلق پیدا فرمایا ہے کہ وحدۃ الشہود ابتدائے سلوک اور نفسِ ایمان ہے اور وحدۃ الوجود انتہائے مقام اور کمالِ ایمان ہے۔ اس مرتبے کے لیے نہ تو امتِ سابقہ مکلف تھی اور نہ امتِ محمدیہ مکلف ہے۔ یہ اخص الخواص کا مشاہدہ ہے، یہ حال ہے، قال نہیں، منصور حلاج ہو یا بایزید بسطامی، ابن عربی کی ''فتوحات'' ہو یا فضلِ حق کی ''الروض المجود'' سب حال ہیں اور نظر قال میں آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں سب سے افضل حضور ﷺ کو بنایا۔ اللہ اللہ! ان کی عظمتوں کا کیا کہنا جن کی مرضی بدلے تو قبلہ بدل جائے، جن کی توجہ ہٹے تو بیت المقدس اپنی جگہ سے ہٹ جائے، جن سے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کہے:

''مشرق و مغرب میں سے کسی جگہ کے ساتھ ہماری خصوصیت نہیں، تم جس طرف رخ کرلو گے، وہی ہمارا قبلہ ہے''---

دل بے لگام ہوتا ہے، اس پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے صاف کہہ دیا:

''جس شخص نے ان کے حکم کے خلاف دل میں ناگواری رکھی، اس کا ایمان نہیں رہے گا''---

یہاں بے قابو دل کو قابو میں رکھنا ہوگا، پسند وہ ہو جو ان کو پسند ہے، ناپسند وہ ہو جو ان کو ناپسند ہے، طبیعت ان کی طبیعت میں ڈھل جائے، مزاج ان کے مزاج میں بدل جائے، وہ جنھیں دنیا

میں مغفرت کی نوید سناتا ہے۔

﴿عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا o﴾ کا مژدہ دیا۔

﴿وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی o﴾ کی بشارت دی۔

ساری مخلوق اسے راضی کرنے کے لیے نماز پڑھتی ہے، ان ﷺ سے کہا کہ تم نماز اس لیے پڑھو تاکہ تم راضی رہو:

﴿فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی o﴾---

ساری مخلوق اسے دیکھتی ہے، وہ انھیں ﷺ دیکھتا ہے:

﴿اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ o وَ تَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ o﴾---

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مانگا:

﴿وَ لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ o﴾---

انھیں ﷺ بن مانگے فرمایا:

﴿یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾---

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مانگا:

﴿رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْکَ﴾---

انھیں ﷺ بن مانگے فرمایا:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ﴾---

حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا:

﴿لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰی﴾---

اور ان ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی o﴾---

حضرت موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ﴾---

رب جل جلالہ کہتا ہے:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ o﴾---

جس زمانے میں جب بھی کوئی نبی آیا تو کہتا تھا:

''تم میرا کلمہ پڑھتے ہو، یاد رکھو جب وہ آجائیں گے پھر میں بھی ان کا کلمہ پڑھوں گا، تم بھی ان کا کلمہ پڑھنا، میں بھی ان کا منتظر ہوں تم بھی ان کا انتظار کرو''---

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

﴿فَاکْتُبْ لَنَا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ اِنَّا ھُدْنَآ اِلَیْکَ﴾---

''اے اللہ! ہمارے لیے دنیا اور آخرت میں بھلائی مقدر کر دے''---

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں دنیا کی بھلائی لکھ دوں گا، مگر ان کے لیے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰاۃِ وَ الْاِنْجِیْلِ﴾---

دیکھو! مانگ حضرت موسیٰ علیہ السلام رہے ہیں اور مل رہا ہے مصطفیٰ ﷺ کے پیروکاروں کو، آپ ﷺ کے غلاموں کو۔ زمانہ کسی نبی کا ہو، کسی رسول کا ہو، سکہ چلتا تھا تو مصطفیٰ ﷺ کا چلتا تھا، بول بالا تھا تو میرے نبی ﷺ کا بالا تھا۔ جس زمانے میں کچھ لوگ مقامِ مصطفیٰ ﷺ کو کم کر رہے تھے، آپ ﷺ کے ذکر کو گھٹا رہے تھے، کوئی آپ ﷺ کے علم کو کم بتا تا تھا، کوئی آپ ﷺ کی قدرت میں کمی ثابت کرتا، کوئی معاذ اللہ آپ ﷺ کی حیات کا انکار کرتا، حضرت پیر صاحب ایسے لوگوں سے معرکہ آراء ہوئے، اصحابِ تنقیص کے ہر سوال کا جواب دیا، ہر اعتراض کو اٹھایا، نا آشنا لوگوں پر مقامِ مصطفیٰ ﷺ واضح کیا اور محبتِ رسول ﷺ سے خالی دلوں میں عشقِ رسالت کی آگ بھڑکا دی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سر پر ''اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمُ اھْتَدَیْتُمْ'' کا سایہ ہے، ابرو ہیں یا ''اللہ اللہ فی اصحابی'' کی کمانیں ہیں، رخساروں پر ''مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ'' کا غازہ ہے، جن کا سراپا رسول اللہ ﷺ کا اسوہ، جو ''رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ'' کی سند ہیں، جو بعد کے لوگوں کے لیے ''وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ'' کی ضمانت ہیں، عشرہ مبشرہ ہیں، خلفاء راشدین ہیں، جو سرکار ﷺ کی تربیت کے شاہکار ہیں، نگاہِ نبوت کے فیض یافتہ اور جامعۂ رسالت کے فارغ التحصیل، جن کی محبت میں کمی ہو تو نفاق کا اندیشہ، جن کی تعظیم میں فرق آئے تو کفر کا فتویٰ۔

پیر صاحب علیہ الرحمہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبے اور مقام کو واضح کیا، اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کو نص قرآن سے ثابت کیا۔ ایک اثنا عشری عالم نے کہا کہ خلافت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ﴾---

لہٰذا اس آیت کی رو سے اللہ تعالیٰ نے ایک دو نہیں بلکہ دو سے زیادہ اصحابِ رسول ﷺ سے زمین میں خلافت عطا کرنے کا وعدہ فرمایا اور بعد کے واقعات سے یہی ثابت ہوا۔ اگر امامیہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شش ماہ خلافت کو بھی شامل کر لیں تب بھی وعدۂ الٰہی دو اصحابِ رسول تک محدود رہتا ہے، حالاں کہ آیتِ کریمہ میں لفظ ''ھُمْ'' کم از کم تین خلفاء کا تقاضا کر رہا ہے، پھر وہ تیسرے خلیفۂ برحق ثابت کرنے کے لیے کس کو پیش کریں گے، جس کی خلافت زمین پر قائم رہی؟

حضرت پیر صاحب جس دور میں پیدا ہوئے اس زمانے میں اقتدارِ افرنگ کا آفتاب کہیں غروب نہیں ہوتا تھا۔ برِ صغیر کے امراء اور والیانِ ریاست، فرنگیوں کی حکومت کا دم بھرتے تھے، علماء ومشائخ اور رؤسا ان میں سے کچھ ایسے تھے جو سرکارِ انگریز کی آنکھوں کا کاجل بنے ہوئے تھے، کچھ ایسے تھے جو افرنگ کے پاؤں کی مہندی بنے ہوئے تھے اور کچھ ایسے تھے جو انگریز ریذیڈنٹ (Resident) کی بگھی میں گھوڑوں کی طرح جت جانا اپنے ماتھے کا جھومر سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز کی خوشامد خوش نصیبی کی علامت تھی اور انگریز سے احتراز اور اجتناب یا اس کا عتاب تباہی اور بربادی کا نشان تھا۔ بعض مصلحت کوش اور ابنائے وقت انگریز کے قرب کو مسلمانوں کی معاشی بہبود، خوش حالی اور سیاسی اقتدار کا باعث خیال کرتے تھے۔ ابتلا کے اس دور میں کچھ مردانِ خدا ایسے بھی تھے جو ہر کٹھن آزمائش سے گزر گئے، سختیوں کے سارے وار تنہا اپنی جان پر جھیل گئے، لیکن اپنے دامن کو انگریز کی خوشامد سے داغ دار نہیں ہونے دیا۔ اہلِ جرأت کے اس قافلے میں حضرت پیر صاحب کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ ۱۹۱۱ء میں جارج پنجم دہلی میں اپنا دربار سجا رہا تھا اور ہر طبقے سے نمائندہ حضرات دربار میں شریک ہو کر جارج پنجم کو سلامی دے رہے تھے، دینی رہنماؤں کی فہرست میں آپ کا نام بھی شامل تھا، جارج کے دربار میں آپ کو بھیجنے کے لیے ہر طرف سے کوشش کی گئی، متعدد طریقوں سے آپ پر دباؤ ڈالا گیا، آپ نے ہر چیلنج کو قبول کیا لیکن پیہم اصرار کے باوجود جارج پنجم کے دربار میں حاضری نہیں دی۔

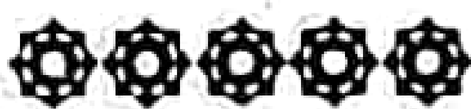
یہ گفتگو ادھوری رہے گی اگر مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ آپ کے معرکہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ غلام احمد قادیانی ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا، ۱۸۶۴ء میں مروّجہ علوم سے فارغ ہوا، ۱۸۸۲ء میں مبلغ کی حیثیت سے ظاہر ہوا، ۱۸۸۶ء میں الہام کا دعویٰ کیا، ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود کا دعویٰ کیا، ۱۹۰۱ء میں

پچھلے تمام دعووں کو غلط قرار دے کر ظلی نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اس کے بعد بتدریج مستقل اور صاحبِ شریعت نبی کی منازل طے کرتا رہا، بالآخر ۱۹۰۸ء میں اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ حضرت پیر صاحب نے غلام احمد قادیانی کے تمام دعووں کو رد کیا، اس کی تصانیف میں علمی اغلاط، خیانت اور سرقے کی نشان دہی کی، روبرو گفتگو کی دعوت دی، لیکن وہ آپ کے سامنے آنے کی ہمت نہ کر سکا۔

آپ کی پوری زندگی سعیِ پیہم اور جہدِ مسلسل سے عبارت ہے۔ آپ نے علم و آگہی کے چراغ جلائے، طریقت اور معرفت کی قندیلیں روشن کیں، غلامی کی زنجیریں کاٹنے کے لیے قوم کے مردہ تن میں حریت کی روح پھونکی، باطل سے ٹکرائے، بیگانوں کو یگانہ اور پرائیوں کو اپنا بنایا، امیروں سے دور رہے، غریبوں کو گلے لگایا، بیماروں کی عیادت کی، حاجت مندوں کے کام آئے، کمزوروں اور ناتواں لوگوں کا بوجھ اٹھایا، مصائب میں شاکر اور فراغت میں فیاض رہے، کفار کے لیے شمشیر برہنہ اور مسلمانوں کے لیے بنے بریشم کی طرح نرم، حیاتِ مستعار کے ۸۲ رسال یوں ہی گزر گئے اور ۱۳۵۶ھ میں ان گنت ارادت مندوں کو سوگ وار چھوڑ کر واصل بحق ہو گئے۔

حضرت پیر مہر علی علیہ الرحمہ عالم، فاضل، عابد و زاہد، فیاض اور جواد، ان کا چہرہ خوفِ الٰہی سے زرد اور محبتِ رسول ﷺ سے روشن رہتا تھا، ان کے فیضان کا جو سلسلہ ان کی زندگی میں قائم ہوا، مسلسل بڑھ رہا ہے، اصول و فروع اور عقائد و اعمال میں امتِ مسلمہ کو صراطِ مستقیم پر جو استقامت اور تصلّب حاصل ہے، اس میں پیر صاحب کا وافر حصہ ہے، انھوں نے آیاتِ قرآن کا صحیح محمل بیان کیا، احادیثِ رسول ﷺ کی وضاحت کی، ان کے حلقے میں شریک ہو کر نجانے کتنے افراد دنیائے شریعت و طریقت میں امر ہو گئے، انھوں نے ذرّوں کو اٹھایا تو رشکِ ماہ تاب بنا دیا، ننگِ انسانیت کو فخرِ ملائکہ بنا دیا۔

سلام ہو اس رجلِ عظیم پر جس نے جھلملاتے چراغوں کو سورج کی توانائیاں بخشیں، آفریں ہو اس مردِ کامل پر جس نے علومِ اسلامیہ کو رعنائیاں دیں۔ آج سلسلۂ چشتیہ میں انھی کے فیض کے دھارے بہ رہے ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کی، اللہ ﷻ نے ان کے ذکر کو ایک عالم میں پھیلا دیا، دلوں میں ان کی محبت و عقیدت کے چراغ روشن کر دیے، جب تک مکاتب میں قیل و قال کی محفل سجی رہے، جب تک خانقاہوں میں خرقہ پوشوں کی مجلس جمی رہے، آسمانِ رحمت سے ان کی قبر پر انوار و تجلیات کی برسات ہوتی رہے اور جن و انس کا ایک جہان مہر علی کو سلام کرتا رہے۔



وفیات

گزشتہ دنوں:

فضیلۃ الشیخ السید یوسف السید ہاشم الرفاعی (کویت) کے والد گرامی---

گولڑا شریف کے مفتی، ممتاز عالم دین حضرت علامہ مفتی فیض احمد (مصنف مہر منیر)---

پیر طریقت صاحبزادہ سردار احمد، کھر پڑ شریف کی پھوپھی صاحبہ---

دار العلوم کے قدیم فاضل مولانا حاجی نذر محمد نوری، تلہ کمبوہ، دیپال پور---

سید محمد زاہد گیلانی، سابق چیئرمین دیپال پور کی والدہ محترمہ---

دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور شریف کے محرر محمد شریف نوری کی والدہ محترمہ---

مولانا محمد دین نوری، مستری غلام رسول نوری (آرے والے) کے والد، دار العلوم کی قدیم کچی عمارت کے معمار نہایت مخلص اور صالح حاجی مستری غلام نبی نوری، بصیر پور---

مولانا غلام مصطفیٰ نوری (حجرہ شاہ مقیم) چک 51/2.L اوکاڑا کے جواں سال صاحبزادے---

مولانا محمد یوسف نوری، بھڈال اتاڑ، حویلی لکھا کی ممانی صاحبہ---

مولانا احمد علی نوری، رسول پور، منڈی احمد آباد کے والد گرامی---

مولانا حافظ محمد اکبر وٹو، خطیب ڈسٹرکٹ پولیس لائن اوکاڑا کی والدہ محترمہ---

میاں محمد معین خاں وٹو، سابق چیئرمین ضلع کونسل اوکاڑا، جمال کوٹ کی والدہ محترمہ---

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ، آفیسر زرعی ترقیاتی بنک، بصیر پور---

ماسٹر محمد یٰسین، نئی آبادی بصیر پور کے جواں سال بیٹے ماسٹر حاجی محمد طاہر---

شیخ محمد نصر اللہ نوری، نوری بیکری بصیر پور کی والدہ صاحبہ---

ڈاکٹر محمد مظہر الحق، بصیر پور کے والد محترم---

مبارک علی، بشارت علی کھچر کے والد اور غلام رسول سٹی ٹیلرز، بصیر پور کے بھائی حاجی نور احمد نوری---

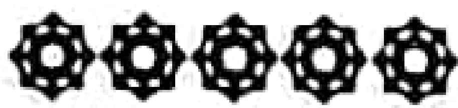
عثمان خالد نوری، نفیس آپٹیکل ساہیوال کی والدہ محترمہ--- اور

فوجی غلام یٰسین نوری، میکلوڈ گنج کی اہلیہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں---

انا للہ و انا الیہ راجعون

جانشین فقیہ اعظم الحاج صاحبزادہ مفتی محمد محب اللہ نوری مدظلہ العالی نے دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے---

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ و سلم علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین



شہیدِ محبت

صاحبزادہ سید خورشید احمد گیلانی

علامہ اقبال کا ایک مصرعہ ہے:

طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

یعنی بعض اوقات ایک آہ کے فاصلے پر منزل ہوتی ہے یا لمحے بھر میں سو سال کا سفر طے ہو جاتا ہے --- یہ مصرعہ زبان پر آتے ہی ذہن بے اختیار شہید ناموس نبی غازی علم الدین کی طرف منتقل ہو جاتا ہے --- اس نے صدیوں کا سفر اس تیزی اور کامیابی سے طے کیا کہ ارباب زہد و تقویٰ اور اصحاب منبر و محراب بس دیکھتے ہی رہ گئے --- اس نے ایک قدم انار کلی، ہسپتال روڈ پر اٹھایا اور دوسرے قدم پر جنت الفردوس میں پہنچ گیا --- اسی جنت کی تلاش میں زاہدوں اور عابدوں کے نجانے کتنے قافلے سرگرداں رہے؟ --- کیسے کیسے لوگ غاروں کے ہو کر رہ گئے؟ --- کئی پیشانیاں رگڑتے اور سر پٹختے رہے --- ہزاروں سر بگریباں چلہ کش اسی آرزو میں دنیا سے اٹھ گئے --- لاکھوں طواف و سجود میں غرق رہے --- بے شمار صوفی و ملا وقف دعا رہے --- ان گنت پرہیزگار خیالِ جنت میں سرشار رہے --- خدا ان سب کی محنت ضرور قبول کرے گا --- لیکن غازی علم الدین

کا مقام دیکھیے، نہ چلہ کیا، نہ مجاہدہ --- نہ حج کیا، نہ عمرہ کیا --- نہ دیر میں قشقہ کھینچا، نہ حرم کا مجاور بنا --- نہ مکتب میں داخلہ لیا، نہ خانقاہ کا راستہ دیکھا --- نہ کنز، قدوری کھول کر دیکھی، نہ رازی و کشاف کا مطالعہ کیا --- نہ حزب البحر کا ورد کیا، نہ اسم اعظم کا وظیفہ پڑھا --- نہ علم وحکمت کے خم و پیچ میں الجھا، نہ کسی حلقۂ تربیت میں بیٹھا --- نہ کلام و معانی سے واسطہ رہا، نہ فلسفہ و منطق سے آشنا ہوا --- نہ مسجد کے لوٹے بھرے، نہ تبلیغی گشت کیا --- نہ کبھی شیخی بگھاری، نہ کبھی شوخی دکھائی --- اسے پاک بازی کا خبط نہیں، محبوب حجازی ﷺ سے ربط تھا --- وہ تسبیح بدست نہیں، مست مئے الست تھا --- وہ فقیہ مسند آراء نہیں، فقیر سرراہ تھا --- یہی وجہ ہے کہ اس نے مصلحت کیشی سے نہیں، جذبۂ درویشی سے کام لیا --- چنیں و چناں کے دائروں سے نکل کر کون و مکاں کی وسعتوں میں جا پہنچا --- وہم و گمان کی خاک جھاڑ کر ایمان و عشق کے نور میں ڈھل گیا --- نجانے ہاتف غیب نے چپکے سے اس کے کان میں کیا بات کہی کہ پل بھر میں دل کی کائنات بدل گئی:

پروانے کا حال اس محفل میں، ہے قابل رشک اے اہل نظر
اک شب میں ہی یہ پیدا بھی ہوا، عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

خدا معلوم کتنی ریاضت سے آغوش بسطام نے بایزید کی پرورش کی --- خاکِ بغداد نے جنید کو جنم دیا --- شہر قونیہ نے مولانا روم کو بنایا --- دہلی نے شاہ ولی اللہ کو پیدا کیا --- اور ادھر علم الدین، بڑھئی کی دوکان سے اٹھا اور ایک ہی جست میں زمان و مکان طے کر ڈالے --- علامہ اقبال کو جب غازی علم الدین کے بارے میں بتایا گیا کہ ایک اکیس سالہ ان پڑھ اور مزدور پیشہ نوجوان نے گستاخ رسول راج جپال کو بڑی جرأت اور پھرتی سے قتل بلکہ واصل جہنم کر دیا ہے، تو حضرت علامہ نے گلوگیر لہجے میں فرمایا:

"اسی گلاں ای کر دے رہ گئے، تے ترکھناں دا منڈا بازی لے گیا" ---

(ہم باتیں ہی بناتے رہے اور بڑھئی کا بیٹا بازی لے گیا) ---

حضرت علامہ نے غالباً اسی موقع کے لیے کہا ہے:

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

جس زمانے میں یہ رسوائے زمانہ کتاب لکھی اور چھاپی گئی، شہر لاہور میں ظاہر ہے حق ہو کے

زلزلے ہوں گے---علم وفضل کے چرچے ہوں گے---تقریر وتحریر کے ہنگامے ہوں گے---وعظ ونصیحت کے غلغلے ہوں گے---ادیبوں اور خطیبوں کے طنطنے ہوں گے---لیکن شاتم رسول کو اسفل السافلین میں پہنچانے کی سعادت کسی صوفی باصفا، کسی امامِ ادب وانشاء، کسی خطیب شعلہ نوا اور کسی سیاسی رہنما کے حصے میں نہیں آئی، بلکہ ایسے مزدور کو ملی، جو ممتاز دانش ور نہیں، معمولی کاری گر تھا---جس کی پیشانی پر علم وفضل کے آثار نہیں، ہاتھوں میں لوہے کے اوزار تھے---خدا معلوم وہ نمازی تھا یا نہیں، لیکن صحیح معنوں میں غازی نکلا---وہ کلاہ ودستار کا آدمی نہیں تھا، مگر بڑے کردار کا حامل بن گیا---غازی علم الدین شہید کو دیکھ کر کم از کم یہ یقین ضرور ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کی عبادت کے طول وعرض پر نہیں جاتا، بلکہ کسی کے جذبۂ بے غرضی کو شرف قبولیت بخشتا ہے---اس کے ہاں شب زندہ داری سے زیادہ دل کی بے قراری کام دیتی ہے---وہ کسی کے ماتھے کا محراب نہیں دیکھتا، نہاں خانہ قلب کا اضطراب دیکھتا ہے---اسے نیکیوں کے سفینے نہیں، گوشۂ چشم پر آنسوؤں کے نگینے درکار ہوتے ہیں---اسے کسی کی خوش بیانی متاثر نہیں کرتی، کسی کی بے زبانی پہ پیار آجاتا ہے---اسے بوعلی کی حکمت کے مقابلے میں کسی بڑھئی کی غربت پسند آجاتی ہے---اگر یہ بات نہ ہوتی تو غازی علم الدین کبھی مقام شہادت سے سرفراز نہ ہوتا---کسی غزوے کے دوران ایک شخص حضور ﷺ کے دست مبارک پر مسلمان ہوتا ہے اور ساتھ ہی جہاد کی اجازت مانگتا ہے---چند لمحے قبل وہ سپاہ کفر میں شامل تھا---دو ساعتوں کے بعد وہ مجاہدین اسلام کا ساتھی بن جاتا ہے---دولت اسلام سے بہرہ مند اور جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر میدان میں اترتا ہے اور تھوڑی دیر بعد جام شہادت نوش کر جاتا ہے---جنگ کے خاتمے پر حضور ﷺ شہداء کی لاشوں کا معائنہ فرما رہے تھے---جب ثابت بن اصیرم (رضی اللہ عنہ) کی لاش پر پہنچے تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اس شخص کو دیکھو جس نے اسلام قبول کیا مگر نہ نماز پڑھی، نہ اس نے روزہ رکھا، نہ اسے حج کرنے کا موقع ملا، مگر سیدھا جنت میں پہنچ گیا"---

یہی حال غازی علم الدین شہید کا ہے---نہ اس نے فن تجوید وقراءت سیکھا، نہ عربی فارسی پڑھی---نہ رومی کی مثنوی دیکھی، نہ زمخشری کی کشاف پڑھی---نہ دین کے اسرار ورموز سمجھے، مگر ایک راز اس پر ایسا کھلا کہ مقدر کے بند کواڑ کھل گئے---قسمت کا دریچہ کیا کھلا کہ جنت کے

دروازے کھل گئے--- یہ عقل خود بیں کا کرشمہ نہیں، عشق خدا بیں کا معجزہ تھا---کل تک دوکان پر ٹھک ٹھک کرنے والا علم الدین آج کروڑوں مسلمانوں کے سینے میں دل بن کر دھک دھک کر رہا ہے---غریب باپ کو کیا علم تھا کہ اس کی گود میں شہر محبت کا امیر پل رہا ہے--- کچے گھروندے کو کیا خبر تھی کہ اس کے احاطے میں پکے عقیدے کا بچہ چل پھر رہا ہے---سنسان حویلی کو کیا پتہ تھا کہ ایمان کی دولت اس کے دامن میں بھری ہوئی ہے---محلّہ چابک سوراں کا علم الدین، میدانِ عشق کا شاہ سوار نکلا:

یہ رتبۂ بلند ملا ، جس کو مل گیا

غازی علم الدین شہید ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے اور ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو تعزیر جرم عشق میں پھانسی پا کر ہمیشہ کے لیے گستاخانِ رسول کے گلے کی پھانس بن گئے--- ۲۱ برس کی عمر میں صدیوں کا سفر اس خوبی سے طے کیا کہ اس کی گردِ سفر کا ایک ایک ذرّہ، کاروان شوق کے لیے نشان منزل بن کر رہ گیا ہے---نجانے عشاق کے اور کتنے قافلے اس راہ سے گزریں گے، لیکن ان پر لازم ہوگا کہ علم الدین کے نقش کف پا کو چوم کر اپنی منزل کی بو سونگھیں---لوگ زندہ جاوید ہونے کی آرزو میں مر مر کر جیتے اور جی جی کر مرتے ہیں---انہیں جینے کا فن تو آ جاتا ہے، مرنے کا ڈھنگ نہیں جانتے--- وہ غازی علم الدین کی روح سے پوچھیں کہ مر کر امر ہو جانے کا کیا راز ہے؟---فنا کے گھاٹ اتر کر لافانی بننے کا کیا طریقہ ہے؟---گمنام ہو کر شہرت دوام پانے کا کیا نسخہ ہے؟---کسی کے نام پر مٹ کر اَن مٹ ہونے کی رمز کیا ہے؟--- جام شہادت کے ذریعے آب حیات پینے کا کیا گر ہے؟--- غازی کو میاں والی جیل میں پھانسی دی گئی اور وہیں دفن بھی کر دیا گیا---انگریز کا خیال تھا کہ اگر لاش بر سر عام لائی گئی تو ضبط کے سب بندھن ٹوٹ جائیں گے---مگر مسلمانوں کا احتجاج پورے برصغیر میں شدید تر ہو گیا---حکیم الامت علامہ اقبال، سر محمد شفیع، میاں عبدالعزیز مالواڈہ اور مولانا غلام محی الدین قصوری گورنر سے ملے اور غازی کی لاش مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا--- بالآخر ۱۴ ر نومبر کو لاش لاہور پہنچی--- جنازہ چوبرجی جنازگاہ میں پہنچا--- وہاں جنازہ کیا پہنچا، پورا لاہور پہنچ گیا--- اس اعزاز و تکریم کو شہنشاہ ہند ظہیر الدین بابر، مغل اعظم، شاہ جہاں، غیاث الدین بلبن اور دوسرے سلاطین جہاں آج تک ترستے ہوں گے، جو اکرام و اعزاز ''ترکھاناں دے منڈے'' کو نصیب ہوا:

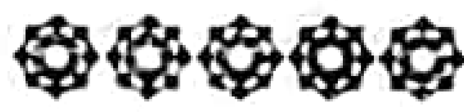
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی لَہٗ

عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

غازی آج قبرستان میانی صاحب میں آسودہ خاک ہے---اس خاک کا ہر ذرہ سرمۂ چشم عشاق ہے---لوگ بقائے دوام پانے کے لیے خضر کی تلاش میں ہیں---جو انہیں چشمۂ حیواں تک پہنچا سکے اور وہ سمجھتے ہیں کہ آب حیات کے دو گھونٹ انہیں حیات جاودانی بخش دیں گے---لیکن انہیں معلوم نہیں کہ حضور ﷺ کے تلووں کا دھوون ہی آب حیات ہے---اس کا ایک قطرہ حیاتِ ابد عطا کر دیتا ہے---علم الدین اپنے دم خم سے نہیں، انہی کی خاک قدم بن کر زندہ و پائندہ ہے:

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما



محبت کا کرشمہ

حضرت جنید بغدادی اور ابن ساباط

مولانا ابوالکلام آزاد

درسِ وفا اگر بود زمزمۂ محبّتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را

ہجرت کی تیسری صدی قریب الاختتام ہے، بغداد کے تخت خلافت پر المعتضد باللہ عباسی متمکن ہے، معتصم کے زمانہ سے دارالخلافہ کا شاہی اور فوجی مستقر سامرہ میں منتقل ہو گیا ہے، پھر بھی سرزمین بابل کے اس نئے بابل میں پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں، ایران کے اصطخر، مصر کے ریسس اور یورپ کے روم کے بعد اب دنیا کا تمدنی مرکز بغداد ہے۔

......چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا، اس لیے ضروری تھا کہ انسانی آبادی و تمدن کے تمام لازمی نتائج موجود ہوتے۔

گندگی میں مکھیاں اور دَل دَل میں مچھر اس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے جس تیزی سے شہروں

کی آب و ہوا جرم اور مجرموں کو پیدا کرتی ہے۔ بغداد کے قید خانے مجرموں سے بھرے ہوئے تھے، پھر بھی اس کی آبادیوں میں مجرموں کی کمی نہیں تھی۔

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کی درویشی و بزرگی کی شہرت ہے، اسی طرح ابن ساباط کی چوری اور عیاری بھی مشہور ہے۔

پہلی شہرت نیکی کی ہے، دوسری شہرت بدی کی ہے۔ دنیا میں بدی، نیکی کی ہر چیز کی طرح اس کی شہرت کا بھی مقابلہ کرنا چاہتی ہے، اگرچہ نہیں کرسکتی۔

دس برس سے ابن ساباط مدائن کے مَحبس (قید خانہ) میں قید ہے، اس کے خوف ناک حملوں سے لوگ محفوظ ہو گئے ہیں، تاہم اس کی عیاریوں اور بے باکیوں کے افسانے لوگ بھولے نہیں۔ وہ جب بھی کسی دلیرانہ چوری کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں ''یہ دوسرا ابن ساباط ہے'' اس دس برس کے اندر کتنے ہی نئے ابن ساباط پیدا ہو گئے مگر پرانے ابن ساباط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کرسکا۔ بغداد والوں کی بول چال میں وہ ''جرائم کا شیطان اور برائیوں کا عفریت'' تھا۔

ابن ساباط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں، جب وہ پہلی مرتبہ سوق النجارین میں چوری کرتا ہوا گرفتار ہوا تو کوتوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی، معلوم ہوا یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہے، اس کے ماں باپ طوس سے ایک قافلہ کے ساتھ آرہے تھے، راہ میں بیمار پڑ گئے اور مر گئے، قافلہ والوں کو رحم آیا اور اسے اپنے ساتھ بغداد پہنچا دیا، یہ اب سے دو برس پیش تر کی بات ہے۔ یہ دو برس اس نے کہاں اور کیوں کر بسر کیے، اس کا حال کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ گرفتاری کے وقت اس کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی، کوتوالی کے چبوترے پر لٹا کر تازیانے مارے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔ اس پہلی سزا نے اس کی طبیعت پر کچھ عجیب طرح کا اثر ڈالا، وہ اب تک ایک ڈرا سہما کم سن لڑکا تھا، اب اچانک ایک دلیر اور بے باک مجرم کی روح اس کے اندر پیدا ہو گئی، گویا اس کی تمام شقاوتیں اپنے ظہور کے لیے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں۔ مجرمانہ اعمال کے تمام بھید اور بدیوں گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں گزرے تھے اب اس پر اس طرح کھل گئے گویا ایک تجربہ کار اور مشاق مجرم کا دماغ اس کے سر میں اتار دیا گیا ہو۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پکا، عیار اور چھٹا ہوا جرائم پیشہ انسان تھا، اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا۔ پہلی مرتبہ جب اس نے چوری کی تھی، تو دو دن کی بھوک اسے نان بائی کی دکان پر لے گئی تھی، لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہو کر نہیں بلکہ جرم کے ذوق سے وارفتہ ہو کر چوری کرتا تھا، اس لیے اس کی نگاہیں نان بائی کی روٹیوں پر نہیں بلکہ صرافوں کی تھیلیوں اور سوداگروں کے ذخیروں پر پڑتی تھیں۔ دن ہو یا رات، بازار کی منڈی ہو یا امیر کا دیوان خانہ، ہر وقت اور ہر جگہ

اس کی کارستانیاں جاری رہتیں۔ اس کے اندر ایک فاتح کا جوش تھا، سپہ سالار کا سا عزم تھا، سپاہی کی سی مردانگی تھی، مدبر کی سی دانش مندی تھی، لیکن دنیا نے اس کے لیے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور ہو، اس لیے اس کی فطرت کے تمام جوہر اسی راہ میں نمایاں ہونے لگے۔

افسوس! فطرت کس فیاضی سے بخشتی ہے مگر انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہے۔ کچھ دنوں بعد جب ابن ساباط کی دراز دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو حکومت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی، آخر ایک دن گرفتار کرلیا گیا۔ اب یہ ایک کم سن لڑکا نہ تھا، شہر کا سب سے بڑا چور تھا۔ عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے، فوراً تعمیل ہوئی اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اس کا پنجا الگ کر دیا۔ ابن ساباط کے ہاتھ کا کٹنا، کٹنا نہ تھا بلکہ سیکڑوں نئے ہاتھوں کو اس کے شانے سے جوڑ دینا تھا۔ معلوم ہوتا ہے دنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے، جوں ہی اس کا ہاتھ کٹا، انہوں نے اپنے سیکڑوں ہاتھ اس کے حوالے کر دیے۔ اب اس نے عراق کے تمام چور اور عیار جمع کر کے اپنا اچھا خاصا جتھا بنالیا اور ساز و سامان کے ساتھ لوٹ مار شروع کر دی۔ تھوڑے ہی عرصے کے اندر اس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں تہلکہ مچا دیا۔ وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں نقب لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا اور یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی کے ساتھ کرتا کہ اس پر یا اس کے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آتی، ہر موقع پر صاف بچ کے نکل جاتا۔ لوگ جب اس کے مجرمانہ کارنامے سنتے تو دہشت و حیرت سے مبہوت ہو جاتے اور پکار اٹھتے:

''یہ ڈاکو نہیں ہے، جرم کی ایک خبیث روح ہے، وہ انسان کو لوٹ لیتی ہے مگر انسان اسے چھو نہیں سکتا''۔۔۔

یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا، مگر ظاہر ہے یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی، آخر وہ وقت آ گیا کہ ابن ساباط تیسری مرتبہ قانون کے پنجے میں گرفتار ہو گیا۔

ایک موقع پر جب اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت نکال دیا تھا اور خود نکل بھاگنے کی تیاری کر رہا تھا، حکومت کے سپاہی پہنچ گئے اور گرفتار کر لیا۔ اس مرتبہ وہ ایک رہزن اور ڈاکو کی حیثیت میں گرفتار ہوا تھا، اس کی سزا قتل تھی۔ ابن ساباط نے جب دیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چمک رہی ہے تو اس کی مجرمانہ خصائل نے اچانک ایک دوسرا رنگ اختیار کر لیا، وہ تیار ہو گیا کہ اپنے بچاؤ کے لیے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کر دے، اس نے عدالت سے کہا کہ اگر اسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتھے کے تمام چور گرفتار کرا دے گا۔ عدالت نے منظور کر لیا، اس طرح ابن ساباط خود تو قتل سے بچ گیا لیکن اس کے سو سے زیادہ ساتھی اس کی نشان دہی پر موت کے گھاٹ اتار

دیے گئے۔ ان چوروں میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے قتل ہونے سے پہلے ابن ساباط پر لعنت نہ بھیجی ہو۔ بدعہدی اور بے وفائی ایسی برائی ہے جسے برے بھی سب سے بڑی برائی سمجھتے ہیں۔ ابن ساباط نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ جرم سے بھی بڑھ کر برائی کا ایک درجہ رکھتا ہے۔

بہر حال اب ابن ساباط مدائن کے قید خانے میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہے، اس کی آخری گرفتاری پر دس برس گزر چکے ہیں، دس برس کا زمانہ اس کے لیے کم مدت نہیں ہے کہ ایک مجرم کی سیاہ کاریاں بھلا دی جائیں، لیکن ابن ساباط جیسے مجرم کے کارنامے مدتوں تک نہیں بھلائے جا سکتے۔ دس برس گزرنے پر بھی اس کے دلیرانہ جرائم کا ذکر بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ لوگوں کو یہ بات تو کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن ساباط ہے کہاں اور کس حالت میں؟ کیوں کہ یہ معلوم کرنے کی انہیں ضرورت بھی نہیں ہے۔ البتہ وہ اس کے دلیرانہ کارنامے بھولنا نہیں چاہتے، کیوں کہ اس تذکرہ میں ان کے لیے لطف اور دل چسپی ہے۔ انہیں ابن ساباط کی نہیں اپنی دلچسپیوں کی فکر ہے۔

انسان کی بے مہریوں کی طرح اس کی دلچسپیوں کا بھی کیسا عجیب حال ہے، وہ عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے لیکن اس کی پروا نہیں کرتا کہ اس کی دل چسپی کا یہ تماشہ کیسی کیسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد ظہور میں آ سکا۔ اگر ایک چور دلیری کے ساتھ چوری کرتا ہے تو یہ اس کے لیے بڑی ہی دل چسپی کا واقعہ ہے، وہ اس کی صورت دیکھنے کے لیے بے قرار ہو جاتا ہے، وہ گھنٹوں اس پر رائے زنی کرتا ہے اور وہ تمام اخبار و جرائد خرید لیتا ہے جن میں اس کی تصویر چھپی ہو یا اس کا تذکرہ کیا گیا ہو، لیکن اس واقعہ میں چور کے لیے کیسی شقاوت ہے اور جس مسکین کا مال چوری ہو گیا ہے اس کے لیے کیسی مصیبت ہے؟ اس کے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارہ نہیں کرتا۔ اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لیے یہ بڑا ہی دل چسپ نظارہ ہوتا ہے، سارا شہر امنڈ آتا ہے، جس کسی کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہے، لوگ نظارہ کے شوق میں اپنا کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں، اگر چند زندہ انسانوں کے جھلسے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر نمودار ہو جائیں اور ان کی چیخیں اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں، تو پھر اس نظارہ کی دل چسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے، تماشائی جوش نظارہ میں مجنون ہو کر ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں، لیکن انسانی دل چسپی کے اس جہنمی منظر میں اس مکان اور اس کے مکینوں کے لیے کیسی ہلاکت اور تباہی ہے؟ اور جان مال کی کیسی الم ناک بربادیوں کے بعد آگ اور موت کی یہ ہول ناک دل چسپی وجود میں آ سکتی ہے؟ اس بات کے سوچنے کی نہ تو لوگوں کو فرصت ملتی ہے نہ وہ سوچنا چاہتے ہیں۔

اگر انسان کے ابنائے جنس میں سے ایک بد بخت مخلوق کو سولی پر لٹکا دیا جائے تو یہ ان تمام

نظاروں میں سے جن کے دیکھنے کا انسان شائق ہوسکتا ہے، سب سے زیادہ دل کش نظارہ ہوتا ہے۔ اتنا دل کش نظارہ کہ گھنٹوں کھڑے رہ کر لٹکتی ہوئی نعش دیکھتا رہتا ہے، مگر اس کی سیری نہیں ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں، صفیں چیر کر نکل جانا چاہتے ہیں، کیوں؟ اس لیے کہ اپنے ہم جنس کو جان کنی میں تڑپتے اور پھر ہوا میں معلق جھولتے دیکھ لینے کی لذت حاصل کرلیں لیکن جس انسان کے پھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دل کش تماشا وجود میں آیا، خود اس پر کیا گزری اور کیوں وہ اس منحوس اور شرم ناک موت کا مستحق ٹھہرا؟ سیکڑوں ہزاروں تماشائیوں میں سے ایک ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دل چسپ پہلو کی طرف نہیں جاتا۔

---O---

گرمیوں کا موسم ہے، آدھی رات گزر چکی ہے، مہینہ کی آخری راتیں ہیں، بغداد کے آسمانوں پر ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہے، مگر چاند کے برآمد ہونے میں ابھی دیر ہے، دجلہ پار کرخ کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہے، اچانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوتی ہے، سیاہ لبادے میں ایک لپٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جارہا ہے، وہ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی میں پہنچا اور ایک مکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوگیا، اب اس نے سانس لی، گویا یہ مدت کی بند سانس تھی، جسے اب آزادی سے ابھرنے کی مہلت ملی ہے۔ پھر اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی، یقیناً تین پہر رات گزر چکی ہے، وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ کیا بدنصیبی ہے کہ جس طرف رخ کیا ناکامی ہی ہوئی، کیا پوری رات اسی طرح ختم ہوجائے گی؟

یہ خوف ناک ابن ساباط ہے، جو دس برس کی طول وطویل زندگی قید خانے میں بسر کر کے اب کسی طرح نکل بھاگا ہے اور نکلنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ از سرنو شروع کر رہا ہے۔ یہ اس کی نئی مجرمانہ زندگی کی پہلی رات ہے، اس لیے وقت کے بے نتیجہ ضائع ہوجانے پر اس کا بے صبر دل پیچ وتاب کھا رہا ہے۔ اس نے ہر طرف کی آہٹ لی، زمین سے کان لگا کر دور دور کی صداؤں کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر آگے بڑھا، کچھ دور چل کر اس نے دیکھا کہ ایک احاطہ کی دیوار دور تک چلی گئی ہے اور وسط میں بہت بڑا پھاٹک ہے، کرخ کے اس علاقے میں زیادہ تر امراء کے باغ تھے یا سوداگروں کے گودام تھے، اس نے خیال کیا یہ احاطہ یا تو کسی امیر کا باغ ہے یا کسی سوداگر کا گودام۔ وہ پھاٹک کے پاس پہنچ کر رک گیا اور سوچنے لگا کہ اندر کیوں کر جائے، اس نے آہستگی سے دروازے پر ہاتھ رکھا، لیکن اسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا، صرف بھڑا ہوا تھا، ایک سیکنڈ کے اندر ابن ساباط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے، اس نے دہلیز سے آگے قدم بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا، اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے ہوئے تھے اور وسط میں نسبتاً

ایک بڑی عمارت تھی، یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑھا، عجیب بات ہے کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند نہ تھا، چھوتے ہی کھل گیا، گویا وہ کسی کی آمد کا منتظر تھا، یہ ایک ایسی بے باکی کے ساتھ جو صرف مشاق مجرموں ہی کے قدموں میں ہوسکتی ہے، اندر چلا گیا، اندر جا کر دیکھا تو ایک وسیع ہال تھا، لیکن سامان راحت وزینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی، قیمتی اشیاء کا نام ونشان نہ تھا، صرف ایک کھجور کے پتوں کی پرانی چٹائی تھی اور ایک طرف چمڑے کا ایک تکیہ پڑا تھا، البتہ ایک گوشے میں پشمینہ کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے گویا کسی نے جلدی میں پھینک دیے ہیں اور ان کے قریب ہی بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں پڑی تھیں، اس نے مکان کی موجودات کا یہ جائزہ کچھ تو اپنی اندھیرے میں دیکھ لینے والی آنکھوں سے لے لیا تھا اور کچھ اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر، لیکن اس کا ہاتھ ایک ہی تھا، یہ بغداد والوں کی بول چال میں ''ایک ہاتھ کا شیطان'' تھا جو اب پھر قید وبند کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہوگیا ہے۔

دس برس کی قید کے بعد آج ابن ساباط کو پہلی مرتبہ موقع ملا تھا کہ اپنے دل پسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے، جب اس نے دیکھا اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے اور یہ پہلا قدم بے کار ثابت گیا تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہوگئے، وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا، جو اپنے مکان میں رکھنے کے لیے قیمتی اشیاء فراہم نہ کرسکے۔ ایک مفلس کا افلاس خود اس کے لیے اس قدر دردانگیز نہیں ہوتا جس قدر اس چور کے لیے جو رات کے پچھلے پہر مال ودولت تلاش کرتا ہوا پہنچتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ پشمینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ کتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں، مگر پھر بھی اپنی قیمت رکھتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن ساباط تنہا ہی نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ ہزار ہمت کرتا مگر اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالے سنبھل نہیں سکتا تھا، وہ تھانوں کی موجودگی پر معترض نہ تھا، اس کے وزن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا۔ اتنی وزنی چیز چرا کے لے جانا آسان نہ تھا۔ ''ایک ہزار لعنت کرخ اور اس کے باشندوں پر'' وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا نہیں معلوم یہ کون احمق ہے جس نے یہ ملعون تھان جمع کر رکھے ہیں؟ غالباً کوئی تاجر ہے، لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر ہے، جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لیے اور کوئی چیز نہیں ملی۔ اتنا بڑا مکان بنا کر اس میں گدھوں خچروں کی جھول بنانے کا سامان جمع کر دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ایک تھان کی ٹٹول ٹٹول کر پیمائش کی، بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اٹھایا جاسکتا ہے؟ ایک تھان کو اٹھانے کے لیے گن کر دس گدھے ساتھ لانے چاہئیں، لیکن بہرحال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا، رات جارہی تھی اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تاکی جائے۔ اس نے

جلدی سے ایک تھان کھولا اور اسے فرش پر بچھا دیا، پھر کوشش کی زیادہ سے زیادہ تھان جو اٹھائے جا سکتے ہیں، اٹھا لے۔ مشکل یہ تھی کہ مال کم قیمت مگر بہت زیادہ وزنی تھا، کم لیتا ہے تو بیکار ہے، زیادہ لیتا ہے تو لے جا نہیں سکتا۔ عجیب طرح کی کش مکش میں گرفتار تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا لیکن اب دوسری مشکل پیش آئی، صوف کا کپڑا بے حد موٹا تھا، اسے مروڑ دے کر گرہ لگانا آسان نہ تھا، دونوں ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا، چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے۔ بلاشبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا دو تھے لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے، صوف کی گٹھڑی باندھنے کے لیے سودمند نہ تھے۔ اس نے بہت تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کیے، دانتوں سے کام لیا، کٹی ہوئی کہنی سے سہارا دیا لیکن کسی طرح بھی گٹھڑی میں گرہ نہ لگ سکی۔ وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت نے اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا، اندرونی جذبات کے ہیجان اور بیرونی فعل کی بے سود محنت نے ابن ساباط کو بہت جلد تھکا دیا۔ وقت کی کمی، عمل کا قدرتی خوف، مال کی گرانی، محنت کی شدت اور فائدہ کی قلت اس کے دماغ کے تمام مخالف تاثرات جمع ہو گئے۔

اچانک وہ چونک اٹھا، اس کی تیز قوت سماعت نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی، ایک لمحہ تک خاموشی رہی، پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی آدمی دروازہ کے پاس کھڑا ہے۔ ابن ساباط گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا، مگر قبل اس کے کہ وہ حرکت کر سکے دروازہ کھلا اور روشنی نمایاں ہوئی، خوف اور دہشت سے اس کا خون منجمد ہو گیا، جہاں کھڑا تھا وہیں قدم گڑ گئے، نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہے، اس کے ایک ہاتھ میں شمع دان ہے اور اسے اس طرح اونچا کر رکھا ہے کہ کمرے کے تمام حصے روشن ہو گئے۔ اس شخص کی وضع قطع سے اس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا، ملگجے رنگ کی ایک لمبی عبا اس کے جسم پر تھی، جسے کمر کے پاس ایک موٹی رسی لپیٹ کر جسم پر جست کر لیا تھا۔ سر پر سیاہ اونچی دیوار کی ٹوپی (قلنسوۃ) تھی اور اس قدر کشادہ تھی کہ اس کے کنارے ابروں کے قریب تک پہنچ گئے تھے۔ جسم نہایت نحیف تھا، اتنا نحیف کہ صوف کی موٹی عبا پہننے پر بھی اندر کی ابھری ہوئی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں اور قد کی درازی سے جس میں کمر کے پاس خفیف سی خمیدگی پیدا ہو گئی تھی، یہ نحافت اور زیادہ نمایاں کر دی تھی لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جسم کی اس غیر معمولی نحافت کا کوئی اثر اس کے چہرے پر نظر نہیں آتا تھا۔ اتنا کمزور جسم رکھنے پر بھی اس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر و گیرائی رکھتا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کے ایک ڈھانچے پر ایک شان دار اور دل آویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہے۔ رنگت زرد تھی، رخسار بے گوشت تھے، جسمانی تنومندی کا نام نشان نہیں تھا لیکن پھر بھی چہرہ کی مجموعی ہیئت میں کوئی ایسی شان دار چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا کہ ایک نہایت طاقت ور چہرہ اس کے سامنے ہے۔ خصوصاً اس کی نگاہیں ایسی روشن، ایسی مطمئن، ایسی

ساکن تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کی ساری راحت اور سکون انہی دو حلقوں کے اندر سما گئی ہے۔

چند لمحوں تک یہ شخص اونچی شمع کیے ابن ساباط کو دیکھتا رہا، پھر اس طرح آگے بڑھا گویا اسے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ چکا ہے۔ اس کے چہرہ پر ہلکا سا زیرلب تبسم تھا، ایسا دل آویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی روح کے سارے اضطراب اور خوف دور کر سکتی ہے۔ اس نے شمع دان ایک طرف رکھ دیا اور ایک ایسی آواز میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی ہوئی تھی، ابن ساباط سے کہا:

''میرے دوست! تم پر خدا کی سلامتی ہو، جو کام تم کرنا چاہتے ہو یہ بغیر روشنی اور ایک رفیق کے انجام نہیں پا سکتا، دیکھو یہ شمع روشن ہے اور میں تمہاری رفاقت کے لیے موجود ہوں، روشنی میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے''---

وہ ایک لمحہ کے لیے رکا جیسے کچھ سوچنے لگا ہے، پھر اس نے کہا:

''مگر میں دیکھتا ہوں، تم بہت تھک گئے ہو، تمہاری پیشانی پسینہ سے تر ہو رہی ہے، یہ گرم موسم، بند کمرہ، تاریکی اور تاریکی میں ایسی سخت محنت، افسوس! انسان کو اپنے رزق کے لیے کیسی زحمتیں گوارا کرنی پڑتی ہیں، دیکھو یہ چٹائی بچھی ہے، یہ چمڑے کا تکیہ ہے، میں اسے دیوار کے ساتھ لگا دیتا ہوں، اس نے تکیہ دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا، بس ٹھیک ہے، اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح ستا لو، اتنی دیر میں تمہارا ادھورا کام پورا کیے دیتا ہوں''---

اس نے یہ کہا اور ابن ساباط کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا پھر جب اس کی نظر دوبارہ اس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی تو اس نے اپنی کمر سے رومال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔ جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا تو اس کی آنکھوں میں باپ کی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی محبت کام کر رہی تھی۔ صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ظہور میں آئے کہ ابن ساباط کا دماغ مختل ہو کر رہ گیا، وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ معاملہ کیا ہے؟ ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اس نے اجنبی کے اشارہ کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا۔ اب اس نے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا ہے، اس نے پہلے وہ گٹھڑی کھولی جو ابن ساباط نے باندھنی چاہی تھی مگر نہیں بندھ سکی تھی، پھر دو تھان کھول کر بچھا دیے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے ان سب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا، ایک حصہ میں زیادہ تھے ایک میں کم۔ پھر دونوں کی الگ الگ دو گٹھڑیاں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اس نے اس اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا گویا اس میں اس کے لیے کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ پھر اچانک اسے خیال آیا، اس نے اپنی عبا اتار ڈالی اور اسے بھی گٹھڑی کے اندر رکھ دیا۔ اب وہ اٹھا اور ابن ساباط کے قریب گیا اور کہا:

''میرے دوست! تمہارے چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم صرف تھکے ہوئے ہی نہیں ہو بلکہ بھوکے بھی ہو، بہتر ہوگا کہ چلنے سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو، اگر تم چند لمحے انتظار کر سکو تو میں دودھ لے آؤں'' ---

اس نے کہا، جب کہ اس کے پرشکوہ چہرے پر بدستور مسکراہٹ کی دل آویزی موجود تھی۔ ممکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب محو نہ ہو جائیں۔ قبل اس کے ابن ساباط جواب دے، وہ تیزی کے ساتھ لوٹا اور باہر نکل گیا۔ ابن ساباط تنہا تھا لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قدموں میں حرکت نہ ہوئی۔ اجنبی کے طرزِ عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا، وہ صرف متحیر و مبہوت تھا۔

اجنبی کی ہستی اور اس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا، ابن ساباط کو تحیر و تاثر نے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ اس کی شخصیت مغلوب ہو گئی تھی، لیکن اب وہ تنہا ہوا تو آہستہ آہستہ اس کا دماغ اپنی اصلی حالت پر آ گیا، یہاں تک کہ تمام دماغی خصائل پوری طرح ابھر آئے اور وہ اسی روشنی میں معاملات دیکھنے لگا، جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ عادی تھا۔

وہ اجنبی کا متبسم چہرہ اور دل نواز صدائیں یاد کرتا تو شک اور خوف کی جگہ اس کے اندر ایک ایسا ناقابل فہم جذبہ پیدا ہوتا جو آج تک اسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ لیکن پھر جب وہ سوچتا کہ تمام معاملہ کا مطلب کیا ہے اور یہ شخص ہے کون؟ تو اس کی عقل حیران رہ جاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہ آتی۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ یہ تو قطعی ہے کہ یہ شخص اس مکان کا مالک نہیں ہے۔ مکان کے مالک کبھی چوروں کا اس طرح استقبال نہیں کرتے، پھر یہ شخص کون ہے؟ اچانک ایک نیا خیال اس کے اندر پیدا ہوا، وہ ہنسا۔

استغفر اللہ! میں بھی کیا احمق ہوں، یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات ہے۔ معاملہ بالکل صاف ہے، تعجب ہے کہ مجھے پہلے خیال کیوں نہیں ہوا؟ یقیناً یہ بھی میرا کوئی ہم پیشہ آدمی ہے اور اسی نواح میں رہتا ہے۔ اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو اسی مکان میں جمع کر دیا ہے۔ چوں کہ یہ اسی نواح کا آدمی ہے، اس لیے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا، اسے معلوم ہوگا کہ آج مکان رہنے والوں سے خالی ہے اور یہ اطمینان سے کام کرنے کا موقع ہے، اسی لیے وہ روشنی کا سامان ساتھ لے کر واپس آیا، لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ دے کر ایک حصہ دار بن جائے۔ وہ ابھی سوچ رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور اجنبی ایک لکڑی کا پیالہ ہاتھ میں لیے نمودار ہو گیا۔

''یہ لو! میں تمہارے لیے دودھ لایا ہوں، اسے پی لو، یہ بھوک اور پیاس دونوں

کے لیے مفید ہے"---
اس نے کہا اور پیالہ ابن ساباط کو پکڑا دیا۔ ابن ساباط واقعی بھوکا اور پیاسا تھا، بلا تامل منہ کو لگا لیا اور ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دیا۔ اب اسے معاملہ کی فکر ہوئی، اتنی دیر کے وقفہ نے اس کی طبیعت بحال کر دی تھی۔

"دیکھو! اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچا ہوں اور ہاتھ لگا چکا تھا، اس لیے ہم لوگوں کے قاعدہ کے بموجب تمہارا کوئی حق نہیں، لیکن تمہاری ہوشیاری اور مستعدی دیکھ لینے کے بعد مجھے کوئی تامل نہیں کہ تمھیں بھی اس مال میں شریک کرلوں گا، لیکن دیکھ یہ میں کہے دیتا ہوں کہ آج جو کچھ بھی یہاں سے لے جائیں گے، اس میں تم برابر کا حصہ نہیں پاسکتے، کیوں کہ دراصل آج کا کام میرا ہی کام تھا"---

اس نے صاف آواز میں کہا، اس کی آواز میں اب تاثر نہیں تھا، تحکم تھا۔
اجنبی مسکرایا، اس نے ابن ساباط پر ایک ایسی نظر ڈالی جو اگرچہ شفقت و مہر سے خالی نہ تھی لیکن اس کے علاوہ بھی اس میں کوئی چیز تھی، لیکن ابن ساباط نہ سمجھ سکا۔ اس نے خیال کیا کہ شاید یہ شخص اس طریق تقسیم پر قانع نہیں ہے۔ اچانک اس کی آنکھوں میں اس کی خوف ناک مجرمانہ درندگی چمک اٹھی اور وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"بے وقوف! چپ کیوں ہے؟ یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا ایک گلاس پلا کر اور چکنی چپڑی باتیں کر کے تم مجھے احمق بنالو گے، تم نہیں جانتے میں کون ہوں؟ مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا، میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں، بولو! اس پر راضی ہو کہ نہیں؟ اگر نہیں تو......"---

لیکن ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے، اب بھی اس کے لبوں سے اس کی مسکراہٹ نہیں ہٹی تھی۔

"میرے عزیز دوست! کیوں بلا وجہ اپنی طبیعت آزردہ کرتے ہو؟ آؤ! یہ کام جلدی نپٹا لیں، جو ہمارے سامنے ہے، دیکھو میں نے دو گٹھڑیاں باندھ لی ہیں، ایک چھوٹی ہے ایک بڑی ہے، تمہارا ایک ہاتھ ہے، اس لیے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے، لیکن میں دونوں ہاتھوں سے سنبھال لوں گا، چھوٹی گٹھڑی تم اٹھا لو، بڑی میں اٹھا لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا حصہ جس کے خیال سے تمھیں اتنی آزردگی ہوئی ہے تو میں بھی نہیں چاہتا کہ اس وقت اس کا فیصلہ کراؤں، تم نے کہا ہے کہ تم ہمیشہ کے لیے میرے ساتھ معاملہ کر سکتے ہو، مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ کے لیے مجھ سے معاملہ کرلو"---

"ہاں! اگر یہ بات ٹھیک ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے، تمھیں ابھی معلوم نہیں میں کون ہوں؟ پورے ملک میں تمھیں مجھ سے بہتر سردار نہیں مل سکتا"---

اس نے بڑی گٹھڑی اٹھانے میں اجنبی کی مدد کرتے ہوئے کہا۔ یہ گٹھڑی اس قدر بھاری تھی کہ ابن ساباط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا۔ وہ اگرچہ اپنے نئے رفیق کی زیادہ جرأت افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا، پھر بھی اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا:

"دوست! تم دیکھنے میں بڑے دبلے پتلے ہو، لیکن بوجھ اٹھانے میں بڑے مضبوط نکلے"---

ساتھ ہی اس نے اپنے دل میں کہا:

"یہ جتنا مضبوط ہے، اتنا عقل مند نہیں ہے، ورنہ اپنے حصے سے دست بردار نہ ہو جاتا، اگر آج یہ احمق نہ مل جاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر صرف دو تھانوں پر قناعت کر لینی پڑتی"---

اب ابن ساباط نے اپنی گٹھڑی اٹھائی جو بہت ہی ہلکی تھی اور دونوں باہر نکلے۔ اجنبی کی پیٹھ جس میں پہلے سے خم موجود تھا، اب گٹھڑی کے بوجھ سے بالکل ہی جھک گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا، لیکن ابن ساباط کو قدرتی طور پر جلدی تھی، وہ بار بار حاکمانہ انداز سے اصرار کرتا کہ تیز چلو اور چوں کہ خود اس کا بوجھ ہلکا تھا اس لیے خود تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا۔ اجنبی تعمیل حکم کی پوری کوشش کرتا، لیکن اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر دوڑنا انسانی طاقت سے بھاری تھا، اس لیے پوری کوشش کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا، کئی مرتبہ ٹھوکریں لیں، بار بار بوجھ گرتے گرتے رہ گیا، ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ کھائی کہ قریب تھا کہ گر جائے، پھر بھی اس نے رکنے یا ستانے کا نام نہیں لیا، گرتا پڑتا اپنے ساتھی کے ساتھ چلتا رہا۔

لیکن ابن ساباط اس پر بھی خوش نہ تھا، اس نے پہلے تو ایک دو مرتبہ تیز چلنے کا حکم دیا، وہ پھر بے تامل گالیوں پر اتر آیا۔ ہر لمحہ کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز چلو۔ اتنے میں پل آیا، یہاں چڑھائی تھی، جسم کمزور اور تھکا ہوا۔ بوجھ بے حد بھاری، اجنبی سنبھل نہ سکا اور بے اختیار گر گیا، ابھی وہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ اوپر سے سخت لات پڑی۔ یہ ابن ساباط کی لات تھی، اس نے غضب ناک ہو کر کہا:

"اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تھا تو لاد کر لایا کیوں؟---

اجنبی ہانپتا ہوا اٹھا، اس کے چہرے پر درد و شکایت کی بجائے شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے، اس نے فوراً گٹھڑی اٹھا کر پیٹھ پر رکھی اور پھر روانہ ہو گیا۔

اب یہ دونوں شہر کے کنارے ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو بہت ہی کم آباد تھی۔ یہاں ایک ناتمام عمارت کا پرانا اور شکستہ حصہ تھا۔ ابن ساباط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچ کر رک گیا اور اجنبی سے کہا

یہیں بوجھ اتار دو۔ پھر خود کود کر اندر گیا اور اجنبی نے باہر سے دونوں گٹھڑیاں اندر پھینک دیں۔ اس کے بعد اجنبی کود کر اندر ہو گیا اور دونوں عمارت کے اندرونی حصہ میں پہنچ گئے۔ اس عمارت کے نیچے ایک پرانا تہہ خانہ تھا، جس میں ابن ساباط نے قید خانے سے نکل کر پناہ لی تھی۔ لیکن اس وقت وہ سرداب میں نہیں اترا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اجنبی پر ابھی اس درجہ اعتماد کرے کہ اپنا اصلی محفوظ مقام دکھلا دے۔ جس جگہ یہ دونوں کھڑے تھے، دراصل ایک ناتمام ایوان تھا یا تو اس پر پوری چھت پڑی ہی نہ تھی یا پڑی تھی تو امتدادِ وقت سے شکستہ ہو کر گر پڑی تھی۔ ایک طرف بہت سے پتھروں کا ڈھیر تھا، ابن ساباط انھی پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ گیا، دونوں گٹھڑیاں سامنے دھری تھیں، ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا ہانپ رہا تھا، کچھ دیر تک خاموشی رہی۔

یکا یک اجنبی بڑھا اور ابن ساباط کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اب رات ختم ہونے پر تھی، پچھلے پہر کا چاند درخشاں تھا، کھلی چھت سے اس کی دھیمی اور ظلمت آلود شعائیں ایوان کے اندر پہنچ رہی تھیں۔ ابن ساباط دیوار کے سائے میں تھا، لیکن اجنبی جو اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا، ٹھیک چاند کے مقابل تھا، اس لیے اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ابن ساباط نے دیکھا کہ تاریکی میں ایک درخشاں چہرہ، ایک نورانی تبسم، ایک پراسرار اندازِ نگاہ کی دل آویزی اس کے سامنے ہے۔ میرے عزیز دوست اور رفیق! اجنبی نے اپنی دل نواز اور شیریں آواز میں جو دو گھنٹہ پہلے ابن ساباط کو بے خود کر چکی تھی، کہنا شروع کیا:

''میں نے اپنی خدمت پوری کر لی ہے، اب میں تم سے رخصت ہوتا ہوں، اس کام کے کرنے میں مجھ سے جو کمزوری اور سستی ظاہر ہوئی اور اس کی وجہ سے بار بار تمھیں پریشان خاطر ہونا پڑا، اس کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں، مجھے امید ہے تم مجھے معاف کر دو گے۔ اس دنیا میں ہماری کوئی بات بھی خدا کے کاموں سے ملتی جلتی نہیں ہے، جس قدر یہ بات کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور بخش دیں، لیکن قبل اس کے کہ میں تم سے الگ ہوں تمھیں بتلا دینا چاہتا ہوں کہ میں وہ نہیں جو تم نے خیال کیا ہے، میں اسی مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات ہوئی ہے اور تم نے میری رفاقت قبول کر لی تھی، میری عادت ہے کہ رات تھوڑی دیر کے لیے اس کمرے میں جایا کرتا ہوں جہاں تم بیٹھے تھے، آج آیا تو دیکھا، تم اندھیرے میں بیٹھے ہو اور تکلیف اٹھا رہے ہو، تم میرے گھر میں عزیز مہمان تھے، افسوس! میں آج اس سے زیادہ تمہاری تواضع اور خدمت نہیں کر سکا، تم نے میرا مکان دیکھ لیا ہے، آئندہ جب کبھی ضرورت ہو تم بلا تکلف اپنے رفیق کے پاس چلے آ سکتے ہو، خدا کی سلامتی اور

برکت ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے"---

یہ کہا اور آہستگی کے ساتھ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مصافحہ کیا اور تیزی کے ساتھ نکل کر روانہ ہو گیا۔ اجنبی خود تو روانہ ہو گیا، لیکن ابن ساباط کو ایک نئے عالم میں پہنچا دیا۔ اب وہ مبہوت اور مدہوش تھا، اس کی آنکھیں کھلی تھیں، وہ اسی طرف تک رہی تھیں جس طرف سے وہ اجنبی روانہ ہوا تھا، لیکن معلوم نہیں اسے کچھ سجھائی بھی دیتا تھا یا نہیں؟

---O---

دوپہر ڈھل چکی ہے، بغداد کی مسجدوں سے جوق در جوق نمازی نکل رہے ہیں، دوپہر کی گرمی نے امیروں کو تہ خانوں میں اور غریبوں کو دیواروں کے سائے میں بٹھا دیا تھا، اب دونوں نکل رہے ہیں، ایک تفریح کے لیے، دوسرا مزدوری کے لیے، لیکن ابن ساباط اس وقت تک وہیں بیٹھا ہے جہاں صبح بیٹھا تھا۔ رات والی دونوں گٹھڑیاں سامنے پڑی ہیں اور اس کی نظریں اس طرح ان میں گڑی ہیں گویا ان کی شکنوں کے اندر اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈ رہا ہے۔ بارہ گھنٹے گزر گئے، لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی۔ وہ بھوک جس کی خاطر اس نے اپنا ایک ہاتھ کٹوا دیا تھا، اب اسے نہیں ستاتی، وہ خوف جس کی وجہ سے سورج کی روشنی اس کے لیے دنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہو گئی تھی۔ صرف اسے محسوس نہیں ہوتا، اس کے دماغ کی ساری قوت صرف ایک نقطہ میں سمٹ آئی تھی اور وہ رات والے عجیب و غریب اجنبی کی صورت تھی۔ وہ خود اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی، مگر اسے ایک ایسے عالم کی جھلک دکھا گئی جو اب تک اس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔

اس کی ساری زندگی گناہ اور سیاہ کاریوں میں بسر ہوئی تھی، اس نے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا سنا تھا وہ یہی تھا کہ خود غرضی کا پتلا اور نفس پرستی کی مخلوق ہے، وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے، بے رحمی سے ٹھکرا دیتا ہے، سخت سے سخت سزائیں دیتا ہے، لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہے اور اس میں فیاضی، بخشش اور قربانی کی روح بھی ہو سکتی ہے۔ بچپن میں اس نے بھی خدا کا نام سنا تھا اور لوگوں کو خدا پرستی کرتے دیکھا تھا۔ لیکن جب زندگی کی کشاکش کا میدان سامنے آیا تو اس کا عالم ہی دوسرا تھا۔ اس نے قدم اٹھا دیے اور حالات کی رفتار جس طرف لے گئی، بڑھے گیا۔ نہ تو خود اسے کبھی مہلت ملی کہ خدا پرستی کی طرف متوجہ ہوتا اور نہ انسانوں نے کبھی اس کی ضرورت محسوس کی کہ اسے خدا سے آشنا کرتے۔ جوں جوں اس کی شقاوت بڑھتی گئی، سوسائٹی اپنی سزا و عقوبت کی مقدار بھی بڑھاتی گئی۔ سوسائٹی کے پاس اس کی شقاوت کے لیے بے رحمی تھی، اس لیے یہ بھی دنیا کی ساری چیزوں میں سے صرف بے رحمی کا خوگر ہو گیا۔

لیکن اب اچانک اس کے سامنے سے پردہ ہٹ گیا، آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہے، وہ جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ اب یکا یک اس سورج کی پہلی کرن ابن ساباط کے دل کے تاریک گوشوں پر پڑی اور وہ یک دفعہ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آ گیا۔

اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی ہی نظر میں اس کے دل تک پہنچ چکی تھی، لیکن وہ جہالت و گمراہی سے اس کا مقابلہ کرتا رہا اور حقیقت کے فہم کے لیے تیار نہیں ہوا۔ لیکن جوں ہی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اس نے اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا حقیقت اپنی پوری شانِ تاثیر کے ساتھ بے نقاب ہو گئی اور اب اس کی طاقت سے باہر تھی کہ اس تیر کے زخم سے اپنا سینہ بچا لے جاتا۔

اس نے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا کہ اجنبی بھی میری ہی طرح کا ایک چور ہے اور اپنا حصہ لینے کے لیے میری رفاقت اور اعانت کر رہا ہے۔ اس کا ذہن یہ تصور کر ہی نہیں سکتا تھا کہ بغیر غرض اور انتفاع کے ایک انسان دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کر سکتا ہے، لیکن جب اجنبی نے چلتے وقت بتلایا کہ وہ چور نہیں بلکہ اسی مکان کا مالک ہے جس مکان کا مال و متاع غارت کرنے کے لیے وہ گیا تھا تو اسے ایسا محسوس ہوا جیسے یکا یک ایک بجلی آسمان سے گر پڑی کہ یہ چور نہیں تھا، مکان کا مالک تھا۔ لیکن اس نے چور کو پکڑنے اور سزا دلوانے کی جگہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

''اس کا سلوک کیا تھا؟''۔ اس کا جواب اس کی روح کے لیے ایک دہکتا انگارہ تھا اور دل کے لیے ایک ناسور تھا۔ وہ جس قدر سوچتا، روح کا زخم گہرا ہو جاتا اور دل کی تپش بڑھتی جاتی۔ اس تمام عرصہ میں اجنبی کے ساتھ جو کچھ گزرا، اس کا ایک ایک واقعہ، ایک ایک حرف یاد کرتا اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک تازہ زخم کی چبھن محسوس کرتا۔ جب ایک مرتبہ حافظہ میں یہ سرگزشت ختم ہو جاتی تو پھر نئے سرے سے یاد کرنا شروع کر دیتا اور آخر تک پہنچا کر پھر ابتداء کی طرف لوٹتا۔ میں اس کے یہاں چوری کرنے کے لیے گیا تھا، میں اس کا مال و متاع غارت کرنا چاہتا تھا، میں نے اسے بھی چور سمجھا، اسے گالیاں دیں، بے رحمی سے ٹھوکر لگائی، مگر اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا؟

ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سوچتا اور پھر یہی سوال دہرانے لگتا۔ سورج ڈوب رہا تھا، بغداد کی مسجدوں کے مناروں پر مغرب کی اذان کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، ابن ساباط بھی اپنے غیر آباد گوشہ سے اٹھا، چادر جسم پر ڈالی اور بغیر کسی جھجک کے باہر نکل گیا۔ اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا، کیوں کہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبے نے لے لی تھی۔ وہ کرخ کے اس حصے میں پہنچا جہاں گزشتہ رات گیا تھا، رات والے مکان کے پہچاننے میں اسے بہت دقت پیش نہیں آئی۔ مکان کے پاس ہی ایک لکڑہارے کا جھونپڑا تھا، یہ اس کے پاس گیا اور پوچھا:

"یہ جو سامنے بڑا سا احاطہ ہے، اس میں کون تاجر رہتا ہے؟" ---

تاجر؟ بوڑھے لکڑہارے نے تعجب کے ساتھ پوچھا:

"معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو، یہاں تاجر کہاں سے آیا؟ یہاں تو شیخ جنید بغدادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) رہتے ہیں" ---

ابن ساباط اس نام کی شہرت سے بے خبر نہ تھا، لیکن صورت آشنا نہ تھا۔ ابن ساباط مکان کی طرف چلا، رات کی طرح اس وقت بھی دروازہ کھلا تھا۔ یہ بے تامل اندر چلا گیا، سامنے وہی رات والا ایوان تھا، یہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور دروازہ کے اندر نگاہ ڈالی، وہ رات والی چٹائی بچھی ہوئی تھی، رات والا تکیہ ایک جانب دھرا تھا، تکیہ سے سہارا لگائے عجیب اجنبی بیٹھا تھا، تیس چالیس آدمی سامنے بیٹھے تھے، واقعی اجنبی تاجر نہیں تھا، شیخ جنید بغدادی تھے۔

اتنے میں عشاء کی اذان ہوئی۔ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، سب لوگ جا چکے تو شیخ بھی اٹھے، جوں ہی انھوں نے دروازہ کے باہر قدم رکھا، ایک شخص بے تابانہ بڑھا اور قدموں پر گر گیا، یہ ابن ساباط تھا، اس کے دل میں سمندر کا تلاطم بند تھا، آنکھوں میں جو کبھی تر نہیں ہوئی تھیں، دجلہ کی سوتیں بھر گئی تھیں، دیر تک رکی رہیں، مگر اب نہیں رک سکتی تھیں۔ آنسوؤں کا سیلاب آجائے تو پھر دل کی کون سی کثافت ہے جو باقی رہ سکتی ہے۔

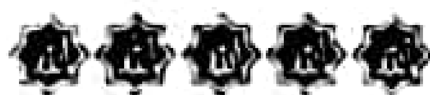
شیخ نے شفقت سے اس کا سر اٹھایا، یہ کھڑا ہو گیا، مگر زبان نہ کھل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی؟ جب دل کی آنکھوں کی زبان کھل جاتی ہے تو منہ کی زبان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گزر چکا ہے، شیخ احمد بن ساباط کا شمار رسید الطائفہ کے حلقۂ ارادت کے ان فقراء میں ہے جو سب میں پیش پیش ہیں۔ شیخ کہا کرتے ہیں:

"ابن ساباط نے وہ راہ لمحوں میں طے کر لی جو دوسرے برسوں میں بھی طے نہیں کر سکے" ---

ابن ساباط کو چالیس برس تک دنیا کی دہشت انگیز سزائیں نہ بدل سکیں، مگر محبت اور قربانی کے ایک لمحے نے چور سے اہل اللہ بنا دیا۔

[بشکریہ ماہنامہ لولاک]



دہشت گردی اور مزاراتِ اولیاء کی بے حرمتی

جامعہ اَزہر کا تازہ ترین فتویٰ

ترجمہ و تلخیص
محمد اَفروز قادری چریا کوٹی

جامعہ اَزہر، مصر کے اَربابِ فقہ و اِفتا نے ایک سلگتے ہوئے سوال کے جواب میں بڑا ہی معرکۃ الآرا، فکر انگیز، ایمان افروز اور چشم کشا فتویٰ رقم فرمایا ہے، اِفادۂ عام کے لیے اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

الاستفتاء

اس وقت لیبیا کے اندر کچھ لوگ ایک نئی فکر لے کر خود رو پودے کی مانند اُگ آئے ہیں، خود کو سلف صالحین سے وابستہ بتاتے ہیں، مگر یہ نرا ظلم ہے، اور اس کی حقیقت بہتان و فریب کے سوا کچھ نہیں۔ علماے اَعلام، اولیاے کاملین اور شہداء و صالحین کے مزارات کے قبوں کو مسمار کرنا، قبروں کی کھدائی اور اُن کے (پختہ و بلند) مقبروں کے نشانات اپنے ہاتھوں، کلہاڑوں اور جدید آلات کے ذریعہ اُکھاڑ پھینکنا، اُن کے اَہداف و اَغراض میں سرفہرست ہے۔ اور یہ سارا سیاہ کام، بلا کسی اِطلاع وہ رات کی تاریکیوں میں کرگزرتے ہیں۔

اِس منحوس عمل کو اُس فکر جدید کے حاملین کی طرف منسوب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پورے شہر میں بس وہی لوگ نہ صرف ایسے فکر و اعتقاد کے حامل ہیں، بلکہ لوگوں کے اندر بھی اس کی ترویج و اشاعت میں

وہ سرگرداں نظر آتے ہیں۔اُن کے اپنے خودساختہ عقیدے کے مطابق اَولیا وصالحین کی قبروں پر قبے اور عمارات تعمیر کرنا کفر وگمرہی ہے۔یوں ہی اُن پر مساجد بنانا اور ایسی مسجدوں میں نماز اَدا کرنا بھی اُن کے نزدیک حرام کے زمرے میں آتا ہے؛ حالاں کہ انھیں یہ پتا ہوتا ہے کہ اِن قبروں میں بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منسوب ہیں، کچھ کبارِ علما ومشائخ کی ہیں، جن کی پوری زندگی دعوت اِلی اللہ سے عبارت رہی۔ کچھ اِعلاے کلمۃ اللہ کی خاطر بعض اِسلام مخالف جنگوں میں اپنی جانوں کا نذرانہ لٹادینے والوں کی ہیں؛ مستزاد یہ کہ جن قبروں کو وہ مسمار کیے دیتے ہیں، وہ محکمہ آثارِ قدیمہ کے زیرِ حمایت ہیں، اور اُن میں سے بیشتر پانچ سو سال قدیم ہیں۔ان میں زیادہ تر مزارات اہل بیت رسول ﷺ سے منسوب ہیں، جن کے ثبوت آج بھی تصویر کی شکل میں انٹرنیٹ پر دیکھے اور دکھائے جاسکتے ہیں۔

اس تعلق سے علما ومشائخ کا تحقیقی فتویٰ درکار ہے؛ کیوں کہ وہ عوام میں یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ (اِن مزارات کے اِنہدام کی شکل میں ہم دین کی حقیقی خدمت) اور شرک وگمرہی کے اَڈوں کا خاتمہ کررہے ہیں۔

مرسلہ: محمد سالم عجیل
بتاریخ: ۲۳/۱۰/۲۰۱۱ء
مقید برقم: ۵۱۴-سال: ۲۰۱۱ء

الجواب

اِسلام نے مُردوں کی حرمت کا بھی پاس ولحاظ رکھا ہے اور اُن کی توہین وتذلیل کسی بھی طریقے سے حرام قرار دی ہے؛ لہٰذا اُن کی قبروں کی کھدائی کا یہ عمل کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟ ایک مسلمان مرنے کے بعد بھی وہی عزت وتکریم رکھتا ہے جو جیتے جی اُسے حاصل تھی۔اور اگر صاحب قبر، اہل اللہ اور صلحاے اُمت سے ہوں تو پھر اُن کے مزارات کے ساتھ یہ زیادتی نہ صرف اَشد حرام ہوگی بلکہ ناقابل برداشت جرمِ عظیم بھی۔کیوں کہ یہ وہ مقدس مقامات ہوتے ہیں جہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔جس نے انھیں میلی نگاہ سے دیکھا یا انھیں کسی بھی طرح تکلیف واَذیت دینے کا سوچا تو گویا وہ مالک الملک کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ کررہا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث قدسی ہے:

’’جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی مول لی، تو میری طرف سے اُسے کھلی دعوتِ جنگ ہے‘‘---[صحیح بخاری]

غور طلب اَمر یہ ہے کہ قبر کی جگہ یا تو خود مرنے والے کی اپنی ملک ہوتی ہے یا کوئی وہ جگہ اُس کے لیے وقف کر دیتا ہے، اور وقف، حکمِ شرع ہی کی مانند ہے؛ لہٰذا اِس اعتبار سے بھی اُس قبر کی کھدائی یا اُس پر تعمیر شدہ قبوں اور عمارات کی مسماری یا اس جگہ کو جس بھی مد میں استعمال کیا جا رہا ہو (اس کا انہدام و اِستحصال کسی طور) جائز نہیں ہوگا۔

بعض لوگ جو یہ شوشہ چھوڑتے ہیں کہ اُن مسجدوں میں نماز باطل ہے، جن میں اولیا و صالحین کی قبریں موجود ہوں، تو یہ ایک فتنہ ہے اور اس کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ایسی مسجدوں میں نماز شرعاً نہ صرف جائز و درست ہے؛ بلکہ درجۂ اِستحباب میں ہے۔ اس پر کتاب و سنت کے صریح و صحیح دلائل موجود ہیں، سلف صالحین کا اسی پر عمل رہا ہے اور اُن کی اقتدا میں اَخلاف اِسی پر کاربند ہیں۔ اَب اُس کے حرام و باطل ہونے کی بات کرنا، کسی نئے فتنے کو ہوا دینے کے مترادف ہے، اہلِ اسلام اس کی طرف مطلق توجہ نہ دیں اور نہ اس پر کبھی عمل کریں۔

کتاب اللہ

قرآن کریم میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَى أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا○---[الکہف:۲۱]

''(جب اصحابِ کہف وفات پا گئے) تو انہوں نے کہا کہ ان (کے غار) پر ایک عمارت (بطور یادگار) بنا دو، ان کا رب ان (کے حال) سے خوب واقف ہے، ان (ایمان والوں) نے کہا، جنہیں اُن کے معاملہ پر غلبہ حاصل تھا کہ ہم ان (کے دروازہ) پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے (تا کہ مسلمان اس میں نماز پڑھیں اور ان کی قربت سے خصوصی برکت حاصل کریں)''---

اِس آیت کریمہ کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ پہلا قول مشرکین کا ہے اور دوسرا قول اہل توحید کا۔ خاص بات یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بغیر کسی اِنکار کے دونوں قول کو اپنی آخری کتاب کا حصہ بنا دیا ہے، تو اس سے شریعت میں دونوں کے نفاذ کا اِشارہ ملتا ہے۔ بلکہ موحدین کے قول کا جب قولِ مشرکین سے موازنہ کیا جائے تو اہلِ توحید کی بات مدح کا فائدہ دے رہی ہے؛ کیوں کہ مشرکین کی بات تشکیک آمیز تھی، جب کہ اہلِ توحید کی قطعی اور حتمی۔ اور ان کی مراد کوئی عام یادگار عمارت نہیں بلکہ مسجد تھی۔

امام رازی اپنی تفسیر میں ﴿لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا﴾ کے تحت فرماتے ہیں:

''تا کہ ہم اس میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت و بندگی اِختیار کریں، اور اس مسجد کا

بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی برکت سے اصحابِ کہف کے آثار (رہتی دنیا تک) باقی رہیں گے"---

علامہ شہاب خفاجی اپنے حاشیہ تفسیر بیضاوی میں فرماتے ہیں:

"اس آیت کریمہ نے صالحین کی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنے کی واضح دلیل فراہم کردی"---

سنة رسول الله

سرکارِ دوعالم ﷺ کی سنت سے اس کا ثبوت حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے امام عبدالرزاق نے معمر سے، ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں، اور موسیٰ بن عقبہ نے اپنی مغازی میں نقل کیا ہے۔ یاد رہے کہ امامانِ مالک، شافعی اور احمد رضی اللہ عنہم کی شہادت کے مطابق یہ مغازی کی سب سے مستند کتاب ہے۔ ان تینوں نے یہ روایت امام زہری سے لی ہے، انھوں نے عروہ بن زبیر سے، وہ مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہم سے کہ حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ کی تدفین ابوجندل بن سہیل بن عمرو کے ہاتھوں عمل میں آئی اور انھوں نے تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں ساحل سمندر سے لگے اُن کی قبر پر ایک مسجد کی تعمیر بھی کردی۔

یہ صحیح الاسناد روایت ہے، اس کے سارے امام ثقہ ہیں۔ اَب ظاہر ہے ایسا عظیم الشان کام رسول اللہ ﷺ سے مخفی تو نہ رکھا گیا ہوگا؛ مگر ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُس قبر کو مسجد سے نکالنے یا اس کی کھدائی کا حکم جاری فرمایا ہو۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی ایک حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ:

"مسجد خیف کے اندر (۷۰) ستر نبیوں کی قبریں ہیں"---

اس کی تخریج امام بزار اور طبرانی نے اپنی کتاب معجم کبیر میں کی۔ حافظ ابن حجر "مختصر زوائد البزار" میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

آثار و اَخبار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام اور آپ کی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا خانۂ کعبہ کے حطیم میں مدفون ہیں۔ مستند مورخین نے اس کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کیا ہے، اور علماے سیرت مثلاً ابن اسحٰق نے اپنی سیرت، ابن طبری نے اپنی تاریخ، سہیلی نے روض الانف، ابن جوزی نے منتظم، ابن اثیر نے کامل، ذہبی نے تاریخ الاسلام اور ابن کثیر نے البدایة و النهایة میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے مورخین نے اپنی اپنی کتب میں یہ روایت درج کی ہے؛ لیکن غور طلب اَمر یہ ہے کہ معلم انسانیت ﷺ نے اُن قبروں کو اپنی جگہ

برقرار رکھا۔ انھیں ان کی جگہوں سے ہٹانے یا کھدائی کرکے مسجد خیف یا مسجد حرام سے باہر نکلوانے کا کوئی عمل (اپنی حیاتِ طیبہ میں) نہیں فرمایا!۔

عمل صحابہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کا ثبوت وہ صحیح روایت ہے جسے امام مالک نے اپنی ''موطا'' میں نقل کیا ہے کہ جس وقت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو جائے تدفین کے تعلق سے صحابہ کرام کے درمیان اِختلاف ہوا۔ بعض نے کہا: منبر نبوی کے پاس، بعض نے کہا: بقیع میں؛ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

مَا دُفِنَ نَبِیٌّ قَطُّ اِلَّا فِی مَکَانِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ---

''ہر نبی کی تدفین ٹھیک اُسی جگہ عمل میں آئی جہاں اس نے وفات پائی''---

چنانچہ (حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں جہاں آپ نے چشم مبارک بند کی تھی) قبر کھودی گئی۔ اور یہ بات طے ہے کہ منبر، مسجد کا حصہ ہوتا ہے؛ لیکن اُس وقت کسی صحابی نے اس پر کوئی جرح نہیں کی۔ ہاں! ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے صرف اِس بنیاد پر اتفاق نہیں کیا کہ ان کے پاس ایک دوسرا حکم نبی موجود تھا کہ آپ کی تدفین وہیں عمل میں آئے جہاں روحِ مبارک پرواز کرے۔ اس طرح حجرۂ عائشہ میں آپ کو دفن کردیا گیا جو مسجد سے بالکل ملا ہوا ہے اور جہاں مسلمان نمازیں اَدا کیا کرتے ہیں۔ اور بالکل یہی صورت ہمارے زمانے میں بھی ہے کہ جہاں اولیا وصالحین کے حجرے تھے، ان سے متصل مسجد بنادی گئی۔

اِس موقع پر بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ''مسجد کے اندر ہونا صرف قبر نبی کی خصوصیت ہے''؛ مگر یہ درست نہیں، اور اس کی حیثیت دعویٰ بلا دلیل کی سی ہے؛ کیوں کہ اس حجرۂ عائشہ میں نہ صرف تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں بلکہ ساتھ ہی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی مدفون ہیں، جس میں وہ رہتی تھیں، اور اپنی پنج وقتہ و نفلی نمازیں پڑھتی تھیں؛ تو گویا مسجد کے اندر قبر کے جائز ہونے پر صحابہ کرام کا اِجماع ہوگیا۔

اِجماعی اور عملی طور پر اُمت محمدیہ اِسی پر کاربند ہے، اور علمائے اُمت اس پر متفق ہیں کہ سلفاً وخلفاً اہل اسلام کا مسجد نبوی اور اُن مساجد میں -- جن میں قبریں موجود ہیں -- نماز پڑھنا بلا اِنکار جائز ہے۔ اور یہ کوئی آج کے علما کا عمل نہیں بلکہ مدینہ منورہ کے اُن سات فقہا کے زمانے سے چلا آرہا ہے جنھوں نے ۸۸ھ میں متفقہ طور پر حجرۂ رسول کو مسجد نبوی میں شامل کرلیا تھا۔ یہ کام حضرت عمر بن

عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے مدینہ کی گورنری کے عہد میں ولید بن عبدالملک کے حکم پر عمل میں آیا۔ اس دور کے علما وفقہا میں سے کسی نے اس پر کوئی اختلاف نہیں کیا، سوائے سعید بن مسیب کے۔ اور اِن کا اعتراض بھی اس لیے نہیں تھا کہ وہ ایسی مساجد میں نماز کو حرام سمجھتے تھے جن میں قبریں ہوں؛ بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حجراتِ نبوی کو اُن کی اپنی اصل حالت پر باقی دیکھنا چاہتے تھے؛ تاکہ اہل اسلام انھیں دیکھ کر اپنے اندر زہد اور دنیا بیزاری پیدا کریں اور انھیں کچھ اندازہ ہو سکے کہ پیارے آقا رحمت سراپا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے مبارک دن کس طرح اور کہاں گزارے ہیں۔

رہی بات صحیحین میں مروی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُس حدیث کی کہ تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عظمت نشان ہے:

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ---

''یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے''---

تو یاد رہے کہ مساجد، مسجد کی جمع ہے اور اس کے اندر مصدر میمی ہے، جس میں زمان ومکان اور حدث پر دلالت کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ تو یہاں قبروں کو مساجد بنانے کا معنی یہ ہے کہ بروجہ تعظیم اُن قبروں کے سجدے کیے جائیں اور ان کی عبادت شروع ہو جائے، جس طرح کہ مشرکین کا بتوں کے ساتھ معاملہ ہے۔ اس کی تائید ''طبقاتِ ابن سعد'' میں موجود ایک دوسری صحیح روایت سے بھی ہوتی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِی وَثَنًا لَعَنَ اللّٰہُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُوْرَ أَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ---

''اے اللہ! میری قبر کو بت پرستی کی نحوست سے پاک رکھنا۔ خدا کی ان لوگوں پر لعنت پڑے، جنھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا''---

تو اس حدیث میں یہ ٹکڑا ((لعن اللہ قوما)) دراصل ((جعل القبر وثنا)) کا بیان واقع ہوا ہے۔ حدیث کا مفاد یہ ہے کہ اے اللہ! میری قبر کو بت نہ ہونے دینا کہ جس کے سجدے کیے جائیں اور جس کی عبادت کی جائے، جس طرح کہ کچھ لوگوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدے کیے ہیں۔

امام بیضاوی فرماتے ہیں:

جب یہود ونصاریٰ اپنے انبیا کی تعظیم وتکریم میں اس حد تک بڑھ گئے کہ ان کی قبروں کو سجدے کرنے لگے اور انھیں اپنا قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف توجہ کرنے لگے اور انھیں بالکل

بت ہی بنالیا، تو ان پر اللہ کی پھٹکار نازل ہوئی اور اہل اسلام کو ایسے عمل سے سختی سے منع کر دیا گیا؛ لیکن کسی نیک ہستی کے پڑوس میں مسجد بنانا یا اُن کے مقبرے میں نماز اَدا کرنا، اس مقصد سے کہ اُن کے روحانی فیوض و برکات حاصل ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا مدفن مسجد حرام میں ٹھیک حطیم کے اندر ہے، پھر وہ مسجد دنیا کی افضل ترین جگہ ہے، حتیٰ کہ ہر مصلّی حالت نماز میں اسی کی طرف اپنے رخ کو متوجہ رکھتا ہے۔

صرف ایسے قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے جہاں قبریں کھلی ہوئی ہوں کہ اس میں نجاست ہوتی ہے۔

(لہٰذا ایسے صریح اور روشن دلائل وشواہد سے صرفِ نظر کر کے) کسی مزار کو اس کی اپنی جگہ سے ہٹانا یا مسجد کے اندر سے کھدائی کر کے اسے باہر کر دینا، خصوصاً ایسی قبروں کو جو اَولیا وصالحین اور شہدا وعلما کی طرف منسوب ہیں یا اس کے نشانات کو محو کرنا اور اوپر کے حصے کو منہدم کر کے اسے زمین کے برابر کر دینا- یہ سارے اعمال خواہ کسی بھی صورت کے تحت ہوں- شرعاً حرام ہیں اور گناہِ کبیرہ میں شامل ہیں؛ کیوں کہ اس میں عام مردوں کی بے حرمتی اور اہل اللہ وصالحین کے حق میں بے ادبی ہے۔ اور انھیں کی شانِ اعلیٰ نشان میں کہا گیا تھا کہ جس نے اُن کو تکلیف واَذیت دی وہ خود کو اللہ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تیار رکھے۔ اور اُن کے تعلق سے ہمیں تو بس اِتنا ہی حکم ہے کہ خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ، ہر حال میں اُن کی تعظیم وتوقیر اور عزت وتکریم کی جائے۔

لہٰذا ہم دنیا جہان کے مسلمانوں سے عموماً اور ممالک اِسلامیہ کے علما وفضلا، اَئمہ ومشائخ اور ذمہ دارانِ اوقاف وغیرہ سے خصوصاً یہ دینی درخواست اور ضروری اپیل کرتے ہیں کہ وہ ایسی شیطانی کوششوں اور بے سر و پا سرگرمیوں کو ناکام بنانے اور جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے میں پورے شد ومد کے ساتھ اپنا مذہبی کردار اور فرضِ منصبی اَدا کریں۔

یہ لوگ شرق وغرب کے کونے کونے میں جا کر اُن اولیا وصالحین کی قبروں کو مسمار کر دینا چاہتے ہیں جسے خوش عقیدہ مسلمانوں نے اپنے اَدوار میں تعمیر کیا، اور جس کا آغاز خود ان کے مقدس نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے روضۂ اقدس سے ہوتا ہے۔ اور جسے صحابۂ کرام نے بھی اپنے دور میں برتا ہے: جیسے جدہ کے ساحل پر مقبرۂ ابوبصیر رضی اللہ عنہ...... سرزمین مصر پر اہل بیت عظام مثلاً امام حسین، سیدہ زینب اور سیدہ نفیسہ کے مقبرے، نیز برگزیدہ اَئمہ مذاہب مثلاً امام شافعی اور لیث بن سعد کی قبریں...... بغداد میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، نیز اولیا وصالحین مثلاً شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلی کے مزارات...... یوں ہی مصر میں ابوالحسن شاذلی، لیبیا میں عبدالسلام اسمر کے مقابر...... اساطین اُمت اور محدثین کرام میں بخارا کے اندر امام بخاری، مصر میں ابن ہشام انصاری، امام عینی، قسطلانی اور

سیدی احمد دردیر وغیرہ، ایسے اکابر واسلاف کے اسمائے گرامی کی ایک لمبی فہرست ہے۔
(اُن لوگوں کے بقول) یہ سب شرک کے اُڈے اور مشرکین کے اعمال ہیں۔ اور جس وقت مسلمان یہ عمل بجالاتے ہیں تو وہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی نحوست میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اُن کے نزدیک انبیا وصالحین سے توسل، ان کے مزارات ومکانات کی تعظیم وتوقیر بت پرستی اور شرک وبدعت کے زمرے میں آتی ہے؛ حالاں کہ اُمت اِسلامیہ نسلاً بعد نسلٍ صدیوں سے ان پر عمل پیرا چلی آرہی ہے۔

یہ لوگ مسلمانوں کو کافر وفاسق اور بدعتی بنانے میں اہل خوارج سے کسی طور کم نہیں، بلکہ دو قدم آگے بڑھ کر اُمت اسلامیہ کی تہذیب وثقافت اور اس کے مجد وشرف کا جنازہ اُٹھانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی دیرینہ تمنا ہے کہ وہ مسلمانوں کے علمی، ثقافتی اور تاریخی آثار وباقیات کو نوچ نوچ کر نابود کرڈالیں؛ تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے اِحساس کی چنگاری بھی بجھ جائے، اور ان کے لوحِ ذہن پر یہ نقش ہو جائے کہ ان کے اَسلاف گمراہ وگمراہ گر، فاسق وفاجر، بت پرست، غیر اللہ کی پرستش کرنے والے اور غیر شعوری طور پر شرک سے آلودہ تھے۔ گویا

ع: اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ان لوگوں کو یہ سب کچھ کر گزرنے کی جسارت وجراَت صرف اپنی بیمار سوچ اور علمی ناپختگی کے باعث ہوئی؛ کیوں کہ درحقیقت وہ آیات واحادیث جو غیر اللہ کی پرستش کرنے والے مشرکین کی بابت نازل ہوئی تھیں ان لوگوں نے اسے اُن اہل توحید مسلمانوں پر چسپاں کرنا شروع کردیا جن کے دل اللہ ورسول کی محبت سے آباد اور اولیا وصالحین کی عقیدت سے پرنور ہیں اور جو (بحکم شرع) زندہ ومردہ بہر صورت اُن اہل اللہ کی تعظیم وتکریم بجالاتے ہیں۔

یقیناً یہ سب خوارج کی بولیاں ہیں۔ نام بدلا ہوا ہے مگر کام ہو بہو وہی ہے کہ وہ لوگ بھی مشرکین کے بارے میں نزول شدہ آیات کو قصداً اہل اسلام پر فٹ کر کے (اپنی ابلیسی سوچ کی تسکین کا سامان کرتے تھے اور) اُمت میں افتراق وانتشار کو ہوا دیتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے خوارج کا وصف بیان کرتے ہوئے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے، یوں ہی امام طبری نے بھی ''تہذیب الآثار'' میں اسے سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اس لیے دنیا جہان کے مسلمانوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اس دین سوز دعوت وتبلیغ کے آگے ناقابل شکن دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں، ان سرکشوں کی سرکشی پر بند باندھیں اور ان کی بغاوت کی آگ ٹھنڈی کریں؛ ورنہ ہمارے اولیا وصالحین کے مزارات، ساداتِ کرام کے مقابر، اساطین اُمت اور علما وشہدائے ملت کے مقاماتِ مقدسہ بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائیں گے، اور یہ

فاسق ومنافق لوگ بے سر وپا بہانے تراش کر شیطان کے اِشارۂ اَبرو پر وہ کچھ کر ڈالیں گے جن کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

مصر کے بعض اولیا وصالحین کے مقاماتِ مقدسہ پر اس نو پید جماعت کی سورشیں بپا ہونے کے بعد ''مجمع البحوث الاسلامیہ'' اپنی غیرتِ دینی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوری شد ومد کے ساتھ نہ صرف یہ فتویٰ جاری کرتی ہے بلکہ اُمت کے ذمہ داروں سے پر زور اپیل بھی کرتی ہے کہ وہ اس کھلے چیلنج کا مقابلہ کریں، انھیں سختی سے روکیں اور یہ یقین رکھیں کہ اُن لوگوں کے یہ سارے تصرفات شرعاً حرام بھی ہیں اور عرفاً وقانوناً جرم بھی۔

جیسا کہ حال ہی میں مصر کے وزارتِ اوقاف سے یہ بیان شائع ہو چکا ہے کہ ''بدقسمتی سے ہمارے دور میں گھناؤنی ذہنیت رکھنے والا ایک ایسا گروہ نکل آیا ہے (جو دین کی تعبیر وتشریح من چاہی کرتا ہے) اُن کا مقصد لوگوں کو راہِ ہدایت سے ہٹانے کے سوا کچھ نہیں، انھیں علم کی ہوا تک نہیں لگی، وہ اہل اللہ پر بڑی جرأت وبے باکی دکھاتے ہیں اور ان کے مزارات کو نذرِ آتش کرنے اور مسمار کر دینے ہی کو عین توحید سمجھتے ہیں۔ مگر درحقیقت انھوں نے یہ روِش اپنا کر اللہ ورسول کے غضب کو مول لیا ہے اور مسلمانانِ عالم کو عموماً اور اہل مصر کو خصوصاً دلی رنج واَذیت پہنچایا ہے۔ حالاں کہ ہر دور کے علماے اعلام کا اِجماع چلا آرہا ہے کہ صالحین کی قبروں کی بے حرمتی، اُن کی مسماری یا کسی بھی طور سے ان کی بے ادبی شریعتِ اسلامیہ کی روح کے منافی ہے۔ جو بھی ایسا کرتا ہے سمجھیں وہ زمین میں فتنے فساد جگا تا ہے اور قوم وملک کے اَمن وسکون کو غارت کرتا ہے''۔

لہٰذا شہر لیبیا وغیرہ اور دیگر اسلامی ملکوں کے اَربابِ حل وعقد اور با اَثر ورسوخ شخصیات کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اِس فتنے کا سد باب کریں اور ایسے منحوس ہاتھوں کو اولیا وصالحین کے مزارات تک پہنچنے سے پہلے ہی مروڑ کے رکھ دیں؛ کیوں کہ اولیائے اُمت کے لیے اُن کے دل میں احترام وعقیدت کا کوئی شوشہ باقی نہیں رہا۔ — اللہ بس، باقی ہوس۔

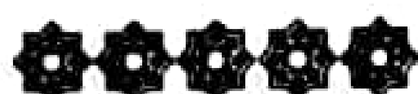
و اللّٰہ سبحانہ و تعالٰی اعلم

امانۃ الفتوی

محمد وسام خضر، محمد شلبی، عبد اللّٰہ عجمی حسن،

علی عمر فاروق، محمد العاشور

۲۰۱۱/۱۰/۲۴ء



حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

سیرت و تعلیمات

علامہ حافظ ممتاز احمد چشتی

حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ دین اسلام کی عظیم الشان خدمات اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے حوالے سے عالم گیر شہرت و مقبولیت رکھتے ہیں۔ ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کا نام نامی، اسم گرامی آج بھی قلوب و اذہان میں مرکوز ہے۔ رشد و ہدایت کا یہ چراغ سرزمین افغانستان کے شہر غزنی میں روشن ہوا اور اپنی روشنی سے کفر و شرک کے اندھیروں کو ختم کر دیا۔ آپ کا سلسلہ نسب امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے جاملتا ہے اور آپ حسنی سادات میں جلیل القدر، نامور شخصیت کے مالک ہیں۔

مشہور روایات کے مطابق آپ سنہ چار سو ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت علم و فن کے مرکز، شہر غزنی میں ہوئی۔ ذوق طلب اور بلندیٔ ہمت کے پیش نظر غزنی کے ماہرین فنون سے علم حاصل کرنے کے بعد آپ نے مزید علم و معرفت کی طلب میں دور دراز علاقوں کا سفر اختیار کیا۔

آپ کے حالات زندگی سے پتا چلتا ہے کہ آپ نے اکثر و بیشتر عرصۂ حیات طلب علم، ریاضت، مجاہدہ اور بزرگوں کی صحبت و معیت میں گزار دیا۔

آپ نے اپنے دور کے مشہور بزرگ حضرت شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے علم و فقر کی طلب میں عراق، شام، لبنان، آذربائیجان، خراسان، کرمان، خوزستان، طبرستان، ترکستان اور ماوراء النہر کا سفر اختیار کیا۔ علم و فن کے ساتھ ساتھ آپ نے ریاضت اور مجاہدے میں خوب دلچسپی لی اور مختلف بزرگان دین سے کسب فیض کیا، جن بزرگوں کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور ان سے فیض حاصل کیا، ان میں آپ کے شیخ طریقت کے علاوہ حضرت ابوالقاسم علی بن عبداللہ گورگانی، امام ابوالقاسم قشیری، حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر اور شیخ احمد حماد سرخسی خاص شہرت و اہمیت رکھتے ہیں۔ علوم و فنون اور ریاضت و مجاہدہ کی تکمیل کے بعد آپ دین اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں مصروف ہو گئے، آپ سے ہزاروں علماء و مشائخ نے فیض حاصل کیا اور لاکھوں کی تعداد میں عوام الناس نے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کا درس لیا۔

اسلامی تصوف اور طریقت میں آپ کی کتاب کشف المحجوب کو بڑی شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ کی اس کتاب کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں اور آپ کے بعد آنے والے مختلف سلاسل کے تمام بزرگوں نے آپ کی اس کتاب کو زبردست اہمیت دی ہے۔ اکثر و بیشتر بزرگوں کی تصانیف اور ملفوظات و مکتوبات میں کشف المحجوب کے حوالے پائے جاتے ہیں۔ بزرگان دین میں حضرت شیخ فریدالدین عطار، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے کشف المحجوب کی بہت تعریف و توصیف کی ہے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کشف المحجوب مرشد کامل کے قائم مقام ہے، اگر کسی کو شیخ کامل نہ مل سکے تو اس کتاب کے مطالعہ اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے سے اسے مقصود حقیقی حاصل ہو جائے گا۔ کشف المحجوب کے علاوہ آپ کی جن تصانیف کا تذکرہ کشف المحجوب میں ملتا ہے، ان میں کتاب فنا و بقا، الرعایۃ بحقوق اللّٰہ، کتاب البیان لاھل العیان، منھاج الدین اور شرح کلام منصور حلاج شامل ہیں۔

آپ کی تعلیمات میں ملفوظات کو خاص اہمیت حاصل ہے، جن میں شریعت و طریقت کے

بہت سے مسائل پائے جاتے ہیں۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، انسان کے لیے علم ظاہری اور باطنی دونوں کا حصول ضروری ہے، علم سے بے نیاز ہو کر تصوف کا حصول سخت مشکل ہے، سالک وہ ہے جو تنگی اور خوش حالی ہر صورت میں احکام الٰہی پر عمل کرے اور کسی شیخ کامل سے بیعت کرے۔ آپ خلوص نیت، عاجزی، تواضع اور خاموشی کے بارے میں تاکید فرماتے ہیں۔ فقر و تصوف کے حصول کے لیے آپ سیر و سیاحت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں:

''توبہ گناہ کو، جھوٹ رزق کو، غم عمر کو، غیبت نیک اعمال کو، صدقہ بلاؤں کو، غصہ عقل کو، پشیمانی سخاوت کو، تکبر علم کو، نیکی برائی کو اور عدل ظلم کو کھا جاتا ہے''---

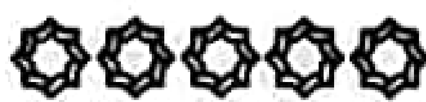
بہت سے ممالک کی سیر و سیاحت کے بعد آپ نے پنجاب کے شہر لاہور کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا اور اس شہر کو داتا کی نگری کا اعزاز عطا فرمایا۔ لاہور میں آپ نے علوم ظاہری و باطنی کا فیض عام جاری فرمایا اور تبلیغ وارشاد کی مسند پر بیٹھ کر تشنگان علم و معرفت کی پیاس بجھائی، دین اسلام کی عظیم الشان خدمات سرانجام دینے اور اسلامی تعلیمات کی عالم گیر نشر و اشاعت کے بعد سنہ چار سو پینسٹھ ہجری میں شریعت کا یہ آفتاب اور طریقت کا یہ ماہتاب نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔

سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے مزار پر چلہ کیا اور آپ کی شان میں یہ شعر کہا، جو آج تک اہل محبت کی زبان پر جاری و ساری ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ کے مزار اقدس پر ہر وقت خلق خدا کا ہجوم ہوتا ہے، تلاوت قرآن، درود و سلام، نعت خوانی اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور روحانی بہار کا سماں معلوم ہوتا ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم نے آپ کی بارگاہ میں کچھ اس انداز سے خراج تحسین پیش کیا ہے:

سید ہجویر مخدوم امم — مرقد او پیر سنجر را حرم
خاک پنجاب از دم او زندہ گشت — صبح ما از مہر او تابندہ گشت



بدعات وخرافات کے سب سے بڑے مخالف

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

صادق رضا مصباحی، ممبئی

۱۸۵۷ء سے صرف ایک سال قبل ۱۸۵۶ء میں آسمانِ ہند میں احمد رضا نام کا ایک ستارہ طلوع ہوا اور ۱۹۲۱ء تک اپنی روشنی بکھیرتا رہا۔ جب ٹوٹا تو اس روشنی کے عکوس اپنی جلوہ سامانیوں سے پورے برصغیر کو مسحور کر چکے تھے۔ اس سحر انگیزی کے اثرات اب تک قائم ہیں اور یقین واثق ہے تا دیر اس سحر انگیزی کا طلسم نہ ٹوٹے گا۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کیا تھے اور کیا نہیں تھے اس سلسلے میں اجمالی طور پر اتنا سمجھ لیجیے کہ علمائے عرب وعجم نے ان کی حیرت انگیز علمی خدمات، حیرت انگیز فتوحات اور متنوع حیثیتوں کو دیکھ کر (معجزۃ من معجزات رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کہا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ بالکل صحیح کہا تھا۔ ہم جب ان کی حیات کو ترازو کے ایک پلے میں رکھتے ہیں اور ان کی خدمات کو دوسرے پلے، تو ان کی حیات کے مقابلے میں ان کی خدمات کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اتنے کم وقت میں اتنا بڑا کام کیسے کر لیا، جو کیفیت کے اعتبار سے بھی لاجواب ہے اور کمیت کے اعتبار سے بھی

اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو اصلاحِ مفاسد کی مہک سطر سطر سے پھوٹتی محسوس ہوتی ہے۔ یہ اصلاحات ایمانی زندگی کے ہر اعلیٰ سے اعلیٰ اور ادنیٰ سے ادنیٰ گوشے میں مکمل توانائی کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کی حیات کا ہر ہر پہلو ایک آفتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے چراغ کی لو نے لاکھوں گھروں کو بقعۂ نور بنا دیا ہے۔ وہ جدھر بیٹھے روشنی اپنا رخ ادھر کرتی رہی۔ ان کے چراغ سے چراغ جلے تو ہر چہار جانب روشنی ہی روشنی دکھائی دینے لگی۔ ان کے علمی دلائل اتنے مضبوط اور ناقابلِ تردید تھے کہ ان کا بڑا سے بڑا مخالف بھی مبہوت ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ان کے مخالفین ان کی مخالفت تو کرتے رہے مگر ان کی علمی حیثیت کو کبھی چیلنج نہ کر سکے، بلکہ ہمیشہ ان کی شخصیت کے اس پہلو کے اسیر رہے۔

آج جب ہم عصرِ حاضر کے سیاق میں فکرِ رضا کی اہمیت و افادیت اور حقیقت و معنویت کو اپنے قلم سے ہم رشتہ کرنے بیٹھے ہیں تو نوکِ قلم پر ان کی حیات کے بے شمار پہلو آنے کو بے تاب ہیں۔ سب سے پہلے بات کرتے ہیں ان کے عشق رسول کی۔ انہوں نے عشقِ نبوی علیہ السلام کے خیمے اپنی تصنیفی دنیا میں جگہ جگہ نصب فرمائے اور ان کے ذریعے مسلمانوں کی فکر و عمل کی آبادیوں میں عشقِ رسول کی ایسی ہوا چلائی کہ اس میں مفسدات و منکرات کا دم گھٹتا نظر آیا۔ ان کے ذریعے اصلاحِ فکر و اعتقاد کی کونپلیں پھوٹیں، عشقِ رسول کی کلیاں چٹکیں، انبیا کی عظمت و اہمیت کے چمن لہلہا اٹھے، محبتِ صحابہ کے پھول کھلے، عظمتِ اولیا کے گلاب مہک اٹھے، معاشرے میں اصلاحِ احوال کے چراغ جلنے لگے اور مکروہ عناصر کو بھاگنے ہی میں عافیت محسوس ہوئی۔ امام احمد رضا نے صرف عشقِ رسول کی نبض پکڑی اور پورے معاشرے کے جسم کا علاج کر دیا، جس کی وجہ سے پورا ایمانی معاشرہ معطر ہو اٹھا۔ اگر کوئی حقیقت کی نگاہ سے دیکھے تو وہ یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکے گا کہ اس کی عطر بیزی آج تک قائم ہے اور نسل در نسل منتقل ہوتی جا رہی ہے۔

تعلیمی حیثیت سے دیکھیں تو فکرِ رضا کی معنویت کے متعدد رنگ ذہن کے سامنے رقص کناں نظر آتے ہیں۔ انہوں نے فروغ اہل سنت کے لیے جو نکات پیش فرمائے وہ امام احمد رضا کے وسیع ترین مطالعے، غیر معمولی بصیرت، خداداد صلاحیت اور آپ کی عبقریت کا منہ بولتا ثبوت ہیں مگر انہیں ان کا وہ حق نہ مل سکا جن کے وہ حق دار تھے، فیا للاسف۔ آپ یقین کیجیے کہ اگر

مدارسِ اسلامیہ میں ان نکات کی معنویت کو مزید غور و فکر کی آنچ دی جاتی اور انہیں عمل کی بھٹی میں پکایا جاتا تو ان کی معنویت کے سہارے مسلمانوں کے تعلیمی مستقبل کی لوئیں بڑھ جاتیں، مدارسِ اسلامیہ اور مکاتبِ دینیہ کے معیار کا جھنڈا کچھ اور اونچا ہو جاتا، دین اسلام کی تبلیغ و ترسیل کی شاہ راہیں مزید وسیع و خوبصورت ہو جاتیں، علمائے ملتِ اسلامیہ کے تعلیمی اور تبلیغی بازو کچھ اور مضبوط ہو جاتے، طلبہ کے احساسات ان کے تعلیمی، دعوتی اور معاشی مستقبل کے امکانات سے خوب منور و تاب ناک ہو جاتے اور جب یہ سارے فوائد حاصل ہوتے تو ظاہر ہے کہ عوام الناس اس سے کیوں کر محروم رہتے، نتیجۃً ان کے اصلاحات کے دامن بھی لعل و گہر سے بھر بھر جاتے اور جب ان ساری چیزوں سے اہل سنت و جماعت کا قلعہ مزین ہو جاتا تو کیا مجال کہ دشمن اپنی ترچھی آنکھ سے ہمیں ڈرا سکتا، مگر ہم نے امام احمد رضا کی تعلیمات کو اپنے عمل سے مربوط کرنے کے لائق ہی نہیں سمجھا ان کو صرف نعروں اور عقیدتوں کی چادر میں چھپایا گیا اور عقیدتوں کے ساز پر ان کے نام اور خدمات کے ترانے گائے جاتے رہے۔ اگر عملی طور پر ان کو برتا جاتا تو ہماری ترقی کا منار کچھ اور ہی بلند ہوتا۔

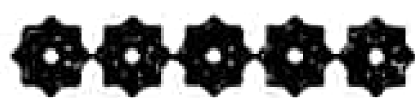
امام احمد رضا نے اسلامی معاشرے کو فارغ البال اور خوش حال بنانے کے لیے جو اہم ترین معاشی نکات پیش فرمائے تھے، ان پر آج تک دادِ تحقیق دی جا رہی ہے اور محققین انہیں مسلمانوں کے معاشی استحکام کی ضمانت سمجھ رہے ہیں۔ ظاہر ہے جب ہم معاشی طور پر خود کفیل ہوتے تو ہمارے غیروں کو بھی ہمارے اندر جھانکنے کی دل چسپی پیدا ہوتی، ہماری خوش حالی ان کے سامنے ہوتی تو وہ ضرور ہماری خوش حالی کا ماخذ تلاش کرنے کی کوشش کرتے۔ ایسی صورت میں کیا عجب کہ وہ اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے اور مسلمانوں سے متاثر ہو جاتے۔ امام احمد رضا نے مسلمانوں کو خود کفیل بنانے کے متعلق فرمایا تھا کہ مسلمان اپنے اسلامی بینک کھولیں اور زکوٰۃ، فطرہ، صدقات، امداد وغیرہ کی رقوم ایک جگہ جمع کریں تو کوئی بھی مسلمان غریب نہیں رہ سکتا اور اس غربت کی بنا پر اسے عذاب نہ جھیلنا پڑتا اور جب ہم اجتماعی کوششوں سے اپنی غربت کو خیر باد کہہ دیتے تو یقینی طور پر مسلمان خود بخود دینی و دنیاوی سطح پر ترقیوں کے نقوش مرتسم کرتے چلے جاتے۔

جس زمانے میں امام احمد رضا نے یہ نکات پیش فرمائے تھے، اگر اسی زمانے ہی سے ان کو

عمل کی سطح پر پرکھا جاتا تو آج مسلمانوں کی حالت کی کوئی اور ہی سمت ہوتی۔ کاش اب بھی ایسا ہو جائے۔ ان کی تصانیف پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی دینی و علمی خدمات کے ساتھ ساتھ قوم مسلم کی ہر طرح کی اصلاح کے لیے بھی جامع اصول تیار فرمائے ہیں۔ بس ضرورت ہے ان پر عمل کرنے کی اور مثبت اور معنیٰ خیز نتائج کا انتظار کرنے کی۔ ہم جب صرف فکری سطح پر ان کے افکار کی معنویت کا جائزہ لیتے ہیں تو اتنے سارے فوائد نگاہوں کے سامنے ناچنے لگتے ہیں کہ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں پر دل سے ایمان لے آنے کو جی چاہتا ہے۔ کاش عملی سطح پر ان کا تجربہ کیا جا سکے، یقیناً اس کے حیرت انگیز فوائد و اثرات ظاہر ہوں گے۔

امام احمد رضا بریلوی نے برصغیر کی تاریخ میں پنپ رہی گمراہیوں اور بدعات کا قلعہ قمع کیا اور لوگوں کی ایمانیات و فکریات کو محفوظ فرما دیا۔ ان کی شخصیت کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ بدعات و خرافات کے سب سے بڑے مخالف تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زبان و قلم سے اس کی پرزور تحریک چلائی اور ببانگ دہل اس کے خلاف جہاد بالقلم کیا، جس کے نہایت مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ امام احمد رضا کی سب سے عظیم خوبی یہی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں مدھم ہوتی ہوئی عشق نبی کی لو کو بڑھایا، اسے تازگی بخشی اور دماغوں، فکروں اور دلوں سے بدعات و خرافات کو کھرچ کھرچ کر پاک وصاف کیا۔ امام احمد رضا کے تعلق سے لوگ غلط فہمی کے شکار ہیں، ایسے لوگوں کے لیے ان کی کتابوں کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا مگر اس کے لیے غیر جانب داری اور معروضیت ناگزیر ہے۔ ان کی شخصیت اور افکار کو عام کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان کے نظریات کی وسیع تر پیمانے پر ترسیل کی جائے، تاکہ عشق نبی کی روشنی گھر گھر کو منور و تابناک کر سکے، ان کی تعلیمات پر لبیک کہا جائے، مسلمانوں کے روشن مستقبل کے لیے جو واضح نقوش ان کی فکر رسا اور خامہ زرنگار نے مرتسم کیے ہیں، ان پر چلا جائے اور ان کی بدعات مخالف مہم کو زیادہ سے زیادہ فروغ دیا جائے۔

﴿امام احمد رضا کی ولادت ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴ رجون ۱۸۵۶ء کو ہوئی، جب کہ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۲۱ء، بروز جمعۃ المبارک کو آپ کا وصال ہوا---﴾



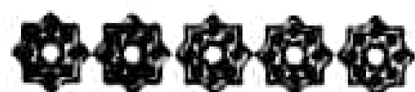
بعد کے ادوار میں بھی خانقاہ برکاتیہ سے رُشد و ہدایت اور تعلیماتِ تصوف کا احیا بہ حسن و خوبی ہوتا رہا۔ حضرت میر ابوالقاسم اسماعیل حسن شاہ جی میاں نے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کو مزید عروج عطا کیا، انھوں نے اپنے مکاتیب (مفاوضات طیبہ) کے ذریعے صوفیانہ اقدار کو نئی زندگی دی، مکاتیب (مفاوضات طیبہ) میں اصلاح و فلاح کا دستور العمل مستور ہے۔ تاج العلما سید اولاد رسول مارہروی نے سیاسی و سماجی، علمی و تصنیفی سطح پر نمایاں کام انجام دیا۔ خانقاہ برکاتیہ کی تاریخ لکھی اور مؤرخ کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ انگریز کے خلاف ذہنی فضا ہموار کی۔ تعلیمات شریعت و طریقت کے فروغ میں سید العلما مولانا سید آل مصطفیٰ مارہروی، احسن العلما مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی نے فعال کردار ادا کیا۔ ان بزرگوں نے شعر و ادب میں بھی اپنی نگارشات کا بڑا حصہ چھوڑا اور تصوف کے ساتھ ہی علم دین کی اشاعت بھی فرمائی۔

خانقاہ برکاتیہ کے موجودہ مشائخ بالخصوص ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی (شعبۂ اردو، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ)، حضرت سید آل حسنین میاں نظمی، سید محمد اشرف برکاتی (انکم ٹیکس کمشنر، دہلی)، سید محمد افضل برکاتی (آئی اے ایس، سابق رجسٹرار مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ)، پروفیسر سید جمال الدین اسلم مارہروی (شعبۂ تاریخ، البیت یونی ورسٹی جارڈن)، سید نجیب حیدر برکاتی نوری، شمع علم و معرفت روشن کیے ہوئے ہیں۔ ان کی خدمات کا دائرہ سمتوں میں پھیلا ہوا ہے۔

راقم نے چند ماہ پیش تر شمالی ہند کا سفر کیا، اس دوران علی گڑھ کی معیاری درس گاہ "البرکات انسٹی ٹیوشنس" (جامعہ البرکات) دیکھنے کا موقع ملا، عصری تعلیم کا پُر شکوہ مرکز، جہاں ضروری دینی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ اسے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ نے قائم کیا ہے۔ حسن تعمیر کا یہ مرقع اپنی فعالیت کے اعتبار سے بھی ممتاز مقام رکھتا ہے۔ قوم کی اعلیٰ تعلیمی تربیت کے ساتھ معیار علم میں اس کا اپنا مزاج ہے۔

امین ملت ڈاکٹر سید امین میاں جامعہ البرکات کے ساتھ ساتھ فکر امام احمد رضا کے اشاعتی نیٹ ورک کی نگرانی بھی کر رہے ہیں، ساری دنیا میں سرگرم درجنوں اصلاحی، دینی، تعلیمی، ادبی اداروں کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ مسلم یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو میں استاذ کی حیثیت سے طلبا کی رہ نمائی کے ساتھ ساتھ متعدد کتب تصوف کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔

اللہ کریم! خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کی دینی، علمی، تصنیفی، اصلاحی خدمات کو شرف قبول عطا کرے اور قوم کی زبوں حالی کے تدارک کے لیے جس تعلیمی مشن کا اجرا اس خانقاہ نے کیا ہے، اس کے منصوبوں کو عمل کے گام پر کامیابی سے سرفراز فرمائے۔



ملفوظات حضرت بابا فرید گنج شکر قدس سرہ العزیز

مدیر اعلیٰ، ماہ نامہ نور الحبیب

✿ سات سو مشائخ کرام سے چار چیزوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے ایک سا ہی جواب دیا:

۱......لوگوں میں سب سے زیادہ عقل مند وہی ہے جو گناہوں کو چھوڑ دے---

۲......سب سے زیادہ محتاط اور دانا و حکیم شخص وہ ہے جو کسی چیز پر غرور نہ کرے---

۳......لوگوں میں سب سے زیادہ غنی وہ ہے جو قناعت مند ہو---

۴......سب سے زیادہ محتاج وہ ہے جو قناعت کو ترک کردے---

✿ اللّٰہ یستحی من العبد ان یرفع الیہ یدیہ و یردھما خائبین---

''اللہ تعالیٰ اس بات سے حیا فرماتا ہے کہ بندہ دونوں ہاتھ اس کی جانب اٹھا کر مانگے اور وہ اسے ناکام رد کردے''---

✿ اگر اپنے پاس کچھ ہو تو غم نہیں اور اگر نہ ہو تب بھی غم نہیں---

✿ لوگوں کی سرد کلامی کی وجہ سے اپنی سرگرمی ترک نہیں کرنی چاہیے---

✿ بسیار گوئی دلوں کو غافل کردیتی ہے، اگر تیرا اول و آخر کلام اللہ تعالیٰ کے لیے ہے تو بات کر، ورنہ خاموش رہ---

✿ درویش جب کوئی کپڑا پہنے تو یوں سمجھے کہ کفن پہن رہا ہوں---

- تم جیسے ہو، ویسے نظر آؤ، (یعنی ظاہر و باطن میں تضاد نہ ہو) ورنہ تمہاری اصلیت سامنے آجائے گی---

- جذبة من جذبات الحق خير من عبادة الثقلين---
"سچے جذبوں میں ایک جذبہ دونوں جہانوں کی عبادت سے افضل ہے"---

- حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:
طوبیٰ لمن شغله عيبه عن عيوب الناس---
"بشارت ہے اس شخص کے لیے جس کا عیب اس کو دوسرے کے عیب دیکھنے سے باز رکھے"---

- صوفی وہ ہے جس کی برکت سے تمام چیزیں صفائی حاصل کریں اور اس صوفی کو کوئی چیز تاریک نہ کرے---

- اگر تم اکابر کے درجہ پر فائز ہونا چاہتے ہو تو حکمرانوں سے عدم التفات رکھو---

- العلماء اشرف الناس و الفقراء اشرف الاشراف---
"لوگوں میں سب سے شریف تر علماء ہیں اور شرفاء میں سب سے شریف فقراء ہیں"---

- الفقير بين العلماء كالبدر بين كواكب السماء---
"علماء میں صاحب علم فقیر یوں ہے جیسے آسمانی ستاروں میں چودھویں رات کا چاند"---

- ارذل الناس من اشتغل بالاكل و اللباس---
"لوگوں میں ذلیل ترین شخص وہ ہے جو کھانے اور پہننے میں مشغول رہے"---

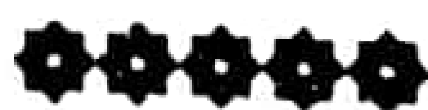
- الانبياء احياء فی القبور---
"انبیاء کرام قبروں میں زندہ ہیں"---

- حق تعالیٰ سے رشتۂ بندگی مضبوط کرو کہ ہر ایک کو سب کچھ وہی عطا فرماتا ہے---

- جس کام کی برائی سے متعلق دل گواہی دے، اس کا خیال چھوڑ دے-----

- دولت مندوں کے پاس بیٹھو تو دین کو نہ بھولو-----

- دولت کا متمنی درویش حریص ہے-----



حیات وتعلیماتِ
حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر رضی اللہ عنہ

فیروزالدین احمد فریدی

کسی عظیم شخصیت سے تعارف کے لیے ہمیں اس دور کا شعور چاہیے جس میں اس شخصیت نے اپنی عمر گزاری ہو۔ فریدالدین مسعود گنج شکر ۱۱۸۰ء اور ۱۲۷۱ء کے درمیان تقریباً نوے برس اس دنیا میں رہے۔ نوے برس کا یہ دور تاریخ میں قرونِ وسطیٰ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب دور تھا، ایک طرف مسلمانوں کی دنیاوی حکومت ایسی پستیوں میں گری جس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملے گی، دوسری طرف اسلام کی روحانی سلطنت نے عروج کی ان رفعتوں کو چھوا جن کی مثال تاریخ میں کم ہی ملے گی۔ یہ وہ دورِ ابتلاء تھا جب بغداد میں صدیوں سے قائم خلافت عباسیہ اور قرطبہ میں صدیوں سے قائم خلافت امویہ کا نام ونشان مٹ گیا، یہی وہ دور تھا جب چنگیز خان ۱۱۶۲ء میں یا اس کے لگ بھگ منگولیا میں پیدا ہوا، بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کے ۱۸ برس

بعد ملتان کے نزدیک ایک قصبے ''کوٹھے وال'' یا ''کھتوال'' میں پیدا ہوئے۔ ملتان سے دس میل (یا سترہ کلومیٹر) شمال مشرق میں آج بھی ''کوٹھے وال'' کے نام سے ایک قصبہ موجود ہے۔ جب چنگیز خان ۱۲۲۷ء میں مرا تو حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۴۷ رسال کے تھے۔ یہی وہ دور تھا جب ۱۵ رجون ۱۲۱۵ء کو شاہ انگلستان جان نے میگنا کارٹا پر مہر شاہی ثبت کی۔ جب انگلستان میں رنی میڈ کے مقام پر اس دستاویز پر مہر شاہی ثبت کی جارہی تھی تو بابا صاحب ۳۵ ربرس کے جوان تھے۔ اس وقت روم میں مشہور پوپ انوسنٹ سوم پاپائے روم تھا۔ کم لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ شاہِ انگلستان جان کی درخواست پر اس مشہور پوپ نے میگنا کارٹا کو منسوخ قرار دیا تھا۔ ۱۲۳۶ء میں جب قرطبہ سے مسلمانوں کی حکومت ہمیشہ کے لیے ختم ہوئی، اس وقت بابا صاحب ۵۶ ربرس کی ادھیڑ عمر میں داخل ہو چکے تھے اور ۲۲ ربرس بعد، فروری ۱۲۵۸ء میں جب ہلاکو نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو بابا صاحب ۷۸ ربرس کے بوڑھے تھے۔

بغداد اور قرطبہ صرف مسلم حکومتوں کے دارالخلافہ نہ تھے بلکہ مشرق و مغرب میں نہ صرف مسلم تہذیب و تمدن بلکہ بین الاقوامی علوم و فنون کے مراکز تھے۔ تاریخ کی ستم ظریفی دیکھیے کہ ایک طرف مشرق اور مغرب میں عقل اور علم کے یہ قدیم مراکز اُجڑ رہے تھے اور دوسری طرف اسی دور میں ۱۲۴۹ء میں ادھر مغرب میں آکسفورڈ کے مقام پر انگلستان کا پہلا کالج ''یونی ورسٹی کالج آکسفورڈ'' کے نام سے قائم ہو رہا تھا اور ادھر مشرق میں بابا صاحب تقریباً ستر برس کی عمر میں پاک پتن میں جو اس وقت اجودھن کہلاتا تھا، عقل، علم اور عشق کے اس بین الاقوامی مرکز کی بنیاد رکھ رہے تھے جو بابا صاحب کا جماعت خانہ کہلایا۔ یہ وہ دور تھا جب ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین نے یروشلم فتح کیا، جو اس کے بعد تقریباً آٹھ صدی کے بیشتر حصے میں ۱۹۶۷ء تک مسلمانوں کے پاس رہا۔ یہی وہ دور تھا جس میں ۱۱۸۹ء میں تیسری صلیبی جنگ کا آغاز ہوا، جس میں انگلستان کا بادشاہ رچرڈ شیر دل شریک تھا اور سب سے آخر میں یہ بات کہ یہ ہی وہ دور تھا جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ۱۱۹۳ء میں ترائن کے مقام پر اجمیر اور دلی کے راجہ پرتھوی راج کو شکست دے کر دلی پر قبضہ کر لیا۔ ۱۱۹۳ء ہی وہ سال تھا جب صلاح الدین ایوبی کا وصال ہوا، اس وقت بابا صاحب تیرہ برس کے لڑکے تھے۔ ۱۲۰۶ء میں محمد غوری کے نامی گرامی غلام اور جنرل قطب الدین ایبک نے سلطنت دہلی کی بنیاد رکھی۔ ایبک کے بعد مشہور سلاطین دہلی میں التمش، رضیہ سلطانہ، ناصر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن کے نام آتے ہیں۔ بلبن (فروری) ۱۲۶۶ء میں سلطان دہلی بنا اور بابا صاحب نے بلبن کے

ابتدائی دور سلطانی میں، وسط اگست ۱۲۷۱ء میں اکیانوے برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس عہد کا مشہور مؤرخ ضیاء الدین برنی تاریخ کی اپنی مشہور کتاب ''تاریخ فیروز شاہی'' میں لکھتا ہے:

''یہ عہد ایسے مشائخ کی موجودگی سے مزین اور مشرف تھا کہ ان جیسی ہستی مدت میں ایک پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً اس (بلبن) کے عہد کے ابتدائی دور میں شیخ شیوخ العالم فریدالدین مسعود بہ قید حیات تھے، وہ قطب عالم اور مدار جہاں تھے۔ اس خطہ زمین کے لوگوں کو انھوں نے اپنی پناہ اور (اپنے) سائے میں لے لیا تھا.......... ان کے قرب اور برکت انفاس کی وجہ سے لوگ دین و دنیا کی مصیبتوں سے نجات پاتے تھے اور جو اس کے اہل تھے، (وہ) ان کی ارادت کے ذریعے بلند مراتب حاصل کرتے تھے''---

ضیاء الدین برنی کے یہ دل نشین اور مشہور فقرے پڑھ کر ہماری نظر بے ساختہ زمین سے اٹھ کر تصوف کے آسمان پر پڑتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ آسمان تصوف پر اتنے چمکتے دمکتے ستارے نہ کبھی پہلے ایک ساتھ اس آب و تاب سے نظر آئے اور نہ بعد میں۔ یوں سمجھ لیجیے کہ جیسے بعض زمینیں زرخیز ہوتی ہیں، ویسے ہی بعض زمانے بھی مردم خیز ہوتے ہیں۔ یہ دور ایک انتہائی مردم خیز دور تھا۔ بابا صاحب کے تیرہ مشہور ہم عصر صوفیہ کے نام یہ ہیں:

۱.....محی الدین ابن عربی
۲.....جلال الدین رومی
۳.....شیخ سعدی
۴.....شہاب الدین سہروردی
۵.....لال شہباز قلندر (سہون)
۶.....بہاؤالدین زکریا (ملتان)
۷.....جلال الدین بخاری (اوچ)
۸.....معین الدین چشتی
۹.....قطب الدین بختیار کاکی
۱۰.....نظام الدین اولیاء
۱۱.....علاؤالدین صابر (کلیر)
۱۲.....فریدالدین عطار
۱۳.....ابوالحسن علی الشاذلی

اس دور کے چودھویں عظیم بلکہ عظیم ترین صوفی شیخ عبدالقادر جیلانی کا نام بزمِ صوفیہ کی اس فہرست میں صرف اس لیے شامل نہیں کیا گیا کیوں کہ ان کا وصال بابا صاحب کی ولادت سے تیرہ چودہ برس پہلے ہو گیا تھا۔ غور کیجیے کہ اسلامی تصوف کے عظیم سلسلوں میں سے دو یعنی ''قادریہ'' اور ''شاذلیہ''، سلسلوں کے بانی شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ ابوالحسن علی الشاذلی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ دو عظیم سلسلوں یعنی چشتیہ اور سہروردیہ کے مشہور ترین صوفیہ یعنی خواجہ معین الدین چشتی اور

خواجہ شہاب الدین سہروردی بھی اسی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند سے باہر ابن عربی، جلال الدین رومی، شیخ سعدی اور فرید الدین عطار جیسے شہرۂ آفاق نام اور برصغیر میں سہون کے لال شہباز قلندر، ملتان کے بہاؤ الدین زکریا، اوچ کے جلال الدین بخاری اور چشتیہ سلسلے کے قطب الدین بختیار، نظام الدین اولیاء اور کلیر کے علاؤ الدین صابر سب اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں، ایسا دور پہلے آیا نہ بعد میں۔ دنیا کے بادشاہوں کی بربادی کا یہ دور دین کے شہنشاہوں کی تاج داری اور سلطنتوں کی تباہی کا یہ زمانہ خانقاہوں کی آبادی کا دور تھا۔

ایک عظیم صوفی یا پیغام بر کا پیغام اس کی شخصیت کا مظہر ہوتا ہے یا دوسرے الفاظ میں اس کی شخصیت اس کے پیغام میں مضمر ہوتی ہے۔ شخصیت سے صحیح معنوں میں شناسائی ہوگئی تو سمجھ لیجیے کہ پیغام تک رسائی ہوگئی، پیغام دل میں اتر گیا تو جان جایئے کہ شخصیت کے حضور میں حاضری ہوگئی اور نصیب یاور ہے تو حاضری سے حضوری قلب بھی مل گئی۔ ۱۹۹۸ء میں مجھے زندگی میں پہلی بار ضلع شیخوپورہ کے قصبے ننکانہ صاحب جانے کا موقع ملا، یہ قصبہ گرونانک کی جائے پیدائش ہے اور سکھوں کو اس مقام سے وہی عقیدت ہے جو مسلمانوں کو مکے اور مدینے سے ہے۔ یہاں سکھوں کا ایک مقدس ترین قدیم گردوارہ ہے۔ جب میں اس گردوارے کی مختلف غلام گردشوں اور چھوٹے بڑے کمروں میں گردش کرتا، گردوارے کے عین وسط میں پہنچا تو چاندی کے ستونوں پر رکھی ہوئی ایک خوب صورت چھتری نظر آئی، جس کے نیچے چاندی کے ورقوں میں لپٹی ایک عظیم الجثہ کتاب بہت اہتمام سے رکھی تھی، جو گرمکھی رسم الخط میں تھی۔ یہ سکھوں کی مقدس مذہبی کتاب ''گرنتھ صاحب'' تھی اور چاندی جیسی سفید داڑھی والا ایک سکھ اسے بہت عقیدت سے اپنی پاٹ دار آواز میں پڑھ رہا تھا۔ وہ جو کچھ پڑھ رہا تھا، وہ بابا صاحب سے منسوب بابا صاحب کا پنجابی کلام تھا، جسے سنسکرت میں ''شلوک'' ہندی میں ''اشلوک'' اور اردو میں ''شعر'' کہہ سکتے ہیں۔ یہ اشلوک قدیم ملتانی یا سرائیکی زبان میں تھا اور گرنتھ صاحب میں اس کا نمبر ''۱۹'' ہے۔ اشلوک کے الفاظ یہ ہیں:

جنگل جنگل کیا بھویں ؟ دن کنڈا موڑیں
وسی رب ہیالیے ، جنگل کیا ڈھونڈیں

منظوم اردو ترجمہ:

جنگل جنگل پھرتا ہے ، کانٹوں کو تو روندتا ہے
رب تو بسے ہے من میں ترے، جنگل میں کیا ڈھونڈتا ہے

اللہ تعالیٰ کو پانے کا یہی وہ راستہ ہے جو مختلف زمینوں، زمانوں اور زبانوں میں اللہ جانے کب سے بتایا جاتا رہا ہے۔

گرنتھ صاحب میں بابا صاحب سے منسوب کل ۱۱۲ اشلوک ہیں، جو گرنتھ صاحب کے ایک علیحدہ باب میں درج ہیں، جس کا خصوصی عنوان ہے: "شلوک فرید جی کے"

بابا صاحب سے منسوب ایک اور اشلوک جو گرنتھ صاحب کا اشلوک نمبر ۲۸ ہے، یہ ہے:

روٹی میری کاٹھ کی ، لاؤن میری بھکھ
جنھاں کھادی چوپڑی ، گھنے سہن گے دکھ

اس کا منظوم اردو ترجمہ یہ ہوسکتا ہے:

روٹی میری کاٹھ کی اور سالن میرا بھوک
جو چکنی چپڑی کھاتا ہے، وہ دکھ بھی بہت اٹھاتا ہے

بابا صاحب کا اسی مفہوم کا ایک اور اشلوک، گرنتھ صاحب کا اشلوک نمبر ۲۹ ہے، جس کے الفاظ اتنے عام فہم ہیں کہ آج کا انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ کیا سولہویں صدی عیسوی کی گرنتھ صاحب میں شامل یہ اشلوک واقعی اتنی صدیوں پرانا ہوسکتا ہے؟ اشلوک یہ ہے:

رکھی سکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پی
ویکھ پرائی چوپڑی نہ ترسائیں جی

ان اشلوکوں کی عملی تفسیر بابا صاحب خود تھے، انھیں اپنے خالق سے عشق، اس کی مخلوق سے پیار اور دنیاوی دولت سے نفرت تھی، زندگی بھر طرح طرح کے تحائف پیش ہوتے رہے لیکن انھیں رات تک رکھنے کی اجازت نہ تھی کیوں کہ یہ اللہ پر توکل کے اس معیار کے خلاف تھا جو آکسفورڈ یونی ورسٹی کی ہم عصر اجودھن کی اس یونی ورسٹی کے تعلیمی نصاب کا سب سے پہلا اور سب سے اہم سبق تھا۔

اور اجودھن کی یہ یونی ورسٹی تھی کیا؟ گارے اور کچی اینٹوں سے بنا ایک بڑا سا کمرہ، جس کی بنیادیں کعبہ مشرفہ کی طرح انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں رکھی گئیں، اس لمبے سے کچے کمرے میں نہ صرف برصغیر پاک وہند بلکہ دوسرے ممالک کے صوفیہ، علماء اور بزرگانِ باصفا روکھی سوکھی کھاتے، ٹھنڈا پانی پیتے اور اپنے من میں بسے اپنے رب کو تلاش کرتے۔ تن پر موٹے جھوٹے کپڑے، کچی زمین پر ساتھ ساتھ بستر، ہاتھوں میں کتابیں، دماغ میں رب کا تصور، دل میں رب کی یاد، زبان پر رب کا نام اور منہ میں روزہ، راتیں ذکر و فکر میں کٹتیں، سورج چڑھتا تو سب اپنے اپنے کام

دھندے سے لگ جاتے، کوئی پانی بھرلاتا، کوئی جنگل سے لکڑیاں کاٹ کرلاتا، کوئی برتن دھوتا، کوئی جنگلی پھول، پھل اور پتے توڑ کرلاتا، کوئی انھیں پانی میں ابال کرکبھی نمکین اور کبھی بلانمک کا سالن پکاتا، گندم کا آٹامل جاتا تو اس کی روٹیاں پک جاتیں، نہ ملتا تو جوار کی موٹی موٹی روٹیوں پر ہی گزارا ہوجاتا۔ دسترخوان ہوتا تو اسے زمین پر بچھا کر کھانا اس پر چن دیا جاتا۔ ہرایک زمین پر زانو سے زانو ملا کر بیٹھتا، ہرایک کو برابر کا کھانا ملتا، تخصیص کھانے میں ہوتی نہ کھلانے میں، نہ بٹھانے میں۔

سچ تو یہ ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی میں اس پورے برصغیر میں اگر زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا تھا جہاں شاہ اور گدا سب کا ایک جیسا استقبال اور سب سے ایک سا سلوک ہوتا تھا، تو وہ پنجاب کے اس دورافتادہ، ریتلے اور گرم قصبے کے جماعت خانے اور اس کے اردگرد کی یہ چند سو مربع گز زمین تھی۔ یہ ایک اقامتی یونی ورسٹی تھی، جہاں نہ صرف تعلیم بلکہ تربیت، تجربہ، خوراک اور رہائش سب مفت تھیں۔ اس یونی ورسٹی کی تعلیم کا نصاب عقل، علم اور عشق تھے۔ یہاں کی تعلیم کا مقصد کسی ڈگری کا حصول تھا نہ کسی ملازمت کا۔ اس تعلیم کا واحد مقصد اس شمع کے نور اور اس کی حرارت کو زیادہ سے زیادہ جذب کرنا تھا جس کے دم سے درویشی کے اس سلسلے کا ابد تک قائم رہنا ازل سے مقدر ٹھہرایا جاچکا تھا۔

فریدالدین مسعود گنج شکر اپنی مدھم، ملائم، میٹھی، موہنی اور مدھ بھری آواز میں ٹھہر ٹھہر کر بعض اوقات دہرا دہرا کر قرآن، حدیث، تصوف اور اسلامی قوانین کے انتہائی پیچیدہ مسائل یوں سمجھاتے کہ یہ ابدال اور نابغہ روزگار علماء اور فضلاء جو یہاں طالب علم کی حیثیت سے مقیم تھے، عش عش کر اٹھتے۔ ان کا کہا اللہ کا کہا ہوتا تھا، گو وہ اللہ کے بندے کی زبان سے ادا ہو رہا ہوتا تھا۔ اور پھر تعلیم خالی زبان سے تو نہ تھی، سب سے بڑا معلم تو شیخ الجامعہ یعنی یونی ورسٹی کے چانسلر کا اپنا کردار تھا، شفاف آئینے کی طرح ایک ایسا کردار جس میں عمر بھر ظاہر اور باطن میں ذرہ بھر فرق نہیں رہا۔ کھرے سونے کی طرح ٹھوس، پائیدار اور اندر باہر سے یکساں چمکیلا اور سب سے آخر میں اس تعلیم کا ذریعہ وہ باطنی توجہ تھی جو شیخ الجامعہ اپنے طالب علموں پر کرتے رہتے۔ نظر نہ آنے والی برقی شعاعیں شیخ کی آنکھوں سے اور محسوس نہ ہونے والی مقناطیسی لہریں شیخ کے دل اور دماغ سے نکلتیں اور تیر کی طرح مریدان باصفا کے قلب ونظر میں پیوست ہوجاتیں اور پھر وہ سرمدی سفر شروع ہوجاتا جہاں انسان تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، تجلیہ روح اور تخلیہ روح وقلب کی ارفع منازل طے کرتا، فنا سے بقا، مکاں سے لامکاں، بے خودی سے خودی اور خودی سے بے خودی کی اس ناقابل بیان لذت سے سرشار ہوتا ہے جہاں وہ خود کو پہچان کر سیدھا خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ خدا نے انھیں وہ چشم بینا

عطا کی تھی کہ چہرے پر سرسری نظر ڈالتے ہی دل کی تہ تک پہنچ جاتے اور بعض اوقات یہ کام نظر ڈالے بغیر بھی ہو جاتا۔ ان کی صحبت میں آدمی انسان بن جاتا، جس کا بننا فرشتے سے بہتر مگر اس سے کہیں مشکل ہوتا ہے۔ دہلی کی اعلیٰ ترین درس گاہوں کے سند یافتہ یہ علماء اور فضلاء جب اجودھن کے جماعت خانے کے کچے فرش پر بیٹھ کر جس کی بھربھری مٹی کی سوندھی مہک، شیخ کی گفتگو کی بھینی خوش بو سے مل کر فضا کو ہر لمحے معطر کیے رہتی، گنج شکر کی شکر بار زبان سے بڑے بڑے مسائل کا حل، چھوٹے چھوٹے سیدھے سادے جملوں میں سنتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ دریا کو کوزے میں بند کرنا کسے کہتے ہیں۔

بابا صاحب کم بولتے، بہت کم اور بہت سادہ کھاتے اور بہت ہی کم سوتے تھے۔ رات جب سارا سنسار سو رہا ہوتا، وہ جاگ رہے ہوتے۔ اجودھن کی تاریک رات کے مکمل سناٹے میں وہ کبھی بے قراری کے عالم میں اپنے ہاتھ پیچھے باندھے اپنے اس چھوٹے سے کچے حجرے میں چہل قدمی کرنے لگتے جہاں وہ آج بھی آرام فرما ہیں۔ وہ اپنی مدھم، میٹھی، ملائم، مدھ بھری اور من موہنی آواز میں چپکے چپکے، سرگوشیوں میں اپنے محبوب سے کہتے:

> ''میرے محبوب! میری بس اب ایک آرزو رہ گئی ہے کہ جب تک جیوں صرف تیری یاد میں جیوں اور جب مروں تو تیرے قدموں میں گر کر تجھے دیکھنے کے لیے زندہ ہو جاؤں۔ مجھے بتا تو سہی کہ دونوں جہاں میں تیرے سوا میرا بھلا اور کون ہے؟ میں جیتا ہوں تو صرف تیرے لیے، مرتا ہوں تو صرف تیرے لیے'' ---

رات جیسے جیسے ساکت اور ساکن ہوتی جاتی، ان کی بے چینی بڑھتی جاتی، وجد کا عالم طاری ہو جاتا، حجرے میں رقص کرنے لگتے۔ رات اور ساکت اور ساکن ہو جاتی۔ جب رب المشرقین والمغربین اپنے کسی بندے یا بندی پر اپنے فضل کی بوچھاڑ کرتا ہے تو یہی ہوا کرتا ہے۔ یہ وجد ایک فرد پر طاری ہوتا تھا نہ یہ رقص ایک فرد کا ہوتا تھا، وہ وجد ایک عالم پر اور یہ رقص رقصِ کائنات ہوتا تھا، جس میں سب دوئیاں ختم اور ساری دوریاں دور ہو جاتی تھیں۔

رات ختم ہوتی، سحری کا وقت آتا، فریدالدین مسعود کی سحری کیا ہوتی تھی؟ صرف اور صرف روزے کی نیت، فجر کی اذان بلند ہوتی تو نیچی چھت والے اس چھوٹے سے کچے حجرے کا لکڑی کا دروازہ ہولے سے کھلتا، تاروں کی چھاؤں اور سحر کی ٹھنڈی ہواؤں میں وہ باہر آتے، ہونٹوں پر ہلکا تبسم، نکلتا ہوا قد، صحت مند جسم، گندمی رنگ، اونچا ماتھا، بڑی بڑی روشن آنکھیں، چوڑے کندھے،

فراخ سینہ، شب بھر کے رت جگے کے باوجود چہرہ جس سے نور بھی چھلکتا تھا اور جس سے دبدبہ بھی ٹپکتا تھا، جسے دیکھ کر کشش بھی محسوس ہوتی تھی اور رعب بھی طاری ہوتا تھا، جمال اور جلال کا حسین امتزاج، چاندی اور چاندنی کی طرح سفید براق داڑھی جو رخساروں پر چھدری اور ٹھوڑی پر گھنی تھی۔ ایک کرشماتی شخصیت جسے ایک بار دیکھ کر، دوسری بار دیکھ کر، تیسری بار اور پھر بار بار دیکھنے کو جی چاہتا تھا اور کبھی جی نہ بھرتا تھا۔ اپنی شکر جیسی میٹھی آواز میں، گنج شکر اللہ کی مخلوق کو دعائیں دیتے، ان پر سلامتی بھیجتے، حضور ﷺ کے حضور چپکے چپکے سلام پیش کرتے، اپنے اکلوتے محبوب کے نشے میں چور، اس ہی کی دھن میں مگن، وقار سے آہستہ آہستہ نپے تلے قدم اٹھاتے، فجر کی نماز میں امامت کے لیے مسجد کی طرف روانہ ہو جاتے۔ سیکڑوں مشتاق نظریں ان کی سر سے پاؤں تک بلائیں لیتیں، سیکڑوں باادب ہاتھ ایک ساتھ سلام کے لیے اٹھتے، کتنی آنکھیں تھیں جو بھیگ جاتیں اور وقت تھم جاتا کہ اللہ اکبر امامت کے لیے امام وقت خود چلا آ رہا ہے۔

نماز کی دو رکعتیں کیا پڑھاتے، دلوں کی دنیا ہی بدل ڈالتے، لگتا تھا کہ وہ اپنے رب سے اور ان کا رب ان سے باتیں کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے انھیں نماز پڑھتے دیکھ کر دیکھنے اور پڑھنے والوں پر دیر تک عجیب سی کیفیت طاری رہتی۔ ان کی نماز جنت کی آرزو میں ہوتی نہ جہنم کے ڈر سے۔ وہ تو صرف اس ایک ذات کے لیے ہوتی جو ان کی نس نس میں بسا ہوا تھا۔ اس نماز میں ان کا جسم ہی نہیں ان کا خیال بھی اس ذات کے حضور سجدہ ریز ہوتا، جو ساری عمر ان کی زندگی کا مرکز اور محور رہی۔ نماز ختم ہوتی تو وہ آہستہ سے اپنے پھٹے پرانے مصلے سے اٹھتے اور نپے تلے قدم اٹھاتے، اپنے محبت اور محبوب کی دھن میں گم، اس کی مخلوق کی توجہ کا مرکز بنے، ان کی امیدوں کا سہارا، ان کے غموں کا مداوا اور ان کے درد کا مسیحا بنے، اپنے اسی حجرے میں واپس پہنچ جاتے جہاں وہ آج آرام فرما ہیں۔ یہ ایک مزار نہیں بلکہ مرکز عشق ہے جہاں آتے تو سب ہی ہیں لیکن جہاں انتظار عاشقوں کا رہتا ہے۔

کچے حجرے میں جاتے ہی، لکڑی کا دروازہ اندر سے بند کر دیا جاتا اور اگلی دو گھڑی انسان تو انسان کسی فرشتے کو بھی اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ یہ وقت اس ایک ذات کے آگے اس ایک لمبے سجدے کے لیے وقف تھا، جب مسعود اور اس کے معبود کے درمیان کسی غیر خیال کو غلطی سے بھی گزرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہی وہ سجدہ ہے جو قدسی مقال اقبال کے لافانی اور لاثانی الفاظ میں آدمی کو ہزار سجدوں سے آزاد کرتا ہے، جس میں اللہ کے آخری رسول ﷺ اپنے دوست کے آگے رو رو کر کہا کرتے تھے:

''تیرے آگے میرا تمام جسم اور خیال بھی سجدہ کرتا ہے''---

ظہر کی نماز کے بعد حجرے کا دروازہ کھول دیا جاتا۔ اللہ سے باتیں بہت ہو گئیں، اب وقت اللہ کے بندوں کے کام کرنے کا تھا۔ لوگ ایک ایک کر کے، باری باری، اندر آتے جاتے اور اپنی مشکلات اور مسائل بتاتے جاتے، کسی کو اپنی جوان بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کرنے کا غم کھائے جا رہا تھا، کوئی کسی سرکاری افسر کے جبر کا شکار تھا، کسی کو سرکار دربار تک رسائی درکار تھی، کسی کا کوئی بھائی قریب الموت تھا۔ آپ پوری یکسوئی اور ہمدردی سے ہر ایک کی پوری بات سنتے اور جب تک بات ختم نہ کر لیتا روکتے، نہ ٹوکتے۔ ہر ایک کی بپتائیں سنتے جیسے یہ اس پر نہیں خود ان پر بیت چکی ہو۔ ہر ایک کی دل جوئی کرتے، ہر ایک کی فوری اور پوری مدد کرتے، ان جیسا پیار بہتوں کو اپنوں میں نہ ملتا تھا۔

بابا صاحب کے پاس جو بھی آتا کچھ لے کر جاتا اور جو بھی آتا کچھ لے کر آتا جو شام ڈھلے تک اجودھن کے غرباء اور مستحقین میں تقسیم ہو جاتا۔ کوئی خالی ہاتھ آتا تو حکم تھا کہ آنے والا خالی ہاتھ آتو گیا ہے، خالی ہاتھ واپس نہ جائے۔ سخی کے دربار کی یہ ریت اور شاہانہ روایت آج بھی قائم ہے، دربار سے خالی ہاتھ واپس آنے کی اجازت تب تھی، نہ اب ہے۔ کبھی کسی حاجت مند سے اپنے مخصوص میٹھے لہجے میں آہستہ سے کہتے:

''جاؤ! شکرانہ لے آؤ''---

یہ اشارہ ہوتا کہ دعا قبول ہو گئی۔ اگر کبھی سائلوں کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے ہر ایک سے فرداً فرداً ملنا محال نظر آتا تو حجرے سے باہر آ جاتے اور بلند آواز میں کہتے:

''لوگو! سنو میرے پاس ایک ایک کر کے تسلی سے آؤ تا کہ میں ہر سائل کے مسائل پر الگ الگ اور پوری توجہ دے سکوں''---

اکثر کہا کرتے:

''جب تک میرے حجرے کے باہر ایک سائل بھی بیٹھا ہو، مجھے عبادت میں لطف نہیں آتا''---

اللہ کے بندوں سے باتیں ختم ہوتیں تو اللہ تعالیٰ سے باتیں شروع ہو جاتیں۔ اب وہی حجرہ، وہی بندہ، وہی درد و سوز، وہی شعر اور وہی سجدے، وہی سسکیاں اور وہی سرگوشیاں۔ راز و نیاز کی وہی محفلیں اور کیف و مستی کی وہی مجلسیں، خلوتوں میں وہی جلوتیں اور جلوتوں میں وہی خلوتیں۔

افطار کا وقت آتا تو چوبیس گھنٹے بھوکے پیاسے رہنے کے بعد، اس درویش خدا مست کے سامنے

جو افطاری پیش کی جاتی، وہ شربت کا ایک پیالہ ہوتا جس میں سوکھی سرخ کشمش کے گنے چنے دانے پڑے ہوتے اور اس کے ساتھ گھی میں چپڑی ہوئی کمو سو گرام کی جوار کی دو موٹی موٹی روٹیاں۔ شربت کے تہائی یا آدھے پیالے سے اپنی دن بھر کی پیاس بجھاتے، باقی آدھے یا دو تہائی پیالے کو گھونٹ گھونٹ پی کر، آبِ کوثر پینے کی تمنا دل میں لیے، خدا جانے، کیسے کیسے اور کون کون سے لوگ، کہاں کہاں سے آئے، کب کب سے انتظار میں بیٹھے ہوتے، پی لیتے۔ جوار کی ایک روٹی حاضرین میں تبرک کا بٹ جاتی۔ شربت کے پیالے کی طرح، دوسری روٹی بھی کبھی آدھی اور کبھی تہائی خود کھاتے، باقی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نصیبے والوں کے پیٹ میں پڑتی۔ مغرب کی نماز با جماعت ہوتی اور پھر وہی محفل سج جاتی جس میں ادھر مسعود ہوتا، ادھر مسعود کا معبود ہوتا اور دونوں کے بیچ میں خدا جانے کیا ہوتا یا نہ ہوتا۔

پاک پتن کا آسماں روشن تاروں سے جگ مگا اٹھتا تو جماعت خانے میں عشائیے یعنی DINNER کے لیے زمین پر سرخ کپڑے کا دستر خوان بچھا دیا جاتا۔ روشنی کے لیے جماعت خانے کے ایک طاق میں سرسوں کے تیل سے بھرا مٹی کا ایک دیا رکھا ہوتا جس میں پرانی روئی کی پتلی اور پیلی بتی سے سکون بخش ٹھنڈی روشنی نکلتی جو رات کی رانی کی خوش بو کی طرح پورے کمرے میں پھیل جاتی۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ عشائیہ یعنی ڈنر تو ہے مگر دستر خوان نہیں، ایسے موقعوں پر ڈنر زمین پر ہی چن دیا جاتا، کبھی ایسا بھی وقت پڑتا کہ دستر خوان تو ہوتا مگر عشائیہ نہیں۔ اور یہ ڈنر کیا ہوتا تھا؟ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے الفاظ میں:

> ""جس رات ہمیں شیخ کے گھر پیٹ بھر کر "ڈیلے" کھانے کو مل جاتے وہ ہمارے لیے عید کا دن ہوتا"---

ڈیلے ایک جنگلی پھل کا نام ہے، جو ان دنوں پاک پتن کے آس پاس کے جنگلات میں "کریل" نام کے درختوں پر خوب اگتا تھا، یہ درخت آج بھی پاک پتن کے قدیم قبرستان کے علاوہ پاک پتن سے دیپال پور جانے والی شاہراہ پر نظر آتے ہیں۔ مقامی لوگ اس درخت کو اب "کری" کہتے ہیں لیکن اس کا پھل آج بھی "ڈیلے" ہی کہلاتا ہے اور اس کا اچار بنایا جاتا ہے۔ ہر ایک کو کھلاتے، گو اکثر خود کچھ نہ کھاتے۔ انگور بہت پسند تھے لیکن نفس کشی کی وجہ سے کم ہی کھاتے۔ کبھی کبھی پان بھی کھا لیتے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پان کھانے کا رواج کم از کم آٹھ سو سال پرانا ہے۔ کھانے کے بعد عشاء کی نماز با جماعت ادا کی جاتی، جس کے بعد اس درویش خدا مست کی کٹیا

میں اس کی پرانی کھٹیا ڈال دی جاتی۔ وہ پھٹا پرانا کمبل جسے اوڑھ کر یا جس پر بیٹھ کر سارا دن گزارا تھا، اب اس کھٹیا پر گدیلے یا توشک کا کام دیتا، تاہم کھٹیا کی پائنتی پر ایک چادر ڈالنی پڑتی کیوں کہ یہ پرانا کمبل اتنا چھوٹا تھا کہ پوری چار پائی نہیں ڈھانپ سکتا تھا۔ اگر رات کی کسی گھڑی پائنتی پر پڑی یہ چھوٹی سی چادر کھسک جاتی یا اسے اوپر اوڑھ لیتے تو ضعیف، بوڑھے اور مقدس پاؤں کے نیچے کوئی بچھونا نہ ہوتا، صرف اور صرف کھردری چار پائی ہوتی۔ ان کے پیر و مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے جو عصا عطا کیا تھا اسے اپنے سرہانے رکھتے، جس پر سر رکھنے سے پہلے کبھی عصا پر عقیدت سے ہاتھ پھیرتے تو کبھی اسے محبت سے چومتے۔ اس پر اپنا سفید، ضعیف، تھکا ماندہ سر رکھ کر اپنے محبوب فارسی اشعار گنگنانا شروع کر دیتے، جن کا مفہوم ہے:

"میرے محبوب! میری بس ایک ہی آرزو رہ گئی ہے کہ جب تک جیوں صرف تیری یاد میں جیوں اور جب مروں تو تیرے قدموں میں گر کر تجھے دیکھنے کے لیے زندہ ہو جاؤں۔ مجھے بتا تو سہی کہ دونوں جہاں میں تیرے سوا میرا بھلا اور کون ہے؟ میں جیتا ہوں تو صرف تیرے لیے اور مرتا ہوں صرف تیرے لیے"---

اور پھر ہر رات کی طرح جیسے جیسے فضا میں سکوت اور سکون طاری ہوتا جاتا فرید الدین مسعود کی بے چینی بڑھتی جاتی۔ کبھی اپنے دل پسند شعر پڑھتے ہوئے چہل قدمی، کبھی سوز و درد، کبھی پیچ و تاب، کبھی مرشد کے عصا کے والہانہ بوسے، کبھی سسکیاں اور سسکیاں، کبھی سجدہ ریزی، کبھی وجد، کبھی پارے کی سی تڑپ اور کبھی رقص بسمل۔

ہر رات کی طرح یہ رات بھی بیت جاتی اور پھر ہر صبح کی طرح پاک پتن کی مسجد سے فجر کی اذان بلند ہوتی۔ لکڑی کا دروازہ حسب معمول آہستہ سے اندر کی طرف کھلتا، تاروں کی چھاؤں اور صبح کی ٹھنڈی ہواؤں میں یہ نوے سالہ درویش باہر آتا اور مسجد کی طرف روانہ ہو جاتا۔ سیکڑوں نظریں سر سے پاؤں تک ان کی بلائیں لیتیں، سیکڑوں ہاتھ بے اختیار ایک ساتھ سلام کے لیے اٹھتے، کتنی آنکھیں تھیں جو بھیگ جاتیں اور کتنے دلوں کی دنیا دیکھتے دیکھتے بدل جاتی اور وقت تھم جاتا، ساکت ہو جاتا، ساکن ہو جاتا کہ اللہ اکبر امامت کے لیے امام وقت خود چلا آ رہا ہے۔

۱۹۷۳ء میں سرحد پار بھارتیوں نے وہ کیا جس کی توفیق پاکستانیوں کو آج تک نہ ہو سکی۔ نومبر ۱۹۷۳ء میں بابا فرید میموریل سوسائٹی پٹیالہ نے بابا صاحب کا آٹھ سو سالہ جشن ولادت دہلی، اجمیر اور لکھنو میں بڑی دھوم دھام سے منایا، جس میں صدر جمہوریہ ہند سے لے کر بھارت کے

وزراء، سیاسی رہنما اور سرکاری عہدے دار سب ہی جوق در جوق شریک ہوئے۔ اس موقع پر بابا صاحب کی شان میں پانچ اشعار پر مشتمل ایک مختصر اور مشہور نظم پڑھنے کا اعزاز ایک سکھ کے نصیب میں آیا۔ اشعار یہ ہیں:

اے فرید الدین بابا ، اے مرے گنج شکر
عالم الحاد تیرے خوف سے زیر و زبر
تو نے بخشا اک جہاں کو بادۂ عرفاں کا نور
زہد کا ، اخلاص کا ، تسلیم کا ، ایماں کا نور
راہ حق سے اور حق سے تھی شناسائی تیری
اس لیے ہوتی ہے دل میں پذیرائی تیری
ٹوٹ سکتا ہے نظامِ انجم و شمس و قمر
اور مٹ سکتے ہیں دنیا سے یہ دشت و بحر و بر
لیکن اے گنج شکر! تو زندہ و پائندہ ہے
کل بھی تابندہ رہے گا ، آج بھی تابندہ ہے

اس سکھ کا نام تھا، کنور مہندر سنگھ بیدی، تخلص تھا سحر

واہگہ کی سرحد پار کا یہ نام اردو ادب اور شاعری کا ذوق رکھنے والوں کے لیے اجنبی نہیں۔ یہ ایک انسان کے دل کی آواز ہے جس میں فرید الدین مسعود گنج شکر کی شخصیت اور ان کے پیغام کو یوں پیش کیا گیا ہے جیسے ایک دریا کوزے میں بند کر کے پیش کیا جائے۔ بے شک جس انسان میں یہ سب اوصاف یک جا ہو جائیں، وہ اس شان سے زندہ رہتا ہے کہ نظام کائنات تو ٹوٹ سکتا ہے لیکن وہ انسان زندہ، پائندہ اور تابندہ رہتا ہے اور اس کی خواب گاہ پر صدیوں سے یہ سرمدی نعرہ گونجتا رہا ہے اور گونجتا رہے گا:

حق فرید، یا فرید　　　　حق فرید، بابا فرید

[بشکریہ روزنامہ نوائے وقت، لاہور]



حضرت خواجہ جان محمد تونسوی رحمہ اللہ تعالیٰ

اولیاء اللہ کے سلطان ، جانِ اولیاء
جان و دل ہیں آپ پر قربان ، جانِ اولیاء

قابلِ صد رشک ہے یہ رشتۂ پیر و مرید
پیرِ تونسہ میزباں ، مہمان جانِ اولیاء

آپ کا نام گرامی دافعِ رنج و بلا
ہو گئیں کل مشکلیں آسان ، جانِ اولیاء

عشقِ محبوبِ خدا ، عشقِ خدا کے ساتھ ہے
بس یہی ہے آپ کا سامان ، جانِ اولیاء

حسنِ سیرت ہے منور ، حسنِ سنت کے سبب
آپ سا دیکھا نہیں انسان ، جانِ اولیاء

در بدر کی ٹھوکریں کھائیں نہ اس نے عمر بھر
جس کو حاصل آپ کا عرفان ، جانِ اولیاء

کس قدر ہے آپ کا جمشید پر لطفِ نظر
تھا وہ بے جاں ، پڑ گئی ہے جان ، جانِ اولیاء

حکیم جمشید کمبوہ

پہلی قسط

کشف المحجوب کی حکایات

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی

حضرت داتا گنج بخش (ابوالحسن علی الہجویری) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک بلند پایہ ولی اللہ اور شیخ طریقت تھے--- آپ نے لاہور کے قیام کے دوران دینی اور روحانی علوم سے لوگوں کو حصہ دیا اور بے پناہ مخلوق کو فیض بخشا--- آپ کی کتاب کشف المحجوب اسرار الٰہیہ کا ایک بے بہا خزینہ ہے، اس کتاب کے صفحہ صفحہ پر تصوف کے معارف پھیلے ہوئے ہیں، جو سالکان طریقت کے لیے مشعل راہ ہیں--- حضرت مصنف ان اسرار و رموز کو ذہن نشین کراتے وقت بعض عمدہ حکایات بیان کرتے جاتے ہیں اور بہت سے چشم دید واقعات سامنے لاتے جاتے ہیں--- بزرگان دین کی مجالس میں حاضر ہونے کے واقعات بیان کرتے ہیں، پھر اولیاء اللہ کی وہ حکایات بیان کرتے جاتے ہیں جن سے قلب و جگر کو روشنی میسر آتی ہے---

آپ نے خراسان کے تین سو ساٹھ اولیاء اللہ سے ملاقات کی تھی، ہر ولی اللہ ایک جہان ولایت کا رہنما تھا، آپ کے زمانہ میں خراسان ''جہان اولیاء'' تھا، ہر قصبہ اور قریہ اولیاء اللہ کے فیضان سے معمور تھا--- حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، غزنی سے اٹھے، سارے خراسان، ایران بلکہ عرب و عجم کے بزرگان دین کی مجالس میں حاضری دیتے گئے--- اس کتاب

سے ہم آپ کی زندگی کے روحانی واقعات بیان کررہے ہیں--- ہم ان اولیاء اللہ کی مجالس کا ذکر کررہے ہیں جن میں حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ حاضر ہوتے تھے، پھر انہیں اپنی کتاب میں نقل کرتے رہے--- ہم ان بزرگان دین کے واقعات بیان کررہے ہیں جو حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے پسندیدہ بزرگان دین تھے--- ان حکایات کو پڑھنے کے بعد ہر قاری محسوس کرے گا کہ وہ ''کشف المحجوب'' کے مصنف حضرت داتا گنج بخش کے ساتھ چل کر اولیاء اللہ کی محافل میں حاضری دے رہا ہے اور ان سے فیض یاب ہورہا ہے---

اللہ کی رضا کے لیے عجز و انکساری ضروری ہے

حضرت ابوالقاسم بن علی گرگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے وقت کے قطب زمانہ تھے اور یگانۂ روزگار تھے--- وہ ہر آنے والے شخص کے دل کے حالات معلوم کر لیتے تھے اور سوال کرنے سے پہلے ہی جواب دے دیا کرتے تھے--- حضرت داتا گنج بخش ایک دن آپ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور اپنے دل میں بعض سوالات اور احوال کے متعلق جاننا چاہتے تھے اور آپ سے ان کا حل دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے--- آپ فرماتے ہیں کہ میں جوانی کے عالم میں محسوس کر رہا تھا کہ میرے سوالات کا جواب کون دے سکتا ہے، مگر آپ نے مجھے نہایت ہی شفقت سے اپنے پاس بٹھایا اور بے پناہ عجز و انکساری سے گفتگو کرنے لگے--- مجھے فرمانے لگے، بیٹا! میری یہ عجز و انکساری تمہارے لیے نہیں، میں تو اللہ ﷻ کی رضا کے لیے اس کے بندوں سے بات کرتا ہوں--- میں آپ کے اس حسن سلوک سے اس قدر متاثر ہوا کہ مجھے پسینہ آنے لگا، پھر آپ نے میرے دل کے تمام سوالات اور خدشات کو ایک ایک کر کے بیان فرمایا اور ہر ایک کا حل بیان فرمایا--- مجھے سوال کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی اور میں مطمئن ہو کر مجلس سے واپس آ گیا---

اللہ تعالیٰ ﷻ نے اولیاء اللہ کو اتنی بصیرت عطا فرمائی ہے کہ وہ دلوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں، ان کی قلبی اور ذہنی مشکلات کو حل کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں، ان کی دینی رہنمائی کے لیے تصرف فرماتے ہیں اور ان کے دنیاوی معاملات میں بھی آسانیاں بخشتے ہیں---

فرغانہ کے اوتاد سے ملاقات

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ایک سفر کے واقعات لکھتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار روس کی سرحدوں کے اندر فرغانہ میں جانے کا اتفاق ہوا، فرغانہ میں ایک گاؤں تھا جس کا نام ''سلاتگ'' تھا، اس میں ایک بزرگ ''باب'' نامی رہتے تھے--- یہ بزرگ اپنے زمانہ کے ''اوتاد'' میں سے تھے، مجھے ان کی زیارت کا شوق ہوا تو غزنی سے چل کر منزل بہ منزل وہاں پہنچا، آپ کی زیارت کی--- آپ نے پوچھا:

''کیسے آئے ہو؟''---

میں نے عرض کیا:

''حضرت آپ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا ہوں''---

فرمایا:

''بیٹا! جس دن سے تم غزنی سے روانہ ہوئے تھے، میں تو اسی دن سے تمہیں دیکھ رہا تھا''---

آپ نے باتیں کرتے ہوئے ایک بوڑھی عورت فاطمہ نامی کو آواز دی کہ مہمان کے لیے کچھ لاؤ، وہ بی بی ایک طباق لے کر آئی، جس میں انگور تھے اور تازہ کھجوریں تھیں--- میں حیران رہ گیا کہ انگور کا موسم نہیں اور کھجوریں اس ملک میں ہوتی نہیں، یہ دونوں چیزیں کہاں سے آ گئیں؟--- جب میں نے دونوں چیزیں کھائیں تو میرے دل و دماغ میں روشنی پیدا ہوئی اور بہت سے اسرار کھل گئے---

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ کے لیے دور و نزدیک کی کوئی حیثیت نہیں، وہ ایک نگاہ سے مشرق و مغرب کو دیکھ لیتے ہیں، دنیا والوں کے معاملات کو معلوم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں--- فرغانہ میں بیٹھے ہوئے یہ بزرگ غزنی سے روانہ ہونے والے نوجوان کو دیکھ رہے ہیں اور ان کے قلبی حالات پر نگاہ رکھتے ہوئے ان سے ملاقات کے وقت فرماتے ہیں:

''بیٹا! تم جس دن سے غزنی سے چلے تھے، اس دن سے میری نگاہ میں تھے، آئندہ کے لیے جب میری ملاقات کرنا چاہو، وہاں ہی سے نظریں اٹھا کر دیکھ لیا کرو''---

حبشی غلام کا ایثار

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے بڑے عزیز صحابی تھے، آپ حبشہ کے مہاجرین کے امیر تھے--- مدینہ منورہ واپس آئے تو ''جنگ موتہ'' میں شریک ہوئے اور اسی معرکے میں شہید ہوئے--- آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ (بن جعفر طیار) رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سفر کے دوران ایک لق و دق بیابان میں سے گزر رہا تھا، مجھے ایک چھوٹی سی چراگاہ میں ایک حبشی غلام بکریاں چراتے ہوئے ملا، میں اس کے پاس بیٹھ گیا، میں نے دیکھا کہ بیابان میں ایک کتا آیا اور اس غلام کے پاس بیٹھ گیا، غلام نے اس کے سامنے ایک روٹی ڈالی، وہ روٹی کھا کر دم ہلانے لگا اور مزید مانگنے لگا، اس نے دوسری روٹی بھی ڈال دی، وہ بھی کھا گیا، پھر تیسری کے لیے دم ہلانے لگا، حبشی نے تیسری بھی ڈال دی--- حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس حبشی غلام سے پوچھا:

''تم اپنے لیے کتنی روٹیاں لاتے ہو؟''---

اس نے بتایا:

"تین روٹیاں لاتا ہوں اور کھالیتا ہوں"---

آپ نے کہا:

"اب تینوں روٹیاں تم نے کتے کو کھلا دیں، آپ کیا کھاؤ گے؟"---

غلام نے بتایا:

"اس جنگل میں کتے نہیں آتے، جس جگہ میں بکریاں چراتا ہوں، یہاں کون آتا ہے، یہ بے چارہ خدا معلوم کتنی دور سے آگیا ہے، بھوکا تھا اور بڑی امید لے کر دور سے آیا تھا، میں نے گوارانہ کیا کہ اپنے لیے روٹیاں محفوظ رکھوں اور اس طلب گار کو محروم کردوں"---

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ غلام کی بات سے بڑے خوش ہوئے اور اس کے ایثار پر بڑے حیران ہوئے---آپ نے بکریوں کے مالک کو بلایا، ساری بکریاں خرید لیں، حبشی غلام کو بھی خرید لیا اور اسے آزاد کردیا--- ساری چراگاہ خرید لی اور اس حبشی غلام کو کہا کہ آج سے تم آزاد ہو، یہ ساری بکریاں تمہاری ہیں، ساری چراگاہ تمہاری ہے--- غلام نے ایک نظر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا، شکریہ ادا کیا اور ساری بکریاں غریبوں میں صدقہ کردیں اور چراگاہ وقف کر کے چلتا بنا---

حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کتنا ایثار سکھا دیا تھا، ان کے سامنے دنیا کا مال و منال کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا--- اللہ جل جلالہ کی راہ میں مال دینے پر آتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح نصف گھر قربان کردیتے، پھر اور آگے بڑھتے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر عمل کر کے سب کچھ لٹا دیتے اور کہتے:

صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو دیکھیے، ایک حبشی غلام کو چراگاہ لے کر دے دی، اسے آزادی دے دی، اس کی ساری بکریاں اسے عنایت کردیں--- یہ بھی وہ تربیت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو دی تھی--- پھر اس حبشی غلام کو دیکھیے کہ سب کچھ لینے کے بعد بکریاں غریبوں میں تقسیم کردیں، چراگاہ وقف کردی اور خود آزادی کا پروانہ لے کر ایک مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگا---

الہام اور وسوسہ میں فرق

حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خراسان کے بلند پایہ ولی اللہ تھے، آپ کو "سلطان الاولیاء" کا خطاب حاصل تھا، آپ لوگوں کے دلوں کے احوال سے اس طرح واقف تھے جیسے کھلی ہوئی کتاب ہو--- حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے روحانی کمالات کو بڑی عقیدت سے بیان کرتے تھے--- آپ نے "کشف المحجوب" میں حضرت خواجہ ابوالخیر ابوسعید کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بار آپ ایک قافلے کے ساتھ نیشاپور سے طوس جارہے تھے،

راستہ میں ایک برفانی وادی آئی، ان برفانی راستوں سے گزرتے ہوئے حضرت خواجہ ابو سعید کے پاؤں پھٹ گئے، خون بہنے لگا اور آپ بڑی تکلیف سے سفر کر رہے تھے--- اسی قافلہ میں آپ کا ایک عقیدت مند تاجر بھی تھا، اس کے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنے پشمینے کی چادر کو پھاڑ کر حضرت کے پاؤں کو لپیٹ دوں، پھر اسے خیال آیا کہ اتنی قیمتی چادر کو پھاڑنا اچھا نہیں--- خیر قافلہ منزل مقصود تک پہنچا، حضرت خواجہ ابو سعید کی مجلس لگی تو وہ امیر تاجر بھی حاضر ہوا، اس نے پوچھا:

''حضرت! ''الہام'' اور ''شیطانی وسوسہ'' میں کیا فرق ہے؟''---

آپ نے فرمایا:

''الہام وہ تھا جس نے تجھے چادر پھاڑ کر پاؤں پر لپیٹنے پر آمادہ کیا تھا اور شیطانی وسوسہ وہ ہے، جس نے تمہاری قیمتی شال کو بچا لیا''---

ہم دنیا دار لوگ مال و دولت سے بڑا پیار کرتے ہیں، کبھی اللہ ﷻ کی راہ میں کچھ دینا بھی چاہیں تو بار بار سوچتے ہیں، عقل سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں، رک رک کر دیتے ہیں، یہی بات ہے کہ شیطان کے وسوسے انسان کو نیکی سے روکتے رہتے ہیں اور وہ اللہ ﷻ کی راہ میں خرچ کرنے سے پہلے بار بار سوچتا ہے، شیطان سے مشورہ لیتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ﷻ کے الہامی انعامات سے محروم رہ جاتا ہے---

جاں نثار درویشوں کا قافلہ

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''کشف المحجوب'' میں ایک واقعہ لکھا ہے، جو ایثار کی عمدہ مثال ہے--- درویشوں کی ایک جماعت صحرا سے گزر رہی تھی، پیاس نے انہیں بے حال کر دیا، ان کے پاس پانی کا صرف ایک پیالہ تھا--- ایک درویش پانی کا پیالہ ہاتھ میں پکڑے پینے لگا تو آواز آئی ''ہائے پانی''، اس نے دوسرے کو پیالہ دے دیا اور خود پیاس سے نڈھال ہو کر ہلاک ہو گیا، دوسرے نے ابھی ایک گھونٹ نہ پیا تھا کہ آواز آئی ''ہائے پانی''، اس نے اسے دے دیا اور خود موت کی وادی میں چلا گیا اسی طرح بیس درویش خود پانی پینے کی بجائے دوسروں کو دیتے گئے، آخری درویش کے پاس پیالہ آیا تو اس نے پانی پی کر اپنی جان بچا لی، لوگوں نے اسے برا بھلا کہا تو اس نے کہا:

''سب درویشوں نے ایثار سے کام لیا اور اپنی جان کی پروا نہ کی، دوسروں کو دیتے گئے، میں آخری آدمی تھا، اب دوسرا کوئی پینے والا نہ تھا، اگر میں بھی جان نہ بچاتا تو یہ خودکشی ہوتی، جو شریعت میں قطعاً جائز نہیں، سب درویشوں نے ایثار کیا، میں نے شریعت پر عمل کیا، کیوں کہ شریعت میں بلاوجہ جان دینا حرام ہے''---

اپنی خواہش کو دوسروں پر قربان کر دیا

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کو ایک دن مچھلی کھانے کا شوق آیا، مچھلی تلاش کی گئی، مگر سارے مدینہ میں مچھلی کہیں سے نہ ملی، مگر مچھلی کھانے کی طلب انہیں بار بار ستاتی تھی--- ان کے ایک دوست کہیں سے ایک مچھلی لے آئے، اسے تیار کیا اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو کھانے کے لیے پیش کی--- آپ مچھلی کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے، بھوک نے آپ کی آتش شوق کو اور تیز کر دیا، اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی، ایک سائل نے بھوک کا اظہار کرتے ہوئے سوال کیا، آپ نے ساری مچھلی اٹھا کر سائل کو دے دی--- آپ کے دوست ابورافع نے عرض کی:

''حضرت آپ نے یہ کیا کیا؟--- میں سائل کو کوئی اور چیز کھلا دیتا، آپ نے مچھلی اٹھا کر اس کو دے دی، حالانکہ آپ کو مچھلی کھانے کا بے حد شوق تھا''---

آپ نے فرمایا:

''مچھلی میری انتہائی خواہش پر تیار کی گئی، مگر سائل کے سوال کے بعد اس کا کھانا مجھ پر حرام ہو گیا تھا، اپنی خواہش کو قربان کر دینا ہی ایثار ہے''---

جب یہ واقعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں سنایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے خوش ہوئے، فرمایا:

''جس آدمی کے دل میں کسی چیز کی خواہش زور پکڑے اور وہ چیز مل جائے، وہ اسے اللہ عزوجل کی راہ میں دے دے اور اپنا ہاتھ کھینچ لے، اللہ تعالیٰ عزوجل اسے اس ایثار کے بدلے بخش دے گا''---

حضرت داتا گنج بخش اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے پیر و مرشد حضرت ابوالفضل ختلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وضو کرا رہا تھا، میں آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالتا جاتا تھا اور وہ وضو کرتے جاتے تھے، میرے دل میں خیال آیا کہ جب اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنی مرضی سے ہی ہر ایک کو بخشا ہے اور جسے چاہے گا سزا دے، پھر یہ خدمات، عبادات، یہ نماز، روزہ ان سارے تکلفات زندگی کی کیا ضرورت ہے؟--- میرے ان خیالات کو میرے پیر و مرشد نے محسوس کرتے ہوئے فرمایا:

''بیٹا! بات درست ہے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے فیصلے اٹل ہیں، اسی کے حکم سے ہی سب کچھ ہوتا ہے، میں نے تمہارے دل کے خیالات جان لیے ہیں، یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ عزوجل جب کسی پر مہربانی فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے کوئی نہ کوئی سبب پیدا

کر دیتا ہے، جب اللہ تعالیٰ ﷻ کسی بندے کو تاج و تخت کا مالک بنانا چاہتا ہے، تو پہلے اسے توبہ کی توفیق دیتا ہے، اسے نیک کاموں میں لگا دیتا ہے، اسے اپنے بندوں کی خدمت کا جذبہ عطا کر دیتا ہے، اسے اپنے محبوبوں کی خدمات سرانجام دینے پر آمادہ کر دیتا ہے، یہ تمام چیزیں اسی کی ترقی اور سر بلندی کا سبب بن جاتی ہیں"---

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے پیر و مرشد کی زبانی یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ انسان کی جدوجہد، دوسرے انسانوں کی خدمت، عوام کی بھلائی، ایسے اسباب ہیں جو اسے بلندیوں پر پہنچاتے ہیں---اس کی تمام کوششیں اور محنتیں اس کی ترقی کا زینہ بنتی ہیں اور یہ بات بھی اللہ ﷻ ہی کے حکم اور ارادے سے ہوتی ہے---

لوگوں کو معاف کر دینا

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی زندگی کا ایک اور واقعہ لکھتے ہیں کہ جن دنوں میرے پیر و مرشد حضرت ابوالفضل ختلی کا انتقال ہوا تو میں آپ کے پاس موجود تھا، وہ اپنے گھر دمشق کے ایک گاؤں "بیت الجن" میں تشریف فرما تھے، آپ کا سر مبارک میرے آغوش میں تھا، میں ان دنوں اپنے ایک دوست سے سخت ناراض تھا اور اس کے متعلق سوچ رہا تھا، آپ نے فرمایا:

"بیٹا! میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ ﷻ نے پیدا کیا ہے، اس کا کوئی کام غلط نہیں ہے، ہر چیز اس کے حکم سے بنی ہے اور قائم ہے، یاد رکھو! اس کی کوئی چیز ناقص نہیں، بندہ کو اس کی کسی مخلوق سے ناراض نہیں ہونا چاہیے اور اپنے دل میں رنج و ملال نہیں رکھنا چاہیے"---

میرے پیر و مرشد یہ باتیں کرتے کرتے ہم سے جدا ہو گئے---

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انسانی فطرت کی تبدیلی کے لیے ایک عمدہ حکایت بیان کی ہے اور اپنے پیر و مرشد کے آخری پیغام کو لوگوں تک پہنچایا ہے، لوگوں کو معاف کر دینا، ان کی غلطیوں سے درگزر کرنا اور نظر انداز کر دینا، ان کی زیادتیوں کو برداشت کرنا، اللہ ﷻ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اس سے اللہ ﷻ خوش ہوتا ہے، اس کے حکم کی تعمیل ہوتی ہے اور خود انسان ان نفرتوں کی آگ سے محفوظ رہتا ہے، جو دوسروں نے جلائی ہوتی ہے---

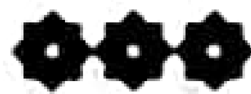
نگاہ مرد مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے استاد تھے، وہ اپنے وقت کے اہل علم میں نامور عالم دین تھے، اہل طریقت کے امام تھے---آپ کی گفتگو اسرار الٰہی کا سرچشمہ تھی، ان کی محققانہ اور عارفانہ تصانیف روحانیت کی راہیں روشن کرتی تھیں---آپ کی زبان دنیا کی لغویات سے ہمیشہ محفوظ

رہی، ایک دن میرے دل میں کچھ سوالات پیدا ہوئے، جس کا حل میرے پاس نہ تھا، میں بڑی مشکلات میں پھنسا تھا، مختلف کتابوں سے حل تلاش کیا، مگر ناکام رہا--- میں حضرت ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تاکہ اپنے مسائل کا حل تلاش کرسکوں، میں ان کے پاس پہنچا، وہ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، میں قریب گیا تو آپ مسجد کے ایک ستون کو مخاطب کرکے باتیں کررہے تھے--- میری حیرانی کی انتہا نہ رہی کہ وہ میرے ہر سوال کا جواب دے رہے تھے--- آپ کی گفتگو نے میرے تمام مسائل کا حل پیش کردیا اور میرے تمام شکوک وشبہات دور ہوگئے---

اولیاء اللہ کی صحبت انسان کے قلبی اور ذہنی بوجھ کو ہلکا کرتی ہے، بعض اوقات سوال کیے بغیر جوابات مل جاتے ہیں، بعض اوقات اولیاء اللہ مخاطب کسی اور کو کرتے ہیں مگر رہنمائی آپ کی کرتے جاتے ہیں--- اولیاء اللہ کی صحبت میں قیل وقال کے بغیر ہی بہت سی مشکلات دور ہوجاتی ہیں--- اولیاء اللہ کے دیدار سے ہزاروں مصائب دور ہوجاتے ہیں--- ان کی ایک نگاہ سے ہی تقدیر بدل جاتی ہے---

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے پلٹ جاتی ہیں تقدیریں



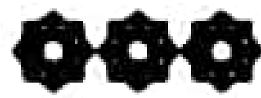
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ میری زندگی کا ایک حصہ مختلف ممالک کو سفر کرتے گزرا، میں سفر پر جاتا تو اکثر علماء وصالحین کے پاس ٹھہرنے کی کوشش کرتا مگر بعض بزرگ لوگ میری دل دہی کی خاطر یا اپنے اثر ورسوخ کے اظہار کی خاطر کسی دنیادار امیر آدمی کے گھر لے جاتے، یہ بات میری طبیعت کے خلاف تھی مگر یہ لوگ مجھے جاہل، دنیاداروں اور جاگیرداروں کے گھروں میں لے جاتے--- اگرچہ یہ بات مجھے بڑی گراں گزرتی تھی مگر میں ان کی دل جوئی کی خاطر چپ رہتا اور ان کے ساتھ چلا جاتا اور زبان سے کچھ نہ کہتا--- مجھے ان علماء اور دوستوں کے اس رویے پر بڑا افسوس ہوتا کہ یہ حضرات بے ادب اور جاہل دولت مندوں کے پاس کیوں لے جاتے ہیں؟--- اگر میرے پاس کوئی مہمان آتا تو میں کبھی اسے کسی دولت مند کے گھر نہ لے جاتا، ہاں صرف اسے فقراء اور اولیاء اللہ کی مجالس میں حاضر ہونے کی ترغیب دیتا---

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں دو درویش دوستوں کو ساتھ لیے حضرت ابن العطاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کے لیے گیا، حضرت ابن العطا مکہ مکرمہ کے مضافات کے ایک گاؤں میں رہتے تھے، ہم نے طے کرلیا کہ ہم اپنی زندگی کا ایک ایک واقعہ یاد کرلیں اور حضرت کی خدمت میں بیان کیے بغیر اپنے دل میں رکھیں گے اور دیکھیں گے کہ

حضرت کے کیا تاثرات ہیں--- میں نے اپنے دل میں جمالیا کہ حضرت حسین بن منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مشکل اشعار کی وضاحت کا حل ہو جائے تو کیا بات ہے--- دوسرے درویش نے دل میں رکھا کہ میں تلی کا مریض ہوں، کئی علاج کرائے، شفا نہ ہوئی، اگر حضرت مجھے اس درد سے نجات دلا دیں تو بڑی بات ہوگی--- تیسرے نے سوچا آج مجھے "صابونی حلوے" کی تمنا ہے، اگر حضرت کی مجلس میں "صابونی حلوہ" مل جائے تو بہت خوش ہوں گا---

ہم تینوں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، مجلس میں بیٹھے ہی تھے کہ حضرت نے مجھ چند کاغذات دیئے، ان پر حضرت منصور حلاج کے چند اشعار کا ترجمہ تھا اور ان کی وضاحت تھی--- دوسرے درویش کو پاس بلا کر اس کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا، اس کی تلی کا درد دور ہو گیا--- تیسرے درویش کو دیکھ کر فرمایا:

"تم صابونی حلوہ کھاؤ، یہ دنیا داروں کی پسندیدہ غذا ہے، یاد رکھو! آئندہ درویشوں کے لباس میں تم جہاں بھی جاؤ، صرف ایک راستہ اختیار کیا کرو، عوام کے دسترخوانوں پر گزارا کرنا ہی اچھی بات نہیں، اہل اللہ کی صحبت سے صرف روحانی فیضان حاصل کرنا چاہیے"---



حضور نبی کریم ﷺ کے دو صحابی حضرت ابوذر غفاری اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہما امت مسلمہ میں بڑے جلیل القدر افراد مانے جاتے ہیں--- مدینہ پاک آئے تو حضور نبی کریم ﷺ نے "تحریک مواخات" کے دوران دونوں کو بھائی بھائی قرار دیا--- حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوذر غفاری، اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم میں بھی صف اول میں تھے، ان دونوں نے حضور ﷺ کے مسکین صحابہ کے درمیان زندگی بسر کرنے کا ارادہ کیا اور تقویٰ اور پرہیزگاری کو اپنا شعار بنا لیا--- ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، تو اہل خانہ نے آپ سے شکایت کی کہ آپ کے بھائی نہ دن کو کھانا کھاتے ہیں، نہ رات کو سوتے ہیں--- آپ نے اہل خانہ کو کہا:

"کچھ کھانے کے لیے لاؤ"---

کھانا آیا تو آپ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

"اگرچہ آپ کا روزہ ہے، مگر اپنے مہمان بھائی کی خاطر نفلی روزہ توڑ دو اور میرے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ"---

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان کی بات مان گئے، رات ہوئی تو آپ نے فرمایا:

''آج رات آپ میرے کمرے میں سوئیں گے اور عشاء کی نماز سے تہجد تک ساری رات سوتے رہیں گے، یاد رکھو اللہ ﷻ نے جس طرح آپ کے جسم کا آپ پر حق رکھا ہے، اسی طرح آپ کی بیوی کا بھی آپ پر حق ہے، آپ کے رب کا آپ پر حق ہے، ان حقوق کو بجالانا اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع ہے''---

دوسرے دن حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور رات کا واقعہ سنایا اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی باتیں بتائیں اور حضور ﷺ کی حدیث کے وہ الفاظ دہرائے جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہے تھے کہ ''اِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَیْکَ حَقٌّ''---حضور ﷺ یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی---

امام ابوحنیفہ آغوش رسول ﷺ میں

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے سفر کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں ملک شام میں گیا، وہاں عاشق رسول اور مؤذن مسجد نبوی حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے مزار پر رات گزاری---رات خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں، حضور سید الانبیاء ﷺ باب ابوشیبہ سے داخل ہو رہے ہیں---میں فرط محبت سے بے تاب ہو کر حضور ﷺ کی طرف دوڑا اور قدموں کے بوسے لینے کے لیے آگے بڑھا---میں نے دیکھا کہ آپ ایک سفید ریش بزرگ کو آغوش میں لیے ہوئے ہیں---میں حیرت زدہ ہو گیا کہ حضور ﷺ اس بزرگ پر اتنی محبت اور شفقت فرما رہے ہیں---حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا:

''یہ تمہارے ہم وطن ہیں، تمہارے امام ابوحنیفہ ہیں''---

صبح اٹھا تو طبیعت بڑی ہشاش بشاش تھی، میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ امام ابوحنیفہ کا اجتہاد حضور ﷺ کی اتباع پر قائم ہے، یہ اتباع کامل ہے---وہ حضور کے پیچھے نہیں جا رہے تھے بلکہ حضور ﷺ خود انہیں آغوش محبت میں لیے جا رہے ہیں---اس لیے آپ کے اجتہاد میں خطا کا امکان نہیں رہتا اور آپ جو فیصلہ کرتے ہیں حضور ﷺ کی اتباع میں کرتے ہیں---

خلیفہ ہارون الرّشید اولیاء اللہ کی مجالس میں

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طریقت کے امام تھے، واصلین حق کے پیشوا تھے، وقت کے اولیاء کرام ان کے کمالات کے معترف تھے---حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار خلیفہ عباسی ہارون الرشید حج کرنے گیا، حج سے فارغ ہوا تو اپنے وزیر فضل بن ربیع سے کہا:

''اگر یہاں کوئی مردان حق سے آیا ہوا ہو تو چلو اس کی زیارت کریں''---

ابن ربیع نے کہا:

''ان دنوں حضرت عبدالرزاق صنعانی آئے ہوئے ہیں، جو بڑے ہی صاحب کمال بزرگ ہیں''---

ہارون الرشید نے کہا:

''چلو! ان کی زیارت کریں''---

خلیفہ آپ کی مجلس میں بیٹھے اور رخصت ہوتے وقت عرض کی:

''حضرت! آپ پر کچھ قرضہ ہو تو فرمائیں میں ادا کر دوں''---

آپ نے بتایا، ہارون الرشید نے اپنے وزیر کو کہا، ان کا قرض ادا کر دیا جائے---

واپس آئے تو ہارون الرشید نے کہا، میرا دل چاہتا ہے کسی اور بزرگ سے بھی ملاقات ہو---ابن ربیع کہنے لگا، ان دنوں یہاں سفیان بن عیینہ بھی مکہ میں قیام فرما ہیں---خلیفہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیر تک گفتگو رہی، جاتے وقت عرض کی:

''اگر آپ پر قرضہ ہو تو ادا کر دوں''---

انہوں نے بتایا تو وزیر نے قرضہ ادا کر دیا---

خلیفہ کہنے لگا ابھی دل نہیں بھرا، دل چاہتا ہے کہ کسی اور بزرگ کی بھی زیارت کی جائے---

ابن ربیع نے کہا کہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی تشریف لائے ہوئے ہیں، مگر وہ کم آمیز ہیں، ملاقات کا وقت کسی کو نہیں دیتے---خلیفہ ان کے ہاں جا پہنچا، آپ اس وقت اپنے حجرے کے ایک کونے میں بیٹھے قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے، دروازے پر دستک دی، آپ نے پوچھا:

''کون ہے؟''---

بتایا گیا، خلیفہ ہارون الرشید ہیں---آپ نے فرمایا:

''مجھے ان سے کیا سروکار!''---

خلیفہ نے کہا:

لَيْسَ لِعَبْدٍ اَنْ يذل نَفْسَهٗ فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ---

''ایک بندے کو عبادت میں اتنا محو نہیں ہونا چاہیے کہ وہ مغرور ہو جائے''---

آپ نے فرمایا:

اِنَّ الرِّضَا لعزّ عِنْدَ اَهْلِهٖ---

''اللہ ﷻ کی رضا تو اس کی بارگاہ میں دائمی عزت ہوتی ہے''---

تم میری اس حالت کو تکبر اور غرور کا نام دے رہے ہو---تاہم اپنے حجرے کا دروازہ کھول

دیا، مگر چراغ گل کر دیا--- خلیفہ اندر آیا تو مصافحہ کے لیے حضرت کے ہاتھ میں ہاتھ دیا---
آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''کیا اتنا نرم و نازک، اتنا خوب صورت ہاتھ دوزخ کی آگ میں جلے گا؟---
کاش! یہ ہاتھ اللہ ﷻ کے عذاب سے محفوظ رہتا''---

ہارون الرشید رونے لگا، روتے روتے بے خود ہو گیا، جب ہوش میں آیا تو عرض کی:

''مجھے کوئی نصیحت فرمائیں''---

آپ نے فرمایا:

''تمہارا باپ حضور نبی کریم ﷺ کا چچا تھا، انہوں نے حضور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ یارسول اللہ! مجھے میری قوم کا سردار بنا دیں--- حضور ﷺ نے فرمایا، میں تمہیں تمہاری جان کا سردار بنا رہا ہوں، اگر تم ایک سانس اللہ ﷻ کی راہ میں اطاعت کرتے گزار دو، اس سے بہتر ہے کہ لوگ ہزار سال تک تمہاری رعایا بن کر رہیں اور تمہاری فرماں برداری کریں--- قیامت کے دن سرداری مصیبت ہو گی، اطاعت ہی کام آئے گی''---

ہارون الرشید نے عرض کی:

''کچھ اور نصیحت فرمائیں''---

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''جب عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے خلافت پر فائز کیا تو آپ نے اعیان اور وزراء کو بلایا اور کہا، لوگوں نے مجھے بہت بڑی مصیبت میں ڈال دیا ہے، عوام کی خدمت کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے اور حکومت میرے لیے بلا اور مصیبت ہے''--- آپ کو ایک بزرگ نے کہا: ''اگر قیامت کے دن نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بوڑھے مسلمانوں کا احترام کرو، جوانوں سے بھائیوں کا سا سلوک کرو، بچوں سے شفقت کرو، عام مخلوق کے حقوق کا خیال رکھو اور ساری رعایا کو اپنی اولاد کا سا پیار دو، سارا ملک تمہارا گھر ہے، آپ اس گھر کے سربراہ ہیں، یہ لوگ تمہارے اہل و عیال ہیں''---

ہارون الرشید آپ کی باتیں سنتا رہا، بڑے غور سے آپ کو دیکھتا رہا--- حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

''ہارون الرشید! میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا چہرہ بڑا خوب صورت ہے، مجھے ڈر ہے

کہ یہ تمہیں دوزخ میں نہ لے جائے--- ہمیشہ اللہ ﷻ سے ڈرتے رہو، مخلوق کی خدمت کرو تا کہ یہ نازک چہرہ، یہ خوب صورت جسم دوزخ کی آگ سے بچ جائے"---

ہارون الرشید نے عرض کہ حضرت آپ پر کچھ قرض ہے؟---فرمایا:

"ہاں میں مقروض ہوں، لیکن ادا کرنے کے لیے ہر وقت فکر مند رہتا ہوں، یہ قرض میرے لیے اللہ ﷻ کی اطاعت اور فرماں برداری کا قرض ہے، ڈر ہے کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں، ہر وقت ڈرتا رہتا ہوں"---

ہارون الرشید نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"میرا مطلب یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کا قرضہ دینا ہو تو میں ادا کر دوں"---

آپ نے فرمایا:

"مجھے اللہ ﷻ نے اپنے احسانات سے اتنا نوازا ہے کہ کسی سے قرض لینے کی نوبت نہیں آتی، مجھے کوئی شکایت نہیں، ہر ضرورت پوری کر دیتا ہے"---

اس کے باوجود ہارون الرشید نے ایک ہزار اشرفی سے بھری ہوئی تھیلی آپ کے پاس رکھ دی اور عرض کی:

"اپنے مہمانوں پر اب اس سے خرچہ کیا کریں"---

آپ نے ہارون الرشید کو دیکھا اور فرمایا:

"معلوم ہوتا ہے کہ میری باتوں کا تم پر اثر نہیں ہوا، ابھی تک تم لین دین کے چکر سے نہیں نکلے، ظلم و ستم کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے"---

ہارون الرشید نے کہا:

"میں نے آپ پر کوئی ظلم نہیں کیا"---

آپ نے فرمایا:

"میں تمہیں نجات کا راستہ دکھاتا ہوں، تم مجھے اشرفیوں کی مصیبت میں ڈال رہے ہو، ایک بندے کے لیے یہی ظلم و ستم ہے"---

ہارون الرشید نے ایک آہ بھری اور کہا:

"بادشاہ تو آپ لوگ ہی ہیں"---

درجہ پر فائز ہو گئے ہو"---

[جاری ہے]

